مضامین و مقالات

اکرام کمبوہ

2
۲۹۷۶۰۸
ر۴۳۸۹
ک۳۶۵۱
۲و

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب	مضامین ومقالات
مصنف	اکرم کمبوہ
سال اشاعت	جون، 2007ء
مطبع	ماڈرن ٹائمز پریس، صدر، کراچی
قیمت	250 روپے
ناشر	راحیل پبلی کیشنز، اردو بازار، کراچی

اسٹاکسٹ

توکل اکیڈمی، کاشانہ خلیل، بالمقابل کالج برائے خواتین، اردو بازار، کراچی
موبائل نمبر 0321-2524561

۶-۰۳-۰۸ خان بک ۲۵/-

انتساب

آبروئے صحافت

جناب مجید نظامی کے نام!

ترتیب

استقدام (پروفیسر مظہر مسعود)	07
احتساب کا اسلامی تصور	11
پاکستان میں احتساب کیوں نہیں ہوتا؟	29
پاکستان میں سیاسی احتساب	46
جہاز رانی اور جہاز سازی میں مسلمانوں کا کردار	59
اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور	67
شعبۂ سائنس (جامعہ اسلامیہ بہاولپور)	91
شہاب ایک نظر میں	111
سوانحی خاکہ پروفیسر عطاء الرحمن	146
ایک مجاہد کا عزم	151
یادگار سفر	157
ایس ایچ ہاشمی اور پاکستان	161
تاریخ ساز شخصیت	165
اردو زبان اور ایس ایچ ہاشمی	169
روشن ضمیر	173
میرے شیخ میرے محترم	179
داعی اور مجاہد	208
موتی مالا	214

استقدام

قلم جب عَلَم بنتا ہے تو قومی اقدار کو سایہ ءعاطفت مل جاتا ہے، تہذیب کو تنظیم نصیب ہوتی ہے اور شائستگی کو شگفتگی میسَّر آتی ہے، نظری تعمیرات کا استحکام اور فکری مشروعات کا احتشام قلم کی برکات میں سے ہے۔ قلم برداروں کو جدید مادیّت شاید قوّام تسلیم نہ کرے مگر ان کی بدولت قوم کو وہ قِوام ضرور میسّر آجاتا ہے جس کی مدد سے دنیا میں اس کا توازن تشکیل پاتا ہے اور تناسب متعیّن ہوتا ہے سَوُّوا' سَوُّوا' صفوا صفوفکم' کی صدا سطر سطر سے بلند ہوتی ہے اور تَصفِیۃِ الصَّفوُف سے صلوۃ قعود وسجود کی طرح قومی مناسک میں بھی اتمام کا ظہور ہوتا ہے، معاشرت، مرّوت ومودّت سے آراستہ ہوتی ہے۔ سیاست ثقاہت سے اور صحافت صداقت سے اور معیشت دیانت سے روشناس ہوتی ہے۔ اخلاق آفاق بوس ہوتا ہے اور اطراف، اوصافِ عالیہ سے مزّین ہو جاتے ہیں۔ قلم سے ٹپکنے والی سیاہ بوندوں سے وہ اُجالا جنم لیتا ہے جس سے فکر و نظر پر للکارتے بنکارتے اندھیرے پسپا ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے اعزاز قلم کا اور یہ ہے امتیاز قلم کا۔ یہ مجموعہ ءمضامین اسی اجالے کا کھلیان ہے جو حیات و ثبات کا ایلچی ہے۔ اس میں تخلیق بھی تحقیق بھی، تاریخ بھی ہے تحریک بھی، کم وبیش بیس برس پر محیط یہ قلمی مسافرت مختلف مراحل ومنازل کی نشاندہی بھی کرتی ہے اور مسافر کی عزیمت واستقامت پر داد خواہ بھی ہے۔

عزیزم اکرم کمبوہ کو وارثت میں ملا عسکری نظم اور اسلامی عظم اس رہ نوردی میں ان کا ہمقدم دکھائی دیتا ہے۔ مذہبی شعائر و دوائر سے پختہ تعلق کا صعود اور پاکستان سے غیر مشروط محبت کا

سعودان مضامین کے پس منظر میں ضوانگیز نظر آئے گا۔ یہ اکرم کمبوہ کا وہبی فیضان بھی ہے اور کسبی رجحان بھی۔ اہل علم وعمل کی محفلوں مجلسوں سے فکری خوشہ چینی، مطالعے کی وسعتوں سے اخذ واکتساب، اشخاص وافراد کی صحبتوں سے استفادہ تلاش وتجسس سے استفاضہ، چھوٹے بڑے حلقوں کی دید شنید، بصارت وبصیرت کی کام گاری اور نمایاں کاری کے امتزاج حسنہ سے وجود پانے والا یہ مرقع، پیر وجواں کیلئے درس وتدریس کے کئی حلقے اور کئی زاویئے رکھتا ہے۔ یہ آئینہ ہے تو سنورنے سدھرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ آئین ہے تو ویران رَوِشوں کو آباد کرسکتا ہے۔ دل ودماغ کی بے نمو ربیع اور بے ثمر خریف کو روئیدگی کے کیف سے مالا مال کرسکتا ہے۔ یقیناً اتنی قوت اور اتنی صلاحیت ان اوراق میں بند ہے۔

احتساب سے مُعَنْوَن شذرات وہ عزادار ہیں جو امانت ودیانت کے بے کفن لاشوں پر سینہ کوب ہیں۔ اخلاقیات کے بے صفر مُحَرّم پر نوحہ گر ہیں اور قومی تاریخ کے بے فرات کربلا میں ماتم کناں ہیں۔ حکومت وردی کے زور پر غصب کی گئی یا جمہوری ناٹک سے حاصل کی گئی حکمراں مقامی تاجر تھے یا بیرونی اداکار تھے، اپوزیشن میں غریبوں کے ہمدرد، سرمایہ دار تھے یا ہاریوں کے غمخوار، جاگیردار، سب کے سب قصاب کی دکان پر لٹکے ہوئے پارچہء گوشت سے چمٹی ہوئی بھڑوں کی طرح حسب توفیق قومی خزانے کو نوچتے رہے۔ ہر آنے والے نے وہ لوٹ مار مچائی کہ رِحمہ اللہ علیٰ نبّاشُ الاول۔ کی کہاوت بھوکے ننگے بے مکان بے امان عوام کے بے نوالبوں کا بین بن گئی۔ یہ مضمون ان ہی بے نوا، بچھڑے اُجڑے عوام کی ترجمانی کرتا ہے۔ وہ ہاتھ پسار اٹھا کر فغاں بھی کرتا ہے بے جان اجساد کو قم، قم، قوموا الانفسکم کی انقلابی واحتجاجی نوحہ گری سے خروش وخروج کی دعوت بھی دیتا ہے۔ یہ مضمون کتاب وسنت کی مشعل لے کر مقتدر حلقوں کے دیانتی جذام کو بے نقاب بھی کرتا ہے اور شاہوں کے اورنگ وسریر کو اپنی خمیدہ پشتوں پر اٹھائے زندہ درگور عوام کی آنکھوں میں شوق نجات کی چمک بھی بیدار کرتا ہے اور ان کے بے حس جسموں میں کب تک، کہاں تک کا سوال حرکت انگیز ہوتا دکھائی دیتا ہے

اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور وہ علمی درگاہ ہے جس کی تعمیر میں فقیری اور بادشاہی ہم دست وہم دوش رہے اولاً بہاول پور اور ثانیاً پاکستان کی علمی تاریخ کا یہ روشن باب عرصہ دراز تک علم پرستوں کی نظر سے اوجھل رہا۔ آج اگرچہ وہ حالات نہیں کہ گزشتہ چار عشروں کی مسلسل ضوپاشی نے

اپنے آپ کو منوالیا ہے۔ تاہم پنج کافی فکر کے اسیر بہت سے لاہوتی لاہوری اس کے نام پر آج بھی چیں بجبیں ہوتے ہیں۔

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ عزیزم اکرم کمبوہ نے اپنی اس مادرِ علمی کو اشاعتی تاریخ کا محفوظ بنا کر ”بتیس دھاروں“ کا حق ادا کر دیا ہے۔ انہوں نے اس عظیم درسگاہ کی بنیادی تعمیر سے لے کر آج کی آسمان بوس رفعت تک ایک ایک دن کی تاریخ کو تمام جزئیات کے ساتھ اُجال دیا ہے اور خصوصاً علوم قدیمہ و متداولہ کے خادمانہ کردار کو اس طرح اجاگر کیا ہے کہ بعض قدیم جامعات کی آنکھوں میں رشک رقصاں دکھائی دیتا ہے کسی طالب علم نے اپنی مادر علمی کی ایسی روشن عکس بندی کم کی ہوگی یہ مضمون نگار کی احسان شناسی بھی ہے احسان فرمائی بھی۔

واقعہ یہ ہے کہ گزشتہ ایک دہائی سے عزیزم اکرم کمبوہ کی جتنی مختلف الموضوع کتابیں اشاعت پذیر ہوئی ہیں جن میں سے بعض کے ایک سے زیادہ ایڈیشن بھی شائع ہوئے ہیں، یا مضامین و مقالات مختلف پرچوں کی زینت بنے ہیں، یا اخباروں میں بے قاعدہ اور باقاعدگی سے ان کے کالم آرہے ہیں اور خصوصاً ٹی وی کے مختلف چینلز کے ذریعے انھوں نے نگاہوں اور ذہنوں میں جو مقام بنالیا ہے، ان ساری جہتوں سے ان کی علمی و ادبی حیثیت خوب مستحکم و مسلم ہوچکی ہے اور آج ان کی نئی کتاب کا انتظار کیا جاتا ہے۔ اس تناظر میں یہ مجموعۂ مقالات و مضامین کس کس علمی ایوان میں اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کی تصور آویزاں کردے گا اس کا اندازہ کرنا دشوار نہیں۔ اس اعتبار سے یہ ایک احسان شناس طالب علم کی اپنی مادرِ علمی پر احسان فرمائی ہے اس کتاب میں جو شخصی مضامین ہیں، ان کو بظاہر ایک فرد کے ذاتی تاثرات کہا جاسکتا ہے۔ مگر یہ تمام شخصیات صرف اکرم کمبوہ کی نگاہوں میں معتبر نہیں بلکہ کئی دوسرے دانشور بھی ان کے کمال و جمال کے مرتبہ دان و مدح خوان رہے ہیں اور آج بھی ہیں۔

ائیر کموڈور انعام الحق، شہاب دہلوی، عبدالسلام خورشید، خواجہ غلام فرید، ڈاکٹر اے کیو خان، پروفیسر عطاء الرحمٰن، سید عبدالمتین ہاشمی، ایس ایچ ہاشمی، حکیم طارق محمود چغتائی سب کے سب اپنے اپنے میدان کے روشن منارے اور عزت و عظمت کا نمونہ ہیں۔ ان کی علمی ادبی خدمات اور قومی خدمات کے معترف سبز ہلالی پرچم کے مہربان سائے سے دور بھی آباد ہیں۔ ان کے حب دار، ان کے احسان شناس، ان کے عقیدت مند بیرون ملک بھی پھیلے ہوئے ہیں اور بعض کو توبین

الاقوامی حیثیت حاصل ہے اور پورے عالم اسلام کی آنکھ کا تارہ ہیں۔ اس فہرست کے ایک ایک فرد سے اتنا استفادہ واستفاضہ افراد یا طبقات نے کیا ہے کہ پوری ایک جماعت سے بھی کم ممکن ہوتا ہے۔ ایسے افراد کے مخصوص حسن و جمال کی جلوہ نمائی ایک علمی و قلمی فریضہ ہوتا ہے عین نہ سہی کفایہ سہی۔ یہ فریضہ ادا کر کے اکرم کمبوہ خود سرخرو ہوئے ہیں اور دوسرے سبکدوش ہوئے ہیں۔

کالج کے ایک استاد کی حیثیت سے میں نے اکرم کمبوہ کی طالب علمی کے دور کو قریب سے دیکھا ہے۔ وہ طلباء کے سچے خیر خواہ رہے ہیں۔ اس وصف نے ان کو ایک محبوب طالب علم لیڈر اور ایک بے خوف ترجمان بنایا۔ جہاں جہاں طالب علم کے مفاد کو نقصان پہنچا انھوں نے صدائے احتجاج بلند کی اور دلائل کے ساتھ اپنا موقف پیش کیا اور احترام کے ساتھ منوایا۔

طلباء یونین پر پابندی کا جائزہ لیتے ہوئے انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے کوئی بے خبر ہی اختلاف کرے گا۔ تعلیمی اداروں کی فضا کو خوشگوار رکھنے اور طلباء کے پیچ در پیچ مسائل کو حل کرنے اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے یکسوئی کے زیر اثر بہتر تعلیمی نتائج حاصل کرنے کیلئے یہ مضمون طلباء اور منتظم اساتذہ دونوں کیلئے فکر و عمل کی نئی راہیں کھولتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ یہ مجموعہ مضامین و مقالات کتب خانوں میں، اس کے مندرجات ذہنوں میں اور اس کے اثرات رویوں میں ایک خوبصورتی پیدا کر دیں گے۔

سابق پروفیسر مظہر مسعود (شعبہ اردو)
گورنمنٹ صادق عباس ڈگری کالج
ڈیرہ نواب صاحب احمد پور شرقیہ
بہاولپور

احتساب کا اسلامی تصور!

اسلام ایک ایسا دین ہے جو انسانی زندگی میں ایک اجتماعی اور معاشرتی نظم پیدا کرتا ہے۔ اور جان‘ مال اور عزت کے حوالے سے ہر فرد کو اس کی ملکیت کے حقوق دے کر ان کے تحفظ کا مکمل اہتمام کرتا ہے۔

اسلام یہ بتاتا ہے کہ اسلامی سوسائٹی میں جہاں ایک فرد کے حقوق ہیں وہاں اس کے فرائض بھی ہیں۔ اس طرح وہ ہر فرد کو دوسرے تمام افراد کے ساتھ اس کی ملکیت‘ حقوق اور فرائض کی بنیاد پر جوڑ کر ایک لڑی میں پرو دیتا ہے اور ایسی سوسائٹی اور معاشرے کو وہ امتِ مسلمہ اور امت واحدہ کا نام دیتا ہے۔

(۱) یہی وجہ ہے کہ آنحضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کے باہمی اجتماعی تعلق کو ایک جسم کی مانند قرار دیا۔

(۲) دوسری طرف اسلام ایسے مسلمان کو ظالم قرار دیتا ہے جو حق اور ملکیت کی حدود کو پامال کرے اور اللہ کے حلال کردہ امور کو حرام یا حرام کردہ امور کو حلال قرار دے۔ قرآن حکیم نہایت ہی پرزور طریقے سے حق جل شانہ کی صفتِ ربوبیت کی قسم کھا کر یہ اعلان کرتا ہے کہ جو شخص پیغمبر اسلام کے عطا کردہ فیصلوں کو تسلیم نہیں کرتا وہ صاحب ایمان ہی نہیں ہے۔

(۳)۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں اور آپ ہی کی تعلیمات میں جس طرح اللہ رب العزت کے حقوق کا تعین کیا گیا ہے اسی طرح انسانوں کے حقوق کا بھی نہایت

عادلانہ اور منصفانہ تقرر بھی پایا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دنیا میں کسی انسان پر کیا ہوا ایک ظلم بھی قیامت کے دن کئی اندھیروں کی شکل میں ظالم کے لئے مشکلات کا سبب بنے گا۔

(۴)۔ اس طرح اسلام اپنے فرماں برداروں کی خیر، صلاح، رشد اور ہدایت کو نظم میں ایسے طریقے سے جوڑ دیتا ہے کہ ایک غیر محسوس انداز سے اسلامی معاشرے کی بنیادیں مستحکم ہونے لگتی ہیں اور اس کے بعد مسلم معاشرے کے حقوق و فرائض کو قانونی شکل دینے اور مسلم وحدت کا ظاہری ڈھانچہ قائم کرنے کے لئے اسلام نے امت مسلمہ پر یہ ذمہ داری عائد کی کہ مسلم علاقوں میں ایسے نگراں مقرر کئے جائیں جو اجتماعی طور پر ہر اعتبار سے مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی معاملات کو تحفظ دیں اور ان کا دفاع کریں۔ ایسے ذمہ دار افراد کو قرآن حکیم نے ''اولوالامر'' کا نام دیا۔

(۵)۔ ان تمام احکام کا عملی نمونہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں ایک مسلم معاشرہ قائم کیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ معاشرہ ایک مسلم ریاست کی شکل میں روئے زمین پر ابھر کر آیا۔ اس ریاست کے اندرونی اور بیرونی معاملات قرآنی ہدایات اور وحی الٰہی کے مطابق طے کئے جانے لگے اور چونکہ ختم نبوت کی وجہ سے وحی کا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہونے والا تھا۔ اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس معاشرے اور اس ریاست کو چلانے کے لئے ایسے پائیدار اور لافانی اصول عطا کر دیئے جن کی بنیاد پر یہ معاشرہ ہمیشہ کے لئے قائم رہ سکے اور ہر زمانے کے بدلتے حالات کے مطابق ہر پیش آنے والے نئے مسئلے کا حل بھی وحی الٰہی کی روشنی میں نکالا جا سکے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف انفرادی اور اجتماعی زندگی کے اصول علمی اور عملی طور پر اپنے اصحابؓ کو سکھائے بلکہ آپ ﷺ نے اپنی ذات نبوت کو بھی اسلامی قانون سے بالاتر ثابت نہیں کیا۔

قرآن مجید کی کئی آیتیں اس کی شہادت دے رہی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں ایسی بے مثال مساوات اور عادلانہ احکام جاری کئے جن کی وجہ سے ہر شخص خواہ اس کا تعلق عوام سے ہو یا ارباب اختیار سے، بہر صورت وہ قانون کی نظر میں برابر کھڑا دکھائی دیتا ہے اور اسی لحاظ سے آپ صلی اللہ عنیہ وسلم کی ذات اقدس اور آپ ﷺ کا کنبہ بھی کوئی امتیازی حیثیت

حاصل نہیں کر پاتا۔ اور قرآن حکیم نے صراحت کر دی ہے کہ

"ما کان لنبی ان یغل ومن یغلل یات بماغل یوم القیامته ثم توفی کل نفس ما کسبت وھم لایظلمون۔"

کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ جائز نہیں کہ آپ ﷺ اجتماعی اموال کی کوئی چیز خلاف قانون اپنے لئے چھپا کر رکھ لیں۔ بلکہ جس نے بھی اس طرح کی خیانت کی وہ شخص روز قیامت اس چیز کا بوجھ اپنے ساتھ لائے گا۔ پھر ہر شخص کو اپنے ہر عمل کا پورا بدلہ چکانا ہوگا۔ اور کسی پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام انسانی حقوق کی بنا پر حلال وحرام کا تصور اور عقیدہ قائم کرتا ہے اور اسلامی سوسائٹی میں ایسے انتظامات کرتا ہے جو اسلامی اصولوں کے مطابق انسانی حقوق کو تحفظ فراہم کریں اور پھر انتظامی امور کے لئے اسلام ایک دستور دیتا ہے تاکہ اس دستور کے مطابق منتظمین اپنی ذمے داریاں نبھائیں اور اسلام اس شخص کو برداشت نہیں کرتا جو حقوق تلف کرے اور بالخصوص جب ایک شخص مسلمانوں کے حقوق کا پاسبان بن کر منتظمین کی صف میں شامل ہو جائے تو اس کی ذمہ داری دوچند ہو جاتی ہے جس طرح ایک عام شخص ظلم کرے تو اسلامی عدلیہ اس کا احتساب کرتی ہے اور مظلوم کی مکمل دادرسی کے ساتھ ایسے اقدامات کرتی ہے جس سے دوبارہ کسی ظالم کو دوبارہ ظلم کرنے کی جرات نہ ہو سکے۔ اس طرح ایک ذمہ دار فرد، خواہ وہ حکمران ہو یا قاضی یا کوئی اور اس کا بھی احتساب کرنا مسلم معاشرے کی اولین ضرورت قرار پاتی ہے کہ اگر منتظم کو ظلم کرنے کا معمولی راستہ بھی مل گیا تو وہ اپنے اقتدار کی بنا پر "فساد فی الارض" کا ارتکاب کرے گا۔ اس سے ظالموں اور غاصبوں کی کھلی چھوٹ ملنے کے ساتھ ہر ظلم اور زیادتی جائز قرار پائے گی اور طاقتوروں کو کم حیثیت لوگوں کا آخری قطرہ تک نچوڑ لینے کی آزادی مل جائے گی۔ اس لئے یہ ناممکن ہے کہ اسلام عوام کو ناانصافی سے منع کرے اور حکمرانوں کو کھلا چھوڑ دے۔

احتساب کا لغوی اور اصلاحی مفہوم!

لفظ احتساب افتعال کے باب کا مصدر ہے، اس کا ثلاثی مجرد "حسب" کے وزن پر آتا ہے۔ جس

کے معنی شمار کرنے، گننے اور حساب میں لانے کے ہیں۔

(۷)۔ اس سے محاسبہ، باب مفاعلہ، بھی آتا ہے؛ جس کے معنی ہیں حساب لینا۔ اور لفظ حساب جو کہ ثلاثی مجرد کا مصدر ہے اس کے معنی بھی بنیادی طور پر شمار کرنے کے ہیں۔ مگر قرآن حکیم میں کئی مقامات پر لفظ حساب کو صرف شمار کرنے کے معنی میں نہیں لیا گیا بلکہ شمار کرنے اور گننے کے مقاصد مراد لئے گئے ہیں۔ یعنی پرکھنا، جانچ پڑتال کرنا، جائزہ لینا اور حساب لینا۔ چنانچہ قرآن مجید میں قیامت کے دن کے لئے یوم حساب۔

(۸)۔ اور یوم یقوم الحساب۔ (۹)۔ کے الفاظ آتے ہیں۔ گویا ''یوم الحساب'' کی تفسیر ''یوم یقوم الحساب'' سے کی گئی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ حساب کے دن سے مراد صرف انسان کے اعمال کو گننا نہیں بلکہ اعمال کے شمار کو قائم کرنا ہے۔ قرآن کے مطالعہ / تلاوت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن مجید جب کسی کام کے لئے قیام کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس سے اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کام کو اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ادا کیا جائے۔ سورہ الفاتحہ میں قیامت کے لئے یوم الدین کے الفاظ آئے ہیں جس سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ حساب کے لوازمات میں سے یہ بھی ہے کہ ظالم سے بدلہ لیا جائے۔ اس کے نتیجے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حساب کا قرآنی مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کا اچھی طرح جائزہ لیا جائے اور اصولوں کے مطابق اس کی جانچ پڑتال کر کے اس کا بدلہ لیا جائے یا اسے بدلہ دیا جائے۔ اور یہی معنی احتساب کے ہیں۔ لفظ احتساب کئی احادیث میں موجود ہے مثلاً حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

''من قام رمضان ایمانا و احتسابا غفرله ماتقدم من ذنبه.

(۱۰)۔ کہ جس نے ایمان اور اپنے محاسبہ کے ساتھ رمضان المبارک کے رزے رکھے اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔'' احتساب کے ایک معنی اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھنے کے بھی لئے جاتے ہیں اور یہ معنی خاص اس وقت لئے جاتے ہیں جب لفظ احتساب کے بعد درج ذیل الفاظ کا اضافہ ہو۔ ''اجراً عنداللہ'' یا ''خیراً عنداللہ'' غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جانچ اور پڑتال کے ساتھ کام کرتا ہے وہی ثواب کا امیدوار ہوتا ہے۔ اور ثواب کی امید رکھنا بھی عبادات کے لوازمات میں سے ہے اور ثواب یا عتاب دونوں کا حساب بنتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ عبادات کے حساب کا نتیجہ ثواب کی شکل میں ہوگا۔ اس سے بنیادی طور پر مذکورہ دونوں

معانی میں کوئی خاص فرق نہیں ہے اس طرح محتسب اس شخص کو کہا جاتا ہے جو حاکم وقت کی طرف سے کسی شعبے کی کارکردگی کی دیکھ بھال، پرکھ اور حساب لینے کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ اور ”حسبۃ“ (ح کی زیر کے ساتھ) محتسب کے عہدے کا نام ہے۔ اسی طرح محتسب کو والی الحسبۃ بھی کہا جاتا ہے۔

معروف شافعی فقیہ الماوردی ”احتساب“ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”ھوامر بالمعروف اذا ظہر ترکہ ونہی عن المنکر اں اذا ظہر فعلہ“ کہ ”جب کھلم کھلا کسی اچھائی کو ترک کیا جا رہا ہو یا کھلم کھلا کسی برائی کو عمل میں لایا جا رہا ہو تو اس وقت اس اچھائی کو قائم کرنے اور برائی کا سدباب کرنے کا نام احتساب ہے۔“ اور امام غزالیؒ ”احیاء العلوم“ میں اور ابن خلدون اپنے ”مقدمہ“ میں اسی سے ملتے جلتے الفاظ میں احتساب کی وضاحت کرتے ہیں۔ البتہ محمد علی تھانوی اس تعریف کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ”فی الشرع ھما الامر بالمعروف اذا ظہر ترکہ اوالنھی عن المنکر اذا ظہر فعلہ ثم الحسبۃ فی الشرع عام یتناول کل مشروع یفعل للہ کالاذن والاقامتہ وادالشہادۃ الٰی کثیرۃ تعدادہ ولھذا قیل القضاء باب من ابواب الحسنۃ، وفی المعروف اختصر، باموز احدھا ار......“ کہ شرعی اصطلاح میں حسبت اور احتساب دونوں کے معنی یہ ہیں جب کھلم کھلا کسی اچھائی کو ترک کیا جا رہا ہو اور جب کسی برائی کو روبہ عمل لایا جا رہا ہو تو اس وقت اس اچھائی کو قائم کرنا اور اس برائی کو روکنا، اس کے بعد یہ کہ حسبۃ اپنے شرعی اور عرفی مفہوم میں فرق رکھتا ہے۔ شرعی مفہوم میں تعمیم ہے یعنی اس اعتبار سے حسبۃ ان تمام احکام کو شامل ہے جو رضائے الٰہی کے لئے کئے جاتے ہیں۔ جیسے اذان، اقامت، گواہی دینا وغیرہ۔ اس لحاظ سے قضا بھی حسبہ کا ایک شعبہ ہے مگر عرفی اعتبار سے حسبہ چند امور سے مخصوص ہے۔ مثلاً شراب بہا دینا، آلات موسیقی توڑ دینا اور سڑکوں کی اصلاح کرنا۔“

شیخ محمد علی تھانوی کی پیش کردہ عبارت سے یہ واضح ہوا کہ شرعی اعتبار سے احتساب ہر اس نیکی کے کام کو کہتے ہیں جو دوسروں کی اصلاح کے لئے عمل میں لایا جا رہا ہو اور مسلمانوں کے عرف میں احتساب درحقیقت ایک ایسے ادارے کا نام ہے۔ جس کی ذمہ داریوں میں یہ شامل ہوتا ہے کہ وہ مسلم ریاست کی عوام اور اس کے خواص کی سرگرمیوں کا بغور جائزہ لیتا رہے اور جہاں شریعت کی نافرمانی دیکھے اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے اس نافرمانی کے احکام کو سختی سے بند کرا دے۔ مثلاً کہیں شراب کا اڈہ پائے تو شراب بہا دے اور کہیں ناچ گانے اور موسیقی کی محفل

کا اسے علم ہو تو ان کے خلاف سخت کارروائی کر کے ان کے آلات توڑ دے اور مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچا دے۔ عصرِ حاضر کے معروف فقیہہ استاد محمد المبارک لکھتے ہیں کہ

”هی رقابت اداریته تقوم بهاالدوٗلته عن طریق موظفین خاصمین علی نشاط الافراد فی ....“

(۱۳)۔ کہ ”احتساب ایک نگران ادارہ ہے جسے حکومت اپنے مخصوص اور باصلاحیت کارندوں کے ذریعے تشکیل دیتی ہے تاکہ اخلاق، دین اور معیشت کے اعتبار سے لوگوں کی عام اجتماعی سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے عدل و انصاف اور اعلیٰ اقدار کو بروئے کار لایا جائے اور ان کو شرعی احکام اور مختلف زمانوں اور مختلف حالات کے پسندیدہ عرف عام کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق بنایا جائے۔“

مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں یہ واضح ہوا کہ احتساب کے اصلاحی معنی یہ ہیں کہ حقوق انسانی کے تحفظ اور ظالم کے ہاتھ روکنے کے لئے اسلامی حکومت ایک بااختیار شعبہ قائم کرے جو اسلامی حکومت کی منتظر، مقننہ اور عدلیہ کے علاوہ ہو۔ اس کے کارندے پوری ریاست میں احکام شریعت اور عدل و انصاف کا جائزہ لیتے رہیں اور جہاں احکام الٰہی کی نافرمانی پائیں یا منتظمہ، مقننہ اور عدلیہ میں انہیں ظلم دکھائی دے تو وہ اپنے اختیارات سے جرائم کو روکیں اور مجرم کو گرفتار کر کے ان کے جرائم کی تحقیق کریں اور انہیں سزا دیں، خواہ وہ مجرم عام شہری ہو یا بڑا افسر یا جج یا کوئی حکمران کیوں نہ ہو۔

احتساب تاریخ اسلام کی روشنی میں!

اسلام کے بنیادی مآخذ اور مصادر کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلام ہمیں تین قسم کے احتساب کا تصور دیتا ہے، جن میں سے ایک کا تعلق ہمارے عقائد سے ہے اور باقی دونوں ہماری عملی زندگی کا حصہ ہیں۔ پہلی قسم ایمانی احتساب ہے جو کہ بندوں کا خالق آخری زندگی میں اپنے بندوں سے لے گا۔ اس کا آغاز قبر کی زندگی سے شروع ہو جاتا ہے اور اس کا مکمل ظہور قیامت کے روز ہو گا جس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ

یومئذ یصدر الناس اشتاتا لید واعمالهم فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذره شرا یره.“

(۱۴)۔ کہ اس دن لوگ متفرق طور پر ظاہر ہوں تاکہ وہ اپنے اعمال کا مشاہدہ کریں جس نے ذرہ برابر بھی بھلائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کا ارتکاب کیا ہوگا وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔" اسی طرح ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ان الینا ایابھم ثم ان علینا حسابھم."

(۱۵)۔ کہ یقیناً تم لوگوں نے ہمارے پاس حاضر ہونا ہے پھر ہم نے ان کا حساب لینا ہے۔"
حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا۔" اے لوگو! تم اللہ کے پاس ننگے پاؤں، برہنہ جسم اور بے ختنہ ہوئے زندہ ہو کر جمع ہو گے۔ جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

"کما برانا اول خلق لغیرہ وعدا علینا انا کنا فاعلین."

کہ" ہم دوبارہ پیدا کریں گے جس طرح ہم نے پہلی بار تخلیق کا آغاز کیا تھا۔ یہ ہمارا وعدہ ہے جسے ہم ضرور نبھائیں گے۔" اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے، آگاہ ہو جاؤ، قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراھیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔

(۱۶)۔ احتساب کی باقی دو اقسام عملی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ بندہ خود اپنا محاسبہ کرے اور دوسری یہ کہ سب لوگ ایک دوسرے کا احتساب کریں یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک کا محاسبہ دوسرا شخص کرے۔ ان دونوں اقسام کے متعلق آئندہ سطور میں گفتگو کی جا رہی ہے۔

اسلام کی تعلیمات ہر مسلمان کو خود احتسابی پر ابھارتی ہیں۔ اسلام نے ہر مسلمان کی عملی زندگی کے لئے قرآن وحدیث کا مطالعہ، تلاوت قرآن اور دیگر عبادات فرض قرار دے کر اسے خود احتسابی کے بے شمار مواقع فراہم کئے ہیں۔

جہاں تک احتساب کی آخری قسم کا تعلق ہے اس کی مزید دو انواع بن جاتی ہیں۔ پہلی نوع "احتساب رعیت" ہے اور دوسری "احتساب ائمہ" تاریخ اسلام سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام نے پہلے ہی دن سے ان دونوں انواع کے متعلق اصل اسلام کو باخبر کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ سے ان دونوں انواع کا اسوہ حسنہ عطا کیا ہے۔ احتساب رعیت کے حوالے سے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں بحیثیت حاکم، قاضی اور سپہ

سالار سامنے آئے اور قرآن حکیم کے حکم سے مسلمانوں نے اپنے تمام معاملات میں آپ ﷺ کی طرف رجوع کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہر مسلمان کے لئے ایمان کا حصہ اور پہلا فرض قرار پائی۔ اس کے ساتھ یہ کہ آپ ﷺ نے دور دراز علاقوں میں گورنر اور قاضی متعین کئے۔ اپنی عدم موجودگی میں مدینہ طیبہ میں ہمیشہ کسی ذمہ دار فرد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نائب بنایا اور اس کے علاوہ بہت سے امور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی عہدوں پر کئی صحابہ کرامؓ کو منتخب فرمایا۔ آپ ﷺ نے اپنی رعایا کا احتساب کیا۔ اپنی ریاست کے باغیوں کی سخت گرفت کی۔ قرآن کریم کی بے شمار آیات اس کی شہادت دے رہی ہیں۔

(۱۷)۔ اور اللہ کے حکم کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نافرمانوں کو سزائیں دیں۔

''احتساب ائمہ'' احتساب کی ایسی قسم ہے جس کی بنیاد عہد نبویؐ میں رکھی گئی اور بعد کے ادوار میں رفتہ رفتہ اس کی کئی صورتیں بنتی رہیں۔ یہاں تک کہ دیوان مظالم یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر یا احتساب یا حسبتہ کے نام سے ایک مستقل ادارہ وجود میں آ گیا۔ یہ ایک قسم کی عدالت تھی جو ابتدائی طور پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قائم ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رشید بن عبداللہ کو حکومتی اہلکاروں کے خلاف شکایات سننے اور فیصلہ کرنے کے لئے تعینات فرمایا تھا۔

(۱۸)۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر فرد کو آزادی دی کہ وہ اپنے ذمہ دار افسروں کا محاسبہ کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اقدس کو پیش کر دیا اور ایک مجمع میں یہ اعلان کیا کہ اگر کسی کو کوئی حق مجھ پر ہو تو وہ وصول کر لے۔ اس وقت حضرت عکاشہؓ اٹھے اور کہنے لگے کہ ایک غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پیٹھ پر چھڑی چھوئی تھی۔ اور میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا اور اپنی پشت مبارک پیش کر دی۔ وہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میری پیٹھ پر کپڑا نہیں تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جسم مبارک سے کرتا ہٹا لیا مگر انہوں نے آگے بڑھ کر مہر نبوت کو چوم لیا اور عرض کیا کہ میں نے اسی مقصد کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔

خلافت راشدہ اور بنو امیہ کے عہد میں احتساب ائمہ و عمال کا مستقل ادارہ نہیں تھا لیکن اس کی تین صورتیں ضرور معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی صورت یہ کہ عدلیہ وقت کے حکمرانوں کی گرفت سے

آزاد تھی اور خود حاکم کو بھی عدالت میں حاضر ہونا پڑتا تھا۔ دوسری صورت یہ کہ عوام کو یہ آزادی حاصل تھی کہ وہ جب چاہیں کسی ذمہ دار افسر کے خلاف شکایت درج کر دیں، اور تیسری صورت یہ تھی کہ حاکم وقت اپنے تمام عمال کے حالات کی آگاہی حاصل کرتا رہتا تھا اور خاص دنوں میں ان کے متعلق عدالت قائم کرتا یا وہ اپنے عمال کو عوامی عدالت کے سامنے پیش کرتا۔ مثلاً حضرت عمرؓ ہر سال حج کی ادائیگی کے بعد تمام لوگوں کو اپنے عمال کے خلاف شکایات کا موقع دیتے۔ اس طرح لوگ اپنے حکمرانوں کے بارے میں قریبی عدالت سے رجوع کر سکتے تھے اور خلیفہ وقت کو ان کی شکایتیں بھی پیش کر سکتے تھے۔

عباسی دور میں ایک خاص قسم کی عدالت قائم کی گئی جس کو دیوان مظالم کہا جاتا تھا۔ اس کو حکومتی اہلکاروں کے خلاف شکایات کے فیصلہ دینے کا اختیار حاصل تھا۔ اور یہ بھی اس عدالت کو اختیار دیا گیا کہ وہ قاضیوں کے فیصلوں کے خلاف متاثرہ فریق کی اپیل بھی سنے۔ اس طرح دیوانِ مظالم کو خلافت سے الگ کر کے متعلقہ قاضی کے اختیار میں دے دیا جاتا۔ یہ ایک مضبوط قسم کی عدالت تھی جس کے پاس قاضی کے اختیارات کے ساتھ ساتھ حکمرانی کے اختیارات بھی ہوتے تھے۔ ایوان مظالم کے قیام کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ حکومت وقت کو یقین ہو جائے کہ بااثر حکومتی ارکان عہدوں کی وجہ سے قانون سے فرار اختیار کرنے یا اس میں رکاوٹ بن کر قانون توڑنے کی کوشش نہیں کر سکتے۔ یہ اپنی نوعیت کا پہلا ادارہ تھا جو شہریوں اور حکومتی اداروں کے درمیان تنازعات کا تصفیہ کرتا اور ساتھ ہی ماتحت عدالتوں کے لئے ایک ہائی کورٹ کی حیثیت بھی رکھتا تھا۔ جو ان کے فیصلوں کے خلاف دائر کردہ اپیلوں کی سماعت کرتا تھا۔

(۱۹)۔ احتساب کے متعلق ان تفصیلات کے بعد ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ احتساب کی تینوں اقسام ''احتساب نفس، احتساب رعیت، احتساب ائمہ وعمال کے متعلق اجتماعی طور پر اسلامی تعلیمات کا ذکر بھی کیا جائے۔

احتسابِ نفس!

خود احتسابی کا مفہوم یہ ہے کہ ہر انسان اپنے افکار و اعمال پر غور و فکر کرے۔ اپنی تربیت و اصلاح کرے۔ حق جل شانہ کا فرمان ہے ''بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ ولوالقی معاذیرہ''

(۲۰) کہ "ہر شخص اپنی ذات کا خود نگران ہے خواہ وہ جس طرح کے بہانے پیش کرتا پھرے۔" ایک حدیث میں ہے۔ "حیا ایمان کا حصہ ہے۔" دوسری حدیث ہے کہ جس میں حیا نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں۔"

(۲۱)۔ یہ حیاء در حقیقت خود احتسابی کا نام ہے کہ قلب انسانی بیدار ہو جاتا ہے یا نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے اور ان قلبی صلاحیتوں کے پیدا ہونے کے دو مدارج قرآن حکیم میں ذکر کیئے گئے ہیں۔ پہلا درجہ یہ کہ انسان کا نفس تو امارہ بن جاتا ہے۔ (۲۲) کہ وہ خود احتسابی کر کے اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے پھر اگر مومن اپنی اصلاح جاری رکھے تو دوسرا درجہ یہ آتا ہے کہ نفس مطمئنہ بن جاتا ہے۔
(۲۳)۔ اور نفس کی مکمل طہارت ہو جاتی ہے۔

اسلام ہر مسلمان کو یہ ترغیب دیتا ہے کہ وہ ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ استغفار، دعاؤں اور عبادات کی کثرت کرے، اپنے آپ کو اپنی کوتاہیوں پر ملامت کرے، اپنے ساتھ اللہ کی فرماں برداری کے معاہدات کرے، اپنے آپ کو نیکی پر آمادہ کرے، تلاوت قرآن کا تسلسل رکھے۔ علم حاصل کرے، اور اسلامی خطبات میں شریک ہو کر اپنی اصلاح جاری رکھے۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے اور اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم گریہ وزاری کرتے روزانہ ستر یا سو بار استغفار فرماتے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال تربیت کا اثر تھا کہ صحابہ کرامؓ اور امت کے صلحاء و علما کبھی اپنے نفس سے غافل نہ ہوئے۔

حضرت عمرؓ کو ایک شخص نے خلیفہ بننے کے چند برس بعد دیکھا تو وہ آپ رضی اللہ عنہ کو پہچاننے سے قاصر رہا کیونکہ آپؓ پہلے سے بہت لاغر ہو چکے تھے اور آپؓ کا رنگ سیاہی مائل ہو چکا تھا۔ عرب میں ۱۸ ہجری میں قحط پڑا، حضرت عمرؓ نے اس دوران کوئی لذیذ چیز نہیں کھائی بلکہ رعایا کو خوراک مہیا کرنے میں لگے رہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپؓ کی خدمت میں دودھ پیش کیا جسے آپؓ نے نوش فرمالیا اور پھر پوچھا۔ دودھ کہاں سے لائے تھے۔ اس نے بتایا کہ جنگل میں صدقہ کے اونٹ چر رہے تھے وہاں پر ان لوگوں نے ان کا دودھ نکالا اور انہوں نے مجھے بھی دے دیا۔ آپؓ نے منہ میں انگلی ڈال کر اسے قے کر دیا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کسی کام میں مصروف تھے کہ ایک شخص نے آ کر کہا کہ فلاں نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ آپؓ مجھے بدلہ دلوا دیں۔ آپؓ نے اسے

درہ رسید کیا اور فرمایا جب میں اسی مقصد کے لئے بیٹھتا ہوں تو تم لوگ نہیں آتے اور جب کسی اور کام میں مصروف ہو جاؤں تب آ جاتے ہو۔ وہ شخص چلا گیا۔ آپؓ کو احساس ہوا' اسے بلوایا اور درہ دے کر فرمایا بدلہ لے لو۔ اس نے کہا میں نے معاف کیا۔ اس کے بعد آپؓ گھر تشریف لے گئے۔ دو رکعت نماز مغفرت ادا کی اور اپنے آپؓ سے خطاب کر کے فرمایا۔ اے عمر! تو بے عزت تھا اللہ نے تجھے اونچا کر دیا' تو گمراہ تھا' اللہ نے تجھے ہدایت دی۔ تو ذلیل تھا' اللہ نے تجھے عزت دی اب ایک شخص آ کر تجھے ظلم کا بدلہ دلانے کے لئے کہتا ہے اور تو اسے درہ مار دیتا ہے' تو کل اپنے مالک کو کیا جواب دے گا؟ اسی طرح بڑی دیر تک خود کو ملامت کرتے رہے۔ حضرت عامرہ صحابیہؓ کو بھی یہی ذاتی احتساب حضورﷺ کے دور اقدس پر لایا کہ وہ اعترافِ گناہ کرتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے واپس بھیج دیتے ہیں کہ تجھے غلط فہمی ہو سکتی ہے مگر وہ بار بار عرض کرتی ہیں تا آنکہ' حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب بچہ پیدا ہو جائے تو پھر آنا۔ وہ کچھ عرصہ بعد بچہ اٹھا کر آ جاتی ہیں کہ میری روح زخمی ہو چکی ہے' قیامت کے عذاب کی ہولناکی نے میری نیند حرام کر دی ہے' مجھے پاک کر دیجئے' آپؐ فرماتے ہیں جب بچہ بڑا ہو جائے تو پھر آنا۔ وہ کچھ عرصہ بعد آئیں تو انہیں سنگسار کر دیا گیا۔ (۲۴)

یہی احتساب نفس اور فکر آخرت کا ہی اصل محرک تھا جس کی وجہ سے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کو خلافت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد متعدد شاہی گھوڑے' قالینوں والہ دربار شاہی' غلاموں کے دستے اور قصر خلافت پیش کیا گیا۔ اور آپؒ نے تمام چیزیں مسترد کر دیں اور پھر آپؓ کے چہرے پر تکبر' رعونت اور والہانہ حسرتوں کی بجائے عاجزی وانکساری بلکہ پریشانی کے آثار دیکھے گئے۔ اور آپؓ سے پریشانی کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا اس سے بڑھ کر پریشانی کیا ہو گی کہ آج مشرق سے مغرب تک امتِ محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں جس کا حق اس کے مطالبے کے بغیر مجھ پر خود بخود قائم نہ کیا گیا ہو اور پھر مسجد میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔ تم پر میری اطاعت' اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اطاعت سے مشروط ہے اگر میں شریعت کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت کی بجائے میری اصلاح کرو۔

احتساب رعیت!

مسلم معاشرے کی صحت وترقی کا انحصار قانون کی حکمرانی' آزاد عدلیہ اور امر بالمعروف ونہی

عن المنکر پر ہے، قانون کے تفاخر اور انصاف کے قیام میں مکمل مساوات اور طاقتور اور کمزور کے مابین عدم تفریق لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''اے ایمان والو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ (۲۶) دوسری جگہ فرمایا ''تم انصاف کے علمبردار بن کر اللہ کی رضا حاصل کرنے والے گواہ بنو خواہ اس کی زد میں تمہاری اپنی ذات یا تمہارے والدین یا عزیز و اقرباء پر کیوں نہ پڑے۔'' (۲۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا۔

''ان دمائکم واموالکم وعرضکم حرام علیکم، کحرمة یومکم هذا بلدکم هذا......''

(۲۸) کہ ''بے شک تمہاری جانیں، تمہارے اموال اور عزتیں ایک دوسرے کے لئے اس طرح مقدس ہیں جس طرح آج کا دن، یہ شہر مکہ، اور یہ ماہ ذوالحجہ قابل احترام ہیں۔ تم بہت جلد اپنے مالک سے ملاقات کرنے والے ہو۔ وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کریں گے۔ اس سے میرے وصال کے بعد تم منکر بن کر ایک دوسرے کو قتل کے درپے نہ ہو جانا۔ اس طرح اسلام ہر فرد کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلائے ہوئے احتسابی نکتہ نگاہ سے اپنے فرائض ادا کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور فرمان ہے۔ ''کلکم داع وکلکم مسئول عن دعیتہ......'' (۲۹) کہ تم میں سے حاکم وقت اپنے فرائض و معاہدات کا ذمہ دار ہے وہ مسئول ہوگا۔ مرد اپنے کنبے کا ذمہ دار ہے، وہ اپنی ذمہ داریوں کا جوابدہ ہوگا۔ خاتون کانہ اپنے خاوند کے گھر کی ذمہ دار ہے، وہ بھی جوابدہ ہوگی۔ اور خادم اپنے آقا کے مال کا ذمہ دارہ وہ بھی اپنی ذمے داری کے بارے میں جواب دہ ہوگا۔'' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم'' دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے مگر ظالم کی مدد کے کیا معانی ہیں؟ فرمایا ''تمنعه من الظلم فذالک نصرت ایاه'' (۳۰) کہ ''تمہارا اس کو ظلم سے روک دینا ہی اس کی مدد کرنا ہے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔'' جس نے ظالم کی مدد کی تاکہ اس کے باطل کے ذریعے حق کو مغلوب کر دے تو وہ اللہ کی حفاظت سے محروم ہو گیا۔'' (۳۱)

۲۳۶۵۱

خلاصہ یہ کہ اسلام نے یہ تعلیم دی کہ دوسرے مسلمان کی معمولی سی چیز بھی کسی مسلمان کے ذمہ رہ گئی تو وہ اخروی نجات کے لے رکاوٹ بن سکتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین میں صریح ہدایات موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی کے ذمہ دوسرے کا قرض ہے جو کہ رضامندی سے حاصل کیا جاتا ہے، وہ بھی ادا کئے بغیر نجات مشکل ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کے ذاتی مال سے یا اجتماعی اموال سے خیانت کی گئی تو اس کی ادائیگی کے بغیر نجات بالکل ناممکن ہے۔ حضر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''ادوالخیاط والمخیط وایاک والغلول فانہ عار علی اہلہ یوم القیامتہ۔ (۳۲) کہ ''معمولی سا تاگہ اور سوئی بھی بیت المال میں جمع کرادو اور خیانت سے مکمل اجتناب کرو۔ کیونکہ یہ فائن کے لئے قیامت کے دن ندامت کا باعث بنے گی۔'' اس کے ساتھ اسلام نے یہ تعلیم بھی دی کہ مسلم سوسائٹی میں ظالم کو ظلم سے روکا جائے۔ اس کی ایک صورت یہ کہ مسلم معاشرے، والدین، اساتذہ اور حکمرانوں پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ وہ اپنے معاشرے میں پیدا ہونے والے بچوں کی تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھیں۔ حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس نصیحتیں فرمائیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ ''اپنے اہل خانہ کی تربیت سے غافل نہ رہنا۔'' اور یہ بھی نصیحت کی تھی کہ ''اپنے اہل خانہ کو خوف دلانا کہ وہ اللہ کی فرماں برداری کریں۔'' اس طرح حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ''جب بچہ سات سال کا ہو تو اسے نماز کا حکم دیجئے اور جب دس سال کا ہو اور وہ نماز میں کوتاہی برتے تو اسے سزا دو۔'' ظالم کو ظلم سے منع کرنے کا دوسرا طریقہ اسلام نے یہ بتایا کہ قانون کے ذریعے انصاف قائم کیا جائے اور کمزور کا حق طاقتور سے چھین کر اسے دیا جائے۔ اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''لی الواجد یحل عرضہ وعقوبتہ'' (۳۳) جو شخص جان بوجھ کر دوسرے کا حق ادا نہ کرے اس کی بے عزتی کرنا اور سزا دینا جائز ہے۔'' اس لئے عدلیہ کا وجود مسلم معاشرے کے لئے واجب اور فرض ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ عدلیہ ہر قسم کی جانبداری سے اور دباؤ سے آزاد ہو تا کہ ہر ایک کو بے لاگ عدل حاصل ہو سکے۔

احتساب ائمہ وعمال اور قضات!

قرآن کریم میں ارشادِ خداوندی ہے کہ ''اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے۔ یہی لوگ

نجات پانے والے ہیں۔ (۳۴) نیز ارشاد فرمایا۔ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ان کو ہم ملک میں دسترس دیں تو وہ نماز ادا کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، اور نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔'' (۳۵)

امام غزالیؒ نے احیاالعلوم میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لازم ہونے کے بارے میں متعدد آیات نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے اور اسلامی معاشرے کی اساس اسی احتساب پر قائم ہے۔ وہ فرماتے ہیں اسے نظر انداز کرنا، نبوت کو معطل کرنے کے مترادف ہے۔ یعنی اس سے دین کا نظام ضائع ہوگا اور دیانت مٹ جائے گی۔ جہالت اور فساد پھیل جائے گا۔ جس سے انسانی معاشرے کی تباہی یقینی ہے۔ کیونکہ قرآن کا فیصلہ ہے کہ جب معاشرہ ظلم، فساد، رشوت، بدعنوانی، بدعہدی اور ناانصافی میں مبتلا ہو جاتا ہے تو معاشرے کے وہ لوگ بھی تباہ ہو جاتے ہیں جو ان...... میں مبتلا نہ ہوں مگر وہ معاشرے کو اس بگاڑ سے روکنے کے لئے جدوجہد نہیں کرتے۔ ظالم کا ہاتھ نہیں روکتے، اور ارباب اختیار کے احتساب سے بے پرواہی برتتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ جب تک آگ ان کو لپیٹ میں نہیں لے لیتی وہ محفوظ ہیں۔ فی الحقیقت وہ محفوظ نہیں رہ سکتے جب تک کہ وہ بگاڑ کی قوتوں سے نبرد آزما ہو کر حق وانصاف کو غالب کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی نہ لگا دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

''واتقوافتنة لاتصيبن الذين ظلموامنكم خاصة.''

(۳۶) یعنی ''بچو اس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تم میں گناہ کیا ہو۔''

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں کے ساتھ وقت کے حکمرانوں کو بھی ظلم سے اجتناب کا حکم دیا۔ آئندہ سطور میں کچھ احادیث ذکر کی جاتی ہیں جن میں احتساب ائمہ وعمال کا واضح تصور پایا جاتا ہے۔

ابوحمید عبدالرحمٰن اساعدی فرماتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو صدقات وصول کرنے پر مقرر کیا۔ وہ جب واپس آیا تو کہنے لگا

''هذا لكم وهذاهدى لى.''

کہ ''یہ بیت المال کے لئے ہے اور یہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے۔'' تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا۔

والله لا ياخذ احدكم منكم شيئاً بغير حقه الا لقى الله يحمله يوم القيامة''(۳۷)

کہ ''اللہ کی قسم تم میں سے جس نے بغیر حق کے کوئی چیز حاصل کی وہ یقیناً قیامت کے روز اللہ اس سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا بوجھ اس نے اٹھا رکھا ہو گا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''جب تمہارے حکام بہترین لوگ وہ ہوں گے اور دولتمند فیاض لوگ ہوں گے اور حکومت کے معاملات ...... کے اصولوں پر چلیں گے تو تمہارے لئے زمین کی پشت اس کی آغوش سے بہتر ہو گی اور جب بدترین لوگ تمہارے حاکم ہوں گے دولتمند کنجوس ہوں گے اور اجتماعی امور تمہاری عورتوں کے سپرد ہوں گے تو آغوش زمین تمہارے لئے اس کی پشت سے بہتر ہو گی یعنی موت زندگی سے بہتر ہو گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''مامن عبديستر عيبه الله وعنه يوم يموت وهو ......''

(۳۸) کہ ''جس کو اللہ تعالیٰ نے چھوٹی یا بڑی ذمہ داری عطا کی وہ اپنے فرائض میں ضیات کا ارتکاب کر کے مرجائے۔ تو اللہ تعالیٰ اسپ ر جنت حرام کر دیتے ہیں۔''

حضرت کعب بن عمرہؓ سے حضور ﷺ کا فرمان منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرے بعد حکام آئیں گے، اگر کسی نے ان کے جھوٹ کی تصدیق کی یا ان کے ظلم میں ان کی مدد کی''

فليس منى ويست منهم''

کہ وہ مجھ سے اور میں ان سے الگ ہوں گا اور جس نے ان کے جھوٹ کی تصدیق نہ کی اور ظلم میں ان کی مدد نہ کی وہ مجھ سے اور میں اس میں ہوں اور وہ حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کرے گا۔''(۳۹)

چنانچہ جو نظام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا خلفائے راشدین نے اسی کو قائم رکھا۔ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں ’’تاریخِ عالم کی سب سے زیادہ مستحکم حکومت صحابہؓ کے ذریعے تشکیل دی گئی۔ حضرت عمرؓ نے شفاء بنت عبداللہ کو بازار کا نگران مقرر کیا۔ وہ عمر رسیدہ ’ذہین‘ صاحب علم اور یگانہ روزگار خاتون تھیں۔ رات کو کوڑا لے کر بازار کا گشت کیا کرتی تھیں۔‘‘ (۴۰)

حضرت عمرؓ کارکنان حکومت کے معاملات کی پوری طرح دیکھ بھال کرتے تھے اور خفیہ طور پر خبریں حاصل کرتے۔ ایک مرتبہ آپؓ نے عامل کعب بن مالک کو تحریر کیا کہ اپنی جگہ پر کسی کو قائم مقام مقرر کر کے تم سواد کے علاقے کے ہر شہر اور بستی میں جاؤ اور عاملوں کے حالات سے مجھے مطلع کرو۔‘‘ (۴۱)

حضرت عمرؓ کسی عامل کو مقرر کرتے وقت چار شرائط کی پابندی کا عہد لیتے کہ ’’وہ عمدہ خچر پر سوار نہیں ہوگا۔ باریک کپڑا نہیں پہنے گا۔ چھنا ہوا آٹا نہیں کھائے گا۔ اور اپنے دروازے پر دربان نہیں رکھے گا۔‘‘ (۴۲)

امام ابن تیمیہ نے محتسب کے فرائض میں یہ باتیں ذکر کی ہیں۔ (۴۳)

(۱)۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا۔

(۲)۔ جو کام گورنروں اور قضات کے نہ ہوں وہ کام انجام دینا۔

(۳)۔ نظام صلوٰۃ قائم کرنا۔

(۴)۔ تاجروں کی اصلاح کرنا۔

(۵)۔ گورنروں اور قضات کی اصلاح کرنا۔

خلاصۂ بحث یہ کہ احتساب کا مقصد پورے اسلامی معاشرے کی‘ بشمول حکمران‘ مقننہ اور عدلیہ‘ اصلاح ہے۔ اس مقصد کا حصول امر بالمعروف نہی عن المنکر اور احتساب کے مستقل شعبہ کی تشکیل سے بھی ہو سکتا ہے۔ جس طرح عہد عباسی میں ہوا اور یہ مقصود و مطلوب کسی اور طریقے سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ تاکہ مسلم عوام و خواص‘ ایمان داری‘ اخلاص‘ اتحاد اور اطاعت الٰہیہ سے موصوف رہیں‘ معاشرے میں میزان عمل و مساوات قائم رہے اور کوئی چھوٹا یا بڑا ظالم و خائن اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھ سکے۔

حوالہ جات!

(۱) سورۃ البقرۃ (128:2)' سورۃ الالنساء (92:21)

(۲)۔ صحیح بخاری۔

(۳)۔ سورۃ النساء (65:4)

(۴)۔ صحیح مسلم۔

(۵)۔ سورۃ النساء (59:4)

(۶)۔ سورۃ آل عمران۔ (161:3)

(۷) فیروز اللغات۔ ص 117

(۸)۔ سورۃ ''ص'' (26:38)

(۹)۔ سورۃ ابراہیم۔ (41:14)

(۱۰)۔ صحیح البخاری۔

(۱۱) الاحکام السلطانیہ

(۱۲)۔ اصلاح الفنون۔

(۱۳) الدولتہ ونظام الحسبہ عند ابن تیمیہ۔

(۱۴)۔ سورۃ الزلزال۔ (6:99 تا 8)

(۱۵)۔ سورۃ الغاشیہ (26:88)

(۱۶)۔ صحیح مسلم۔

(۱۷)۔ مثلاً سورۃ الحشر (5:2:59)

(۱۸)۔ ڈاکٹر انوار اللہ' اسلام میں عدلیہ کی آزادی کا تصور' سہ ماہی مجلہ فکر و نظر' ادارہ تحقیقات اسلامی' اپریل اور جون ۱۹۹۷ء' جلد ۳۴' شمارہ ۴' صفحہ نمبر ۱۰۔

(۱۹)۔ ایضاً' ص 9 تا 10۔

(۲۰)۔ سورۃ القیامہ۔ (15,14,75)

(۲۱)۔ مشکوٰۃ الصابیح۔

(۲۲)۔ سورۃ القیامہ (2:75)

(۲۳)۔ سورۃ الفجر۔ (27:89)

(۲۴)۔ مشکوٰۃ المصابیح۔

(۲۵)۔ سورۃ المائدۃ (8:6)

(۲۶)۔ سورۃ النساء۔ (13:5)

(۲۷)۔ صحیح البخاری۔ صحیح مسلم۔

(۲۸)۔ ایضاً۔

(۲۹)۔ صحیح بخاری۔

(۳۰)۔ المعجم الصغیر للطبرانی۔

(۳۱)۔ مشکوٰۃ المصابیح۔

(۳۲)۔ سنن ابوداؤد۔

(۳۳)۔ سورۃ آل عمران۔ (104-3)

(۳۴)۔ سورۃ الحج۔ (41:22)

(۳۵)۔ سورۃ الانفال۔ (25:8)

(۳۶)۔ صحیح البخاری اور صحیح مسلم۔

(۳۷)۔ ایضاً۔

(۳۸)۔ سنن نسائی اور جامع ترمذی۔

(۳۹)۔ الاستعیاب (45:13)

(۴۰)۔ موسوعہ فقہ عمر۔

(۴۱)۔ امام ابو یوسف، کتاب الخراج۔

(۴۲)۔ فتاوی ابن تیمیہ۔ (60:28)

پاکستان میں احتساب کیوں نہیں ہوتا؟

بڑے لوگوں کے بڑے جرائم!

ہمارا معاشرہ رسوم و قیود کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ جھوٹے وقار کی زنجیریں، بلند معیار کی زنجیریں، یہ زنجیریں ذہن کا بھی احاطہ کئے ہوئے ہیں اور جسم کا بھی، ذہن نے اعلیٰ باتیں سوچنا چھوڑ دی ہیں اور جسم نے ادنیٰ عادتیں اپنالی ہیں۔ شاید ترقی اسی کیفیت کا نام ہے۔

پہلے ترقی کی شاہراہ پر گھڑ دوڑ کے منظر دیکھتے تھے، اور اب سگ دوڑ کی باری ہے۔ انسان کتوں کی سطح پر آ گئے ہیں اور ایک بوٹی اور ایک ہڈی کے لئے ایک دوسرے پر بھونکتے بھ ہیں۔ اور کاٹتے بھی ہیں۔ اب انسانی جان کی قیمت چند پیسے یا چند ٹکے ہیں ضبط نفس کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور آج نفس آزاد ہے۔ انسانی خواہشات آزاد ہیں او حیوانی میلانات آزاد ہیں۔

کیا ہم نے اسی آزادی کا خواب دیکھا تھا؟ کیا ہم نے اسی آزادی کی آرزو کی تھی اور کیا اسی کے حصول کی خاطر زندگی کے قافلے لٹ گئے تھے۔ کٹ گئے تھے؟

ہر طرف نہیں نہیں کی آوازیں آ رہی ہیں مگر ہمارے قالب و پیکر ان آوازوں کی شدید لہروں اور شہنائیوں سے یکسر مختلف اور کلیہ اجنبی ہیں۔ یہ تضاد کیوں ہے؟ نفاق کیسا؟

ہمارے دل کی دنیا ویران پڑی ہے، اس لئے ہم نے اپنے گھروں میں اور دفتروں کے ایک ایک کمرے میں خوش رنگ قالین بچھا لیتے ہیں، اپنے وجود کی عریانی چھپانے کے لئے کھڑکیوں اور دروازوں پر پردے آویزاں کر دیتے ہیں۔ روح کے پھول مرجھا گئے تو کاغذ کے پھول سجا لئے،

اب تازہ پھول سے پائے نگاہ میں آبلے پڑ جاتے ہیں۔ جسم کو نوچنے والے کرگس کہلاتے ہیں اور روح کی لطافتوں اور خوشبوؤں سے لطف اندوز ہونے والے شاہین وشہباز' ہم نے گلی گلی' کوچے کوچے لاشوں کا کاروبار کھول رکھا ہے۔ اور ہجوم کا یہ عالم کہ راستہ ڈھونڈنا دشوار' یہ نفسا نفسی اور چھینا جھپٹی فسانہ ہجر کی طرح طویل ہوجاتی ہے۔ (الطاف حسین قریشی' اردو ڈائجسٹ لاہور)

ذات پات کی تقسیم کے غیر منصفانہ نظام کی غلاظت سے لتھڑے ہوئے بھارت میں صرف شفاف جمہوری احتساب کے باعث جمہوریت کی ایسی مضبوط بنیاد پڑی کہ اس میں قانون آئین اور جمہوریت کی حکمرانی کی پختہ روایات قائم ہوگئیں اور پاکستانی جیسے اسلامی جمہوریہ کہلانے کا شرف بھی حاصل ہے۔ میرے سے شائستہ جمہوری اقدار ہی تشکیل نہ پاسکیں اور کرپٹ نظام کی گرفت آج تک پورے معاشرے کی اپنی ظالمانہ گرفت میں لئے ہوئے ہیں۔ بلوچستان میں بڑی تاخیر کے بعد سرداری نظام کے خاتمے کے باوجود سیاست پر بدعنوان قبائل اور سرداری نظام کے اثرات ہی غالب ہیں۔ سندھ میں وڈیرہ شاہی کا غلبہ ہے' جن کے ڈانڈے مجرموں سے ملتے ہیں۔ سرحد میں خوانین اور پنجاب میں جاگیردار اور بڑے زمین دار ہی اقتدار کے سرچشموں پر قابض ہیں۔ جن کو خطاب اور جاگیریں مسلمانوں سے غداری کے عوض تاج برطانیہ نے عطاء کیں۔ اس پس منظر میں کرپٹ نظام کا خاتمہ اور بے لاگ احتساب ہر دردمند پاکستانی کی روح کو گرما دینے والا نعرہ ہے۔ اور ہر کسی کی دلی خواہش ہے کہ بدعنوانیوں کی یہ دیرینہ لعنت جلد سے جلد ختم ہوجائے مگر سرداروں' وڈیروں اور بڑے زمینداروں کی گرفت پوری معیشت اور سیاست پر اتنی مضبوط ہے کہ بھٹو دور کی پہلی زرعی اصلاحات کو بھی ناکام بنادیا۔

احتساب کو عوام کی ایک دیرینہ اور ناآسودہ تمنا کی حیثیت حاصل ہے مگر یہ خواب ۵۲ سال سے شرمندہ تعبیر نہیں ہوا۔ الٹا آزادی کے بعد بدعنوانی اور رشوت ستانی انگریزوں کے دور سے بھی اس سے زیادہ بڑھ گئی کہ نئے حکمرانوں نے اقتدار و اختیارات کو اپنے پست ذاتی' گروہی مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کردیا ہے۔ اس مقصد کے لئے بیوروکریسی کو اپنا آلہ کار بنایا۔ پورے انتظامی ڈھانچے کو اپنے مخصوص مفادات کے حصول میں شریک کرلیا۔ لوگوں اور سرکاری اہلکاروں کی بدعنوانی کی پہلی چاٹ متروکہ املاک کی لوٹ مار سے پڑی اور پھر پرمٹوں اور لائسنسوں کی ناجائز تقسیم بڑے پیمانے پر شروع ہوئی۔ اور اس طرح بتدریج زندگی کے ہر شعبہ میں بدعنوانی کا یہ

زہر پھیلتا گیا اور اب نوبت یہ آ گئی ہے کہ بدعنوانی سے انکار کرنے والوں کو بیوقوف قرار دیا جاتا ہے۔ اس طرح ہمارے معاشرے کا اجتماعی ضمیر اور اس کی اخلاقی قوت مزاحمت ہی دم توڑ گئی ہے اور اسی کے باعث پورا معاشرہ کسی عذاب کی گرفت میں نظر آتا ہے۔

لوگ بے رحم احتساب کی باتیں ایک مدت سے سنتے آئے ہیں مگر ان کے سامنے عبرت آمیز، بے لاگ اور منصفانہ احتساب کی ایک مثال بھی سامنے نہیں آئی۔ سیاسی حکمرانوں نے اپنے اپنے ادوار میں صرف اپنے سیاسی مخالفین تک احتساب کے عمل کو محدود رکھا۔ یہ احتساب بھی اتنے بھونڈے انداز میں ہوتا رہا کہ اب احتساب کی اصطلاح ہی اپنا حقیقی مفہوم کھو چکی ہے۔ ہر نوع کی ملازمتوں پر فائز لوگ اپنی بدعنوانی اور رشوت ستانی کا کوئی نشان یا ثبوت نہیں چھوڑتے مگر ہر بدعنوان اور اس کے لائف اسٹائل سے باآسانی سراغ مل سکتا ہے۔ ایسے ایسے اعلیٰ افسروں کی نظر میں بھی ہیں۔ جن کے اپنے ناموں پر شاید ہی کوئی جائیداد ہو مگر ان کے پاس بے دردی سے لٹانے کے لئے بے پناہ دولت، اخراجات اور شاہانہ ٹھاٹ باٹ دیکھ کر ان پر مغل شہزادوں کا گمان ہوتا ہے۔ آخر ان کے پاس اس بے دردی سے لٹانے کے لئے دولت کے انبار کہاں سے آئے۔ قوم کے مفلوک الحال عوام اس ناانصافی کا حساب ہر قیمت پر چاہتے ہیں۔ عام آدمی حیرت سے سوچتا ہے کہ پولیس کا کوئی ایس آئی/ڈی ایس پی چار چار لاکھ کی طلائی گھڑیاں کیسے لگائے ہوتے ہیں۔ اور ایک اے ایس آئی کی بیوی کے دونوں بازو سونے کے بھاری کڑوں سے کیونکر مزین ہیں اور تو اور اب تو بعض مذہبی تنظیموں کے راہنما چالیس پچاس لاکھ کی جدید ترین گاڑیوں میں گھومتے نظر آتے ہیں۔ اس کا جواب بڑا واضح ہے کہ بدعنوانی رشوت ستانی اور اقتدار و اختیار کا ناجائز استعمال معاشرے کا معمول بن چکا ہے اور چونکہ کسی بھی ناانصافی کی گرفت ہوتی نظر نہیں آتی تو عام لوگ معاشرے میں شرمناک خرابیوں کو اپنا مقدر سمجھ بیٹھتے ہیں۔ ان کا بے لاگ احتساب ہوتا تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی لیکن آج تک ان معاشرتی جرائم پر کوئی عدالتی کمیشن بنا اور نہ پارلیمانی اور نہ ہی دیانت داری سے جرائم کی انکوائری کی گئی اور یوں یہ کلچر ہمارے رگ و پے میں داخل ہوتا گیا۔ ان مظالم اور ناانصافیوں کا آغاز بالادست طبقات نے پاکستان کے قیام کے بعد سے ہی کر دیا تھا۔ (۲۳ اکتوبر ۱۹۹۹ء جنگ لاہور)

خود قائداعظم کے ساتھ ہم نے کیا سلوک کیا؟

کیا وہ قتل کئے گئے؟

پاکستان کی ۵۲ سالہ تاریخ میں حضرت قائداعظم محمد علی جناح وہ واحد سیاسی راہنما اور حکمران تھے جنہوں نے ساری زندگی امانت، دیانت اور شرافت کا ثبوت دیا۔ اپنا سب کچھ پاکستان پر قربان کردیا۔ وہ اپنی ذات کو بھی احتساب سے ...... نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت قائداعظم نے ۲۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو چاٹگام میں، ۱۴ اپریل ۱۹۴۸ء کو گورنمنٹ ہاؤس پشاور میں اور ۱۴ جون ۱۹۴۸ء کو اسٹاف کالج کوئٹہ میں اپنے خطبات میں بالترتیب گزیٹڈ افسروں، سول افسروں، اور ملٹری افسروں کے لئے ادائیگی فرائض کی بالکل واضح گائیڈ لائن دے دی تھی۔ (۲۷ اکتوبر ۱۹۹۹ء جنگ کراچی)

قائداعظم کے بعد، بلا استثناء کوئی حکمران ایسا نہیں گزرا جس کا دامن پاک ہو اور جو آئین وقانون شکنی، مطلق العنانی اور طاقت کا ناجائز استعمال، جبر وتشدد، ہوس اقتدار، قومی مقاصد اور قومی مفادات سے غفلت، قومی معاملات چلانے میں نااہل، غیروں کی غلامی اور ان کے آگے کاسۂ گدائی اور (سوائے چند کے) بددیانتی، لوٹ کھسوٹ کے ان جرائم کا مرتکب نہ ہوا، جس کے نتیجے میں قوم بالتدریج پستی اور پس ماندگی کے گڑھے میں گرتی گئی۔ (ترجمان القرآن اگست ۱۹۹۵ء)

بدعنوانوں اور مجرموں کی ظالمانہ حرکات پر گرفت نہ کرنے کا آغاز قیام پاکستان سے ہی ہو گیا تھا۔ حضرت قائداعظم محمد علی جناح جن کی ان تھک محنت، جدوجہد سے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت وجود میں آئی جب وہ بیمار ہوئے تو علاج معالجے کے لئے اور سفری سہولیات کے سلسلے میں اس وقت کے اکابرین نے جو سلوک کیا یہ اتنا بڑا قومی جرم تھا کہ اس کے مرتکب افراد کی نسل کشی بھی کردی جاتی تو یہ سزا کم تھی۔ آج تک اس بات کا سراغ نہیں لگایا گیا کہ آخری وقت میں جب حضرت قائداعظم زیارت میں مقیم تھے تو ان کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس کے پیچھے کون کون سے مکروہ چہرے تھے، اور وہ بابا کو جلد از جلد اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے جتن کر رہے تھے۔

حضرت قائداعظم محمد علی جناح کو اپنے موذی مرض کا علم تھا اور ان کی بہن فاطمہ جناح اور ایک پارسی ڈاکٹر کو بھی لیکن حضرت قائداعظم اور ان دونوں شخصیات نے کمال رازداری سے کام لیا اور پاکستان کا حصول ممکن بنایا۔ بابائے قوم اپنی بیماری اور اپنی جیب کے کھوٹے سکوں کو عیاں کردیتے تو شاید انتقال اقتدار کا عمل ایک دو سال آگے کر کے تقسیم سے ہندوستان کو بچالیا جاتا۔ (۱۸ اگست اردو ڈائجسٹ لاہور)

حضرت قائداعظم اپنے موذی مرض سے نہیں مرے' بلکہ ان کھوٹے سکوں کے بنجر رویوں نے قائداعظم کو ابدی نیند سلا دیا۔ پہاڑوں جیسا حوصلہ رکھنے والا' ہندوؤں اور انگریزوں کی عیاری کا بروقت جواب دینے والا اپنوں کی سازشوں کے سامنے ہار گیا۔ جیب کے کھوٹے سکوں کی بدباطنی کو دیکھ کر بابائے قوم کے مضبوط ارادوں کے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ دل برداشتہ ہو چکے تھے۔ تاج برطانیہ سے شکست نہ کھانے والا موت سے شکست کھا گیا۔ قوم کو بابا کی ابھی ضرورت تھی۔ بابا نے ساری زندگی قومی خودمختاری کا سودا نہ کیا وہ اپنی بساط کی حد تک پاکستان کے مفادات کی حفاظت کرتے رہے۔

جب حضرت قائداعظم علالت کی حالت میں آخری ایام زندگی بسر کر رہے تھے تو ان کے دیرینہ ساتھیوں راجہ غضنفر علی' آئی آئی چندریگر اور سردار عبدالرب نشتر کو قومی منظر سے ہٹا دیا گیا۔ کاش یہ بدبخت ایسا نہ کرتے۔ کچھ عرصہ بابائے قوم مزید زندہ رہ سکتے تھے۔ قائداعظم کو اپنے خلاف اور وطن کے خلاف منصوبہ سازوں کا بھرپور علم تھا۔ ان وطن فروشوں نے مل کر بانئ پاکستان کو ذہنی اذیت سے دوچار کیا' جس سے وہ داعئ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ (میں اسے بابا کا قتل ہی کہوں گا) لیکن بعد میں آنے والے کسی بھی حکمران کو اس کی توفیق نہ ہوئی کہ وہ اس سارے بدسلوک عمل کی تحقیقات کرائے۔ ایسا سلوک کرنے والے بدباطنوں کی مکاریوں پر آج تک پردہ پڑا ہوا ہے۔ ایک خاص سازش کے تحت قادیانی چوہدری سر ظفراللہ کو جو انگریزوں کا پٹھو تھا۔ کو ملک کے اہم امور کا انچارج بنا دیا گیا۔ خود لیاقت علی خان کا اپنا رول بھی اس سلسلے میں قابل رشک نہیں رہا۔ قائداعظم کے بعد پاکستانی حکومتوں نے عالمی استعماری قوتوں کی رکھیل کا کردار ادا کرنا شروع کر دیا۔ قومی مفادات سامراجی لٹیروں کے پاس گروی/رہن رکھ دیئے گئے۔ قوم پہلے ہی لٹی پھٹی تھی۔ غم زدہ تھی۔ آگ اور خون کا سمندر پار کر کے آئی تھی۔ اس سارے مشکوک عوامل کو اپنا مقدر سمجھ کر چپ سادھ لی۔ ہمارے اس اجتماعی ضمیر ہی کا نتیجہ ہے کہ اس کے بعد ننگ دین' ننگ ملت' اور ننگ وطن پیدا ہوتے رہے ہیں۔ کسی کے خلاف کوئی کارروائی ہوئی نہ عدالت میں مقدمہ چلا۔

1948ء میں جنگ کشمیر میں غداری کس نے کی؟

کشمیر آزاد ہوتے ہوتے کیوں رہ گیا؟

وادی کشمیر جنت نظیر جس کے بہتے دریا، مہکتے گلستان، دلفریب آبشاریں، سرسبز و شاداب کھیت جس میں دل کشی سے بھرپور مناظر قدرت ہمیشہ شعراء کرام کی توجہ کا مرکز بنے رہتے ہیں۔ مگر افسوس صد افسوس! مقبوضہ کشمیر وادی لہو رنگ بن چکی ہے۔ اس وقت تک کشمیر میں ہزاروں نوجوانوں کو شہید کردیا گیا ہے۔ ہزاروں نوجوان عقوبت خانوں میں اور ٹارچر سیل میں ظلم وستم کا شکار ہو رہے ہیں ہزاروں لوگ بے گھر ہوگئے ہیں۔

تقسیم ہند کے وقت وہاں کا حکمراں مہاراجہ ہری سنگھ نے کہا کہ حالات سازگار نہیں، اس نے ۲۷ اکتوبر کو بھارت کے ساتھ الحاق کا اعلان کردیا۔ کشمیری مسلمانوں نے بھارت سے الحاق کیخلاف بغاوت کردی۔ بھارتی حکومت نے اس موقع پر کشمیر میں اپنے فوجی داخل کردیئے، اور مسلمانوں کا قتل عام شروع کردیا۔ پاکستان نے اس ننگی جارحیت اور ظلم کے خلاف لڑنے کا اعلان کردیا۔ اس وقت حضرت قائداعظم گورنر جنرل تھے۔ انہوں نے اس وقت کا آرمی کے سربراہ جنرل ڈگلس گریسی کو حکم دیا کہ کشمیر میں سرعت کے ساتھ ایکشن لیا جائے اور بھارتی درندوں کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکا جائے۔ لیکن پاکستانی فوج کے سربراہ بھارتی فوج کے خلاف کسی وطن دشمن کے اشارہ ابرو پر جارحیت روکنے سے انکار کردیا اور یوں انڈین فوج کشمیر میں قبضہ کرنے اور مسلمانانِ کشمیر کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کرنے کا موقع مل گیا۔ ادھر کشمیری مسلمانوں نے قبائلی مجاہدین کے ساتھ ڈوگرہ فوج راشگریہ سیوک اور سکھوں کے خلاف نہتے کلہاڑیوں، لاٹھیوں اور ......توڑے دار بندوق سے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا۔ جذبہ جہاد سے سرشار مجاہدین نے بالخصوص شمالی علاقہ جات کے لوگوں نے بہادری اور شجاعت کی تاریخ رقم کرتے ہوئے اپنا علاقہ آزاد کرالیا اور جنرل گھسیارام کو شکست فاش ہوگئی۔ دوسری طرف مجاہدین کی پے درپے قربانیوں کے نتیجے میں آزاد کشمیر کا موجودہ علاقہ آزاد ہوا۔ اگر اس وقت کے جنرل گریسی حضرت قائداعظم کے فرمان کی روگردانی نہ کرتے تو حالات مختلف ہوتے اس غداری کی سزا آج تک مسلمانان کشمیر اور پاکستان کے عوام بھگت رہے ہیں۔ کشمیر کی وجہ سے ہندوستان کے ساتھ تین جنگیں ہوچکی ہیں اور ہر وقت سرحدوں پر تناؤ کی کیفیت رہتی ہے۔ جنوبی ایشیاء اسلحہ کی منڈی بن گیا ہے۔ کسی بھی وقت ایٹمی جنگ جنوبی ایشیاء کو صفحہ ہستی سے مٹا سکتی ہے۔ پاکستان کا اربوں روپیہ کشمیر کی وجہ سے دفاع پر خرچ ہوتا ہے۔ اور کشمیری مسلمانوں کی جو نسل کشی ہو رہی ہے وہ الگ۔ بقول ایک عالم دین کہ جنرل گریسی نے ایسا مجرمانہ فعل قادیانی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ کے اشارہ پر کیا تھا۔ بہر حال

کوئی ٹربیونل قائم کیا گیا کہ وہ غیر مرئی طاقت کونسی تھی جس نے جنرل گریسی کو پاکستان دشمن اقدامات پر مجبور کیا۔ کسی کو آج تک اس بارے میں حقائق سے آگاہ نہیں کیا گیا۔ بدبختوں کو مجرموں کے کٹہرے میں لایا گیا؟ جواب نہیں میں ملتا ہے۔

☆ لیاقت علی خان کی روح اپنے قاتلوں کی تلاش میں ہے؟

اگست ۱۹۴۹ء سے نواب زادہ لیاقت علی خان پہلے وزیر اعظم تھے۔ ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو وزیر اعظم لیاقت علی خان کو راولپنڈی کے کمپنی باغ میں اس وقت گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا جب وہ عوام کے ایک جلسہ سے خطاب کرنے کے لئے لوگوں کے چپ ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ لیاقت علی خان پر دو گولیاں چلائی گئیں جن کے لگنے سے وہ زمین پر گر پڑے۔ ملزم کو زندہ گرفتار کرنے کے بجائے موت کی نیند سلا دیا گیا جس کی وجہ سے لیاقت علی خان کی موت کے اسباب اور وجوہات اس کے ساتھ ہی دفن ہو گئیں۔ تاہم لیاقت علی خان کے قتل کے بارے میں مختلف قیاس آرائیاں کی جاتی رہیں۔ بعض لوگوں نے ان کے قتل کو جہاد کشمیر میں ان کی پالیسی قرار دیا۔ بعض کے نزدیک قتل کسی ذاتی دشمنی کا نتیجہ تھا۔ بعض نے اسے سیاسی رقابت قرار دیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ نوزائیدہ مملکت کو لیاقت علی خان کی جتنی توجہ کی ضرورت تھی انہوں نے وہ توجہ میاں ممتاز احمد دولتانہ کے ساتھ محاذ آرائی اور سرکشی میں مبذول رکھی۔ مسلم لیگ کے حامی اخبار ''نوائے وقت'' کے خلاف کارروائیاں کی گئی۔ سیاست دانوں کو باہم دست وگریبان کرانے کے گناہ بے لذت میں انہوں نے وقت ضائع کیا۔ بعض رہنماؤں کے نزدیک لیاقت علی خان کے قتل میں قادیانیوں کا ہاتھ ہے اور قادیانیوں ہی کے اشارے اور پلاننگ پر لیاقت علی خان کے قاتل کو مقام پر ہی ضائع کر دیا گیا تاکہ نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ کا یہ پہلا قتل تھا۔ اس قتل کا سراغ لگا لیا جاتا تو آئندہ ظہور الٰہی، خواجہ رفیق، ڈاکٹر نذیر، غلام حیدر وائیں، احسان الٰہی ظہیر، حق نواز جھنگوی اور ایثار القاسمی، عارف الحسینی، حکیم سعید، عظیم احمد طارق اور اس قسم کے دیگر سیاسی قتلوں کے سانحات رونما ہوئے۔ اب ایک ایسا سلسلہ چل نکلا ہے کہ جس کو روکنا انتہائی دشوار ہے۔ لیاقت علی خان کا خون آج بھی انصاف مانگ رہا ہے۔ قتل کرنے والے شاید اس قدر مضبوط اور طاقت ور تھے کہ ان کی زندگی میں کسی کو ان کی طرف دیکھنے کی جرات بھی نہ ہوئی۔ یہ نصف صدی کی دبیز تہہ میں دبی زرد بھری داستان ہے۔ قاتل اور مقتول

منوں مٹی تلے جا چکے ہیں، قتل کی ایف آئی آر کی سیاہی بھی صفحہ قرطاس سے مٹ گئی ہوگی۔

☆ قومی بے غیرتی کے مشن کی تکمیل پر مامور گورنر جنرل ملک غلام محمد اس دشنام طراز کو کون لایا؟

دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت جو دو قومی نظریہ کی بنیاد پر منصۂ شہود پر نمودار ہوئی تھی۔ اس کی قیادت ایک ایسے شخص ملک غلام محمد کے پاس چلی گئی۔ جس کے کردار کو پڑھتے ہوئے بھی متلی ہوتی ہے۔ یہ قائداعظم کا جانشین کہلانے والا اخلاص اور بے لوثی، فہم و فراست اور تدبر تحمل کی ان صفات سے محروم تھا جو کہ ابتدائی بحرانوں کو حل کرنے کے لئے درکار تھی۔ غلام محمد نے ہر محب وطن اور اچھے ادارے کو اپنے اقتدار کے لئے خطرہ سمجھا۔ ایسے مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے شخص کی ڈور ہلانے والے کی نفسیات، سوچ اور رویوں کے سرچشموں کا کھوج لگانا مشکل نہیں یہ بالعموم جاگیردار، سرمایہ دار تھے یا فوجی جنرل اور سرکاری افسر یہ مراعات یافتہ طبقہ گورنر جنرل غلام محمد کے ساتھ تھا جن کو جاگیریں انگریزوں کی وفاداری، اس کے ساتھ مل کر نافرمان رعایا کو کچلنے اور انگریزی فوج کی توپوں کے لئے جوانوں کا چارہ فراہم کرنے کے سلسلے میں ملی تھیں۔

ملک غلام محمد نے قائداعظم کے مخلص ساتھیوں اور تحریک پاکستان کے راہنماؤں مولوی تمیزالدین، سردار اعبدالرب نشتر، راجہ صاحب آف محمود آباد اور نواب ممدوٹ کو دانستہ نظر انداز کیا۔ ایسے محبّ وطن لوگوں کی موجودگی میں غلام محمد کو گورنر جنرل بنا کر اس ملک کے ساتھ جو ظلم کیا وہ نوک قلم پر بھی آتے ہوئے شرماتا ہے۔ غلام محمد کے سیاہ دور میں قومی زندگی کے دوسرے شعبوں میں غفلت، نا اہلی، اور مفاد پرستی کی وجہ سے جس درجہ کی بدتدبیری کی گئی وہ ایک دوسری عبرتناک داستان اس کو بیان کرنے کے لئے پورا دفتر کھولنا ہوگا۔ ان کے دور میں امریکہ کو پاکستان میں پنجے گاڑنے کا بھرپور موقع ملا اور اس کے بعد تو تمام سیاسی راہنما اقتدار کے حصول سے پہلے امریکہ کا طواف کرنا فرض کفایہ سمجھنے لگے۔ پاکستان کو ۹ سال تک دستور سے محروم رکھنے والوں نے جب اپنا مقصد حاصل کر لیا تو اسے ٹشو پیپر کی طرح پھینک دیا۔ اور غیر ملکی اشاروں، ساتھی جرنیلوں اور سیاسی رفقاء کے تعاون سے سکندر مرزا نے غلام محمد پر اپنا اثر نفوذ استعمال کرنا شروع کر دیا اور یوں اقتدار سے ہی نہ بلکہ ملک سے بھی نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ یوں قومی حمیت اور غیرت کو بار بار زخم لگایا جاتا رہا۔ قوم کی تذلیل اس سے بھی بری کیا ہوگی کہ ایک ڈانسر کو امریکہ سے لا کر (محمد علی بوگرہ) کو

وزارت عظمیٰ پر متمکن کیا گیا۔ ان مجرموں کا سراغ آج تک کیوں نہیں لگایا گیا۔ کیا بھارتی عوام پاکستانی عوام سے زیادہ شعور اور عقل و دانش رکھنے والے تھے کہ انہیں ہم سے پہلے آئین ملا۔

دستور ساز اسمبلی کا قتل اور جسٹس منیر کا فیصلہ

”قومی ضمیر کی آزمائش“

ملک غلام محمد وزیر خزانہ سے وہ گورنر جنرل بنے تک اسی عہدے پر کام کرتے رہے۔ گورنر جنرل ۱۱۹ اکتوبر ۱۹۵۱ء سے اکتوبر ۱۹۵۵ء تک کی ان کے دیگر بد خصلتوں کے علاوہ انہیں اس سے بھی یاد کیا جاتا ہے کہ انہوں نے پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کو قتل کرنے کی بھیانک مثال قائم کی جس کے اسپیکر مولوی تمیز الدین خان تھے۔ مولوی تمیز الدین خان سندھ چیف کورٹ میں گئے جہاں چیف جسٹس سر جارج نے اسمبلی تحلیل کرنے کے خلاف ان کے موقف کو جائز قرار دیا۔ غلام محمد اسمبلی کے کون میں رنگے ہاتھوں سمیت سپریم کورٹ میں پہنچے تو چیف کورٹ کے فیصلے کے خلاف چیف جسٹس پاکستان جسٹس منیر نے اپریل ۱۹۵۵ء کو منظور کرلی۔ اس واقعہ کے بعد قانون کا مفہوم اسی طرح پڑھا جاسکتا ہے اور تشریح کی جاسکتی ہے، جس طرح برسر اقتدار افراد خواہش کریں۔ چیف جسٹس منیر نے نظریہ ضرورت کے تحت غلام محمد کے اقدام کو جائز قرار دے دیا۔ نظریہ ضرورت کی ایک ایسی شاہراہ بنائی گئی جس کے ذریعے جنرل ضیاء الحق اور جنرل پرویز مشرف جیسے افراد کا ہمیشہ کے لئے راستہ کھول دیا گیا۔ نظریہ ضرورت کے سانپ نے اس ملک کی تقدیر کو کئی مرتبہ بڑی بے دردی سے ڈسا۔

آج بھی دیانت دار قانونی حلقے جسٹس منیر کے اس فیصلے کو ملک کے خلاف سازش قرار دیتے ہیں ایسے فیصلے سے ملک و ملت کا مستقبل تاریک تر ہوتا گیا۔ قوم اندھیروں میں بھٹکنے لگی۔ ایسی وطن دشمن سازشوں کو بے نقاب کرنے کے لئے کوئی بھی سعی نہیں کی گئی۔ قوم آج تک انصاف کی روشنی سے محروم بے انصافیوں کی شب تاریک میں چکر کھا رہی ہے۔ جمہوریت کو اس طرح قتل کیا گیا کہ خون کے چھینٹے نہ ایوان عدل پر گریں اور نہ ایوان اقتدار پر۔

امریکہ کا پسندیدہ ترین حکمران، سکندر مرزا

امید کی روشنی اہل پاکستان کی سب سے بڑی قیمتی متاع ہے۔ ان کی یہ متاع ہی عزم اور

قوت عطا کرتی ہے۔ اور وہ نہایت مشکل حالات میں بھی حوصلہ مند رہتے ہیں۔ فالج زدہ غلام محمد کے بعد پاکستان کی تقدیر پر امریکی ایجنٹ سکندر مرزا سانپ کی طرح کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ بظاہر سیاسی ادارے چل رہے تھے مگر سیاسی و اخلاقی ضابطوں کی پامالی نے پورے معاشرے کو نفسا نفسی میں مبتلا کر دیا۔ غلام محمد جیسے ملت فروش کے بعد سکندر مرزا جیسے ملت فروش کو غیر مرئی طاقتوں نے اقتدار دیا۔ سکندر مرزا قائد ملت کے پاکستان کا وفادار نہیں تھا بلکہ امریکی اور ایرانی مفادات کا چوکیدار تھا۔ امریکہ نے جو کام ملک غلام محمد سے لینا تھا جسے وہ ادھورا چھوڑ کر گئے تھے۔ وہ سکندر مرزا سے بڑے احسن طریقے سے لیا۔ یوں پاکستان امریکہ کی جھولی میں گرتا گیا۔ اس کی دینی حمیت اور غیرت پر کاری ضرب لگائی جاتی رہی، پاکستان کی سیاسی تاریخ میں سکندر مرزا جیسا ڈرامہ بار بار دھرایا گیا۔ سکندر مرزا نے عوام کی خواہشات اور امنگوں سے قطعی بے نیاز امریکی مفادات کا غلام بن کر رہ گیا۔ اس کی اولین خواہش یہ تھی کہ ہر حال میں امریکہ بہادر کو خوش رکھا جائے اور خواہ عوام کی خوشیاں اور ان کے مفادات بھینٹ چڑھانے پڑیں۔ اس کے شعور میں یہ بات تھی کہ اقتدار میں رہنے کے لئے اب وطن کی خدمت کی ضرورت ہے اور نہ اہلِ وطن کا اعتماد۔ وقت کے ساتھ ساتھ امریکہ بالکل ہی بے حجاب ہو گیا۔ مداخلت کے لئے اب اسے کسی رکھ رکھاؤ کی ضرورت نہیں اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کا ایک انڈر سیکریٹری یوں حکم چلاتا ہے جیسے وہ مالک ہو اور حکومت پاکستان اس کی ایک خادمہ، سبک سری کی اس کیفیت کی بنیاد سکندر مرزا نے رکھی تھی۔ سکندر مرزا کو لایا ہی صرف ایک خاص مقصد کے لئے تھا یہ کہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان خلیج حائل کرنی ہے۔ نفرتوں کو بڑھانا ہے، اس ضمن میں سکندر مرزا نے امریکہ سرکار کے لئے بہت قیمتی خدمات سرانجام دیں۔ سکندر مرزا کے دور میں ایوانِ صدر اور امریکی سفارت خانے کے درمیان تفریق کرنا محال ہو گیا۔

ناہید مرزا کا مکروہ کردار

پاکستان کو امریکہ کی نو آبادیاتی بنانے کے لئے سکندر مرزا کو راستہ ناہید مرزا نے دکھایا۔ بیگم ناہید مرزا ایک مشکوک کردار کی مالک عورت تھی۔ بیگم ناہید مرزا کے تعاون سے امریکی خفیہ اداروں کا پاکستان میں اثر رسوخ اس قدر بڑھا کہ ایوان صدر کی ہر گفتگو امریکی سفارت خانے میں براہ راست پہنچ رہی تھی، سکندر مرزا آئین کا بھی قاتل ہے اور ملکی مفادات کا بھی، ناہید مرزا اور سکند

مرزا نے اس اہلِ وطن سے حب الوطنی چھین لی۔ وطن کو استعماری طاقتوں کی ٹھوکروں میں ڈال دیا۔ بے حیائی اور جذبات سوزی کے کلچر کو فروغ دیا۔ وطن فروشی کو سیاست ٹھہرایا گیا۔ آج تک ارباب اختیار/ بست وکشاد نے اس ایرانی خاتون کے جرائم کا محاسبہ کیا؟ کسی نے ان سے ملت فروشی کا حساب لیا؟ کسی عدالت میں ان کے خلاف کیس چلا......؟

جنرل ایوب کا دورحکومت

ایوب خان نے حکومت سنبھالتے ہی ''ایبڈو'' کے قانون کے ذریعے پاکستان کے سرکردہ سیاسی راہنماؤں کو سیاسی طور پر سیاست بدر کر دیا۔ سیاسی حالات کنٹرول کرنے کے لئے' ایوب خان نے جنوری ۱۹۶۰ء میں بنیادی جمہوریت کے نظام کے تحت انتخابات کرا کے اور پھر ان سے صدر اور مرکزی وصوبائی اراکین قانون ساز اسمبلی کو منتخب کروایا۔

ایوب خان امریکی آشیرباد سے اقتدار میں آئے تھے۔ مگر تین چار سال بعد ہی ان کے امریکہ کے ساتھ تعلقات' سرد مہری کی نذر ہوتے گئے۔ ایوب خان کے آخری دور میں سیاست مسلسل بحران کا شکار رہی' کیونکہ ایوب خان نے ہر مخالف کو تفرقہ انگیزی اور ملک دشمنی قرار دیا۔ مخالفین کو غدار قرار دیا۔ ان کے استحصال کے لئے ہر قانونی اور غیر قانونی ہتھکنڈے استعمال کئے بحران کے حل میں طاقت کا ایک مقام ضروری ہے۔ سیاست کاری کی پشت پر طاقت کا موجود ہونا ضروری ہے اور بعض حالات میں طاقت کا استعمال ناگزیر بھی ہو سکتی ہے لیکن تجربہ یہی ہے کہ طاقت سے جنگ تو لڑی جا سکتی ہے۔ بحران حل نہیں ہوتا اور فتح بھی یقینی نہیں ہوتی۔ ایوب خان نے پاکستان نواب کالاباغ کے حوالے کر دیا۔ نواب کالاباغ ایک انسانوں کی شکل میں مہذب درندہ تھا۔ جس کے نزدیک ایک انسان اور جانور میں کوئی تمیز نہیں تھی۔ اس نے طاقت کا استعمال کیا پھر طاقت کے کارگر ہونے کے بارے میں سارے دل خوش کن اندازے بھی غلط نکلتے گئے۔ بحران اور تصادم بڑھتا ہی گیا۔

۱۹۶۵ء کی تباہ کن جنگ میدان میں جیتی ہوئی ایوب نے سفارتی محاذ پر ہار دی۔ ایوب خان کا دور حکومت ناکامی کے تجربات سے بھرا پڑا ہے۔ ایوب خان نے امریکہ سے پینگیں بڑھائیں اور یوں روس عالمی سطح پر پاکستان کا مخالف ہوتا گیا۔ ایوب خان کے دور حکومت میں اس پر اقربا

پروری کے سنگین الزامات لگتے رہے۔ ایوب خان نے قوم کو اعتماد میں لئے بغیر پشاور میں امریکی اڈے قائم کئے۔ ایوب خان کے دور حکومت میں اس کی اولاد بے لگام ہوگئی تھی۔ اس کی اولاد نے پاکستانی خزانے کو چراگاہ سمجھ کر چرنا شروع کر دیا۔ ایک جرنیل کے بیٹے جلد ہی صنعت کار بھی بن گئے۔ ان کے دور حکومت میں مشرقی پاکستان کے عوام میں اشتعال اور نفرت کو فروغ ملا۔ مہنگائی، عدم اطمینان، اور سرخ فیتے کی ستم ظریفی بھی ان کی حکومت کی کمزوری کا باعث بنی۔ نچلے طبقے پہلے ہی ایوب خان سے ناراض تھے اور ساتھ طلبہ برادری سے بھی اس نے مخالفت مول لی۔

کشمیر کے معاملے میں ایوب خان کا سیمابی طبیعت وزیر خارجہ بھی نااہل ثابت ہوا۔ غلام محمد کی طرح آخری ایام یعنی حالت علالت میں بھی ایوب خان چمگادڑ کی طرح اقتدار سے چمٹے رہے تھے۔ مجیب، بھاشانی اور ذوالفقار علی بھٹو نے مظاہرے، ہنگامے شروع کر دیئے۔ ایوب خان اپنے ہی دستور کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اقتدار ایک بدقماش جنرل آغا محمد یحییٰ خان کے سپرد کر گئے اور قوم کو یاس اور مایوسی کی تاریک راہوں پر چھوڑ دیا۔ ایوب خان نے مشرقی پاکستان کے ساتھ زیادتی کی 'ناجائز ذرائع سے دولت سمیٹنے کا آغاز کیا۔ کشمیر کے مسئلے پر بھارت کے سامنے کمزور موقف اختیار کیا۔ کالاباغ جیسے انسانیت دشمن بھیڑیے کو قوم پر مسلط کر دیا۔ آئین کے تقدس کو پامال کیا، بقول عقیل عباس جعفری کے کہ (پاکستان کے سیاسی وڈیرے) امریکی حکومت کا ایوب خان ایجنٹ تھا اور ہر سال امریکی حکومت ایوب کان کو ستر ہزار ڈالر ادا کرتی تھی۔ جو قائد کے پاکستان کے مفادات کے خلاف کام کرنے کا معاوضہ تھا۔ ایوب خان نے اپنے سیاسی مخالفین کو کچلنے کے لئے ایڈو کا قانون بنایا۔ جب وہ حکومت سے علیحدہ ہوئے تو ایک یورپی صحافی کا بقول ان کے پاس دولت دو کروڑ ڈالر تھی جو آج اربوں ڈالر کے حساب سے بنتی ہے۔ اس وقت ان کے خاندان کا شمار ملک کے امیر ترین افراد میں ہوا۔ کیا ان کے خلاف کوئی کارروائی ہوئی؟ ایوب خان، ذوالفقار علی بھٹو کے دور صدارت تک بقید حیات رہے لیکن بھٹو کو کس غیر مرئی طاقت نے ہاتھ ڈالنے سے روکا، کسی ادارے نے ان پر مقدمہ چلایا کہ ایوب خان نے قومی مفادات امریکیوں کے ہاں کیوں گروی رکھے؟ جمہوریت کے ساتھ مذاق کیوں کیا؟ پاکستان میں سب کچھ ہوتا ہے۔

جنرل یحییٰ خان کے جرائم اور قومی ضمیر کی موت!

ایوب خان نے اپنے دور اقتدار میں اقتصادی میدان میں کچھ اس طرح کام بھی کئے تھے جو

بعد میں آنے والی حکومتیں اتنی سرعت کے ساتھ نہیں کرسکیں لیکن ایوب خان کے بعد اقتدار جنرل آغا محمد یحیی خان رنگیلا راجہ' ایک ناکام مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور سربراہ مملکت کے ہاتھوں میں آیا۔ جنرل یحیی خان کا ایک ہی جرم پاکستان توڑنے کا ہے جو اتنا سنگین ہے کہ ..... ملک میں ہوتا تو وہ اس کی لاش کو نکال کر اس دھرتی سے دور پھینک دیتے۔ جنرل یحیٰی خان ملک دشمن قوتوں کا ایجنٹ تھا۔

اگر جنرل یحیٰی خان ون یونٹ نہ توڑتے تو ...... اس قدر فروغ نہ ملتا۔ یحیٰی خان کے دور اقتدار ہی ایوان صدر کا تقدس شراب نوشی اور بازاری عورتوں کی آمدورفت سے اس قدر پامال ہوا کہ دنیا کی یہ عظیم الشان اسلامی مملکت مسلمانوں کے لئے رسوائی کا باعث بن گئی۔ جنرل یحیٰی خان نے مشرقی پاکستان کے معاملے میں انتہائی بدتربیری اور بے بصیرتی کا مظاہرہ کیا۔ بحران کو طاقت کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کی لیکن "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" یحیٰی خان کے دور حکومت میں پاکستان دولخت ہوا' اور پاکستان کی ۹۰ ہزار فوج ہندوستان میں قید ہوگئی۔ جنرل اروڑہ نے جنرل نیازی کے ساتھ جس طرح سلوک کیا اسلامی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

جنرل یحیٰی سی آئی اے ایجنٹ تھے۔ امریکی اشاروں پر پاکستان کو ٹکڑوں میں کرنے کے عمل کو کوئی مدہوش اور بدکردار جرنیل ہی مکمل کرسکتا ہے۔ امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر پاکستان کے ذریعے چین گئے۔ اس طرح روس پاکستان کے خلاف اور غضبناک ہوگیا۔ جنرل یحیٰی نے غیر ملکی مقاصد حاصل کرنے کے بعد اقتدار کی مسند پر' امریکی اشاروں پر بھٹو کو بٹھادیا۔ امریکی بڑے شاطر تھے انہوں نے پاکستان توڑنے کے لئے جنرل یحیٰی اور بھٹو دونوں کو خوبصورتی سے استعمال کیا۔

جنرل یحیٰی کے خلاف بھٹو نے تحریک چلائی اور اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں یہ قومی مجرم' ضمیر فروش' سرکاری حفاظت میں رہا۔ اس کے عزیز واقارب اس کو آزادانہ ملتے تھے اور دوست احباب بھی اس کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ نہ اسے کوئی تکلیف ہوئی تھی اور نہ ہی نقصان' پاکستانی قوم سے زیادہ اس پورے عالم میں اور کونسی قوم کم قیمت ہے کہ غدار حکمران نے ملک دولخت کیا اور پاکستان کا ایک بازو کاٹا اور ملت فروش سب کے ساتھ سب کے سامنے زندہ رہا۔ کوئی احتساب نہ محاسبہ!

ضیاء الحق‘ حادثہ بہاول پور کی تحقیق کیوں نہ ہو سکی؟

جنرل محمد ضیاء الحق ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو سی ۱۳۰ کو ان کے ۳۰ ساتھیوں سمیت ایک گہری سازش کا نشانہ بنا کر موت کی نیند سلا دیا جاتا ہے لیکن آج کئی سال گزر جانے کے باوجود قوم کو یہ بتانے والا نہیں کہ اس سازش میں کون لوگ ملوث ہیں؟ یہ دنیا کی فوجی تاریخ کا ایک منفرد واقعہ تھا جس میں بیک وقت اتنے فوجی جرنیل اور ان کے ساتھ ملک کا صدر اور ایک اہم سفیر جاں بحق ہوئے۔ لیکن سانحہ کے اولین مرحلہ ہی سے قاتلوں کے تحفظ کی کوششیں شروع ہو گئیں۔

اس بین الاقوامی سازش کا محرک اول امریکہ‘ ایسے حادثات میں جہاں اس کا کوئی شہری ہلاک ہوا‘ ضابطہ کی کارروائی روک کر ایف بی آئی کو اپنی تحقیقات سے منع کر کے‘ پہلے تو عجلت سے یہ اعلان کیا کہ یہ ایک محض حادثہ ہے لیکن حقائق سامنے آنے پر اپنے ہی ذرائع کے اطلاعات کی تحقیقات پر اس اعتراف پر مجبور ہوتا ہے کہ یہ ایک سازش تھی‘ پاکستان فضائیہ کی تحقیقاتی ٹیم اعلان کرتی ہے کہ یہ سازش ہے حادثہ نہیں۔ اسلم بیگ سمیت سارے سرکاری عہدیدار کہتے ہیں کہ یہ سازش ہے۔ انہوں نے حادثہ کے کچھ دیر بعد ہی جی ایچ کیو کے آرمی آڈیٹوریم میں ملک بھر کے صحافیوں کے سامنے کہا تھا کہ میرا ہاتھ قاتلوں تک پہنچ چکا ہے لیکن مجھے گرفت کی اجازت تو دی جائے۔ ان کے اس بیان سے محسوس ہوا کہ اس وقت کی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو اپنی ذمہ داری ادا کرنے سے روک رہی تھیں۔

جنرل ضیاء کے بیٹے ایک مرتبہ اقتدار میں اور ان کی جماعت دو مرتبہ اقتدار میں رہی۔ انہوں نے اس سازش کو بے نقاب کرنے کا اعلان کیا تھا تو انہوں نے ایسا کیوں نہ کرایا۔ اس قومی سانحہ کا ذمہ دار کون......؟

غریب ترین ملک کے مہنگے ترین حکمران!

پاکستان کا شمار دنیا کے غریب ترین ملکوں میں ہوتا ہے۔ اس کی دو تہائی آبادی ناخواندہ ہے۔ ۱۹۹۵ء میں اسکول نہ ہونے کے باعث ایک کروڑ ستر لاکھ بچوں کو داخلہ نہ مل سکا۔ ۱۶ برس سے کم ۳۲ فیصد بچے محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہیں۔ ۴۰ فیصد بچوں کو مناسب خوراک نہیں ملتی۔ ۶ کروڑ باشندے صاف پانی سے محروم ہیں۔ آبادی میں اضافے کی شرح ۳ فیصد سالانہ ہے جو

ایشیا میں سب سے زیادہ ہے۔ پاکستان میں عورتیں انتہائی پسماندہ ہیں۔ بجٹ کا خسارہ تشویش ناک ہے۔ اندرونی اور بیرونی قرضوں کا بوجھ روز بروز بڑھ رہا ہے۔ صنعتی اور زرعی پیداوار دوسرے ملکوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ مہنگائی نے لوگوں کی کمر توڑ دی ہے۔ بھوک کی وجہ سے خودکشی کرنے والے افراد کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ اس کی وجہ سے کروڑوں باپ اپنی بیٹیوں کی شادی کرنے سے محروم ہیں۔ شہروں میں عوام کے لئے ٹرانسپورٹ کی سہولت میسر نہیں ہے۔ سڑکیں ٹوٹی پھوٹی ہیں۔ صفائی کا انتظام انتہائی ناقص ہے۔ عوام کی جان مال محفوظ نہیں۔ ہر حکومت کہتی ہے کہ پاکستان سنگین ترین بحران سے گزر رہا ہے اور دیوالیہ ہونے کے قریب ہے، اس غریب ملک کے حکمرانوں کا انسانی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ اپنے معیار زندگی کو غریب عوام کے معیار زندگی کے مطابق رکھنے کی کوشش کرتے۔ اسلام آباد حکمرانوں کا شہر ہے شان وشوکت اور ٹھاٹھ باٹھ کی وجہ سے یہ شہر پاکستان کا حصہ ہی نہیں لگتا جب اسلام آباد میں داخل ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ کسی دوسرے ملک میں آ گئے ہیں۔ دارالخلافے کو خوبصورت ہونا چاہئے مگر دوسرے شہر بھی صاف ستھرے ہونے چاہئیں اسلام آباد کا دستور ایونیو جو مارگلہ پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے، دنیا کی خوبصورت ترین شاہراہ ہے جس پر ایوان صدر، پارلیمنٹ وزیراعظم سیکرٹیریٹ، سپریم کورٹ، فارن آفس، ایونیو سروس کی عالی شان اور دیدہ زیب عمارتیں ہیں ایوان صدر اسلام آباد کی سب سے بڑی عمارت ہے جو دور مغلیہ کی یاد تازہ کراتی ہے۔ ایوان صدر کے اخراجات تیس لاکھ روزانہ ہیں۔ جبکہ آئین میں صدر کی ذمہ داریاں اتنی ہیں کہ وہ پارلیمنٹ کا بل منظور کرے اور بیرونی ممالک کے سفیروں کی اسناد وصول کرے۔ معمولی آئینی ذمے داری پوری کرنے کے لئے قومی خزانے سے صدر پر کروڑوں روپے خرچ کرنا انتہائی درجے کی سنگدلی ہے خاص طور پر جب قوم قرضوں کے بوجھ میں جکڑی ہوئی ہو۔ صدر پاکستان کے پاس اپنا خصوصی طیارہ ہے اور مرسڈیز کاریں الگ۔ دستور ایونیو پر دوسری بڑی عمارت پرائم منسٹر سیکریٹریٹ ہے جس کا کل تعمیر شدہ رقبہ ۳۷۶۳۵۶ مربع فٹ ہے۔ ابتدائی پلان کے مطابق وزیراعظم ہاؤس کے اندر وزیراعظم سیکریٹریٹ بنانے کی تجویز تھی جس پر لاگت کا تخمینہ ۱۷ کروڑ روپیہ تھا۔ قارئین کی اطلاع کے لئے وزیراعظم ہاؤس دنیا کا وسیع ترین اور عالیشان گھر ہے جس میں گھوڑوں کے اصطبل اور پولو گراؤنڈ موجود ہیں۔ وزیراعظم ہاؤس کے اندر آفس بنانے کی تجویز مثبت سوچ تھی۔ یہ اس وقت کا قصہ ہے جب بے نظیر بھٹو گیارہ سال آمریت کے گزار کر پاکستان کی پہلی خاتون

وزیراعظم منتخب ہوئی تھیں۔ اور ان پر اس وقت زرداری کا رنگ نہیں چڑھا تھا۔ مارچ ۱۹۹۳ء میں پی ایم سیکریٹریٹ کے لئے ۵۷ کروڑ روپے کی منظوری دی گئی۔ غیر ملکی قیمتی اشیاء کا اضافہ کیا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق وزیراعظم سیکریٹریٹ پر ۱۲۵ کروڑ روپے کی لاگت آئی۔ کنٹریکٹ ۲۶۷۰ روپے فی مربع فٹ کے حساب سے بھی زیادہ دیا گیا۔ پاکستان کی تاریخ میں کسی عمارت پر اتنی لاگت کبھی نہیں آئی۔ نیا وزیراعظم سیکریٹریٹ مغل بادشاہوں کے درباروں کو مات کرتا ہے۔ اس کے اندر چار محل ہیں۔ وزیراعظم آفس کے لئے قیمتی ریشم اور فائن لیدر استعمال کیا گیا ہے۔ جبکہ دروازوں پر سونے کی مینا کاری کی گئی ہے۔ ۱۹۹۵ء کے پی سی ون کے مطابق وزیراعظم کے آفس ٹیبل کی قیمت ۲۰۹۰۰۰/ روپے ہے جبکہ دیواروں پر تصویروں اور پینٹنگز پر ۲۲ لاکھ روپے۔ وی آئی پی انتظار گاہ پر ۳۵ لاکھ روپے۔ کیبنیٹ روم پر ۳۶ لاکھ روپے لاگت آئی۔

وزیراعظم سیکریٹری کے لئے ایک کروڑ روپے کی کرسیاں، ۷۰ لاکھ روپے کے آفس ٹیبلز، ۳۰ لاکھ روپے کے فائل ریک خریدے گئے۔ بیرون ممالک سے درجنوں عالی شان بڑے سائز کے قیمتی فانوس منگوائے گئے۔ وزیراعظم سیکریٹریٹ کی سالانہ دیکھ بھال کے لئے ساڑھے سات کروڑ روپے خرچ آئیں گے۔ جبکہ وزیراعظم سیکریٹریٹ کے اخراجات ۷۰ لاکھ روپے روزانہ ہیں۔ نواز شریف نے اپنے دور سابقہ میں جہاز ۸۰ کروڑ روپے میں خریدا۔ اسوقت کی قائد حزب اختلاف بے نظیر بھٹو نے سخت احتجاج کیا۔

نگران وزیراعظم بلخ شیر مزاری نے یہ قیمتی جہاز پی آئی اے کو دے دیا۔ جب بے نظیر بھٹو دوبارہ وزیراعظم بنی تو جہاز واپس لے لیا۔ اس کی آرائش کے لئے بے دریغ اخراجات کئے گئے۔ بے نظیر بھٹو کے پاس درجنوں مرسڈیز کاریں ہیں۔ منتخب وزیراعظم پر اس قدر اخراجات ملک کے عوام کے ساتھ سنگین مذاق ہے۔

جو حکمران نماز پڑھتے ہیں وہ ہر نماز میں دعا کرتے ہیں۔ ”اے خدا مجھے سیدھے راستے پر چلا ان لوگوں کے راستوں پر جن پر تو نے انعام کیا نہ کہ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تیرا غضب ہوا۔“ کیا غریب ترین ملک کے منتخب جمہوری حکمران صراط مستقیم پر چل رہے ہیں۔ محسن انسانیت ایک چٹائی پر سوتے تھے۔ اگر وہ چاہتے تو سونے و چاندی کے محل بنا سکتے تھے۔ مگر انہوں نے سادگی اور کفایت شعاری کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ حضرت عمرؓ کے دور حکومت میں ایک گورنر نے اپنے لئے

محل تعمیر کرایا، حضرت عمرؓ نے اسے جلانے کا حکم دے دیا۔ اور فرمایا! کہ گورنر ایک عام آدمی کی طرح رہائش کرے اور زندگی بسر کرے گا۔ پاکستان میں وزیر اعلیٰ اور گورنر بھی محلوں میں رہتے ہیں۔ ہر ایک نے ذاتی استعمال کے لئے طیارے رکھے ہوئے ہیں اور کروڑوں روپیہ سالانہ قومی خزانے سے خرچ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ چیئرمین واپڈا اور وفاقی وزراء کے پاس بھی طیارے ہیں۔

ورلڈ بینک کی رپورٹ کے مطابق حکومت پاکستان انتظامیہ پر ۲ ارب روپے روزانہ خرچ کرتی ہے۔ برطانیہ کا وزیر اعظم تین سو سال سے چار کمروں کے گھر میں رہتا ہے حالانکہ برطانیہ کا شمار دنیا کے امیر ترین ملکوں میں ہوتا ہے۔ اراکین پارلیمنٹ کے لئے مناسب ہاسٹل اور ریسٹ ہاؤس ہیں مگر غریب عوام کے نمائندوں کے لئے ایک ارب کی لاگت سے فائیو اسٹار لاجز تعمیر کی گئیں جس دن اس وقت کے وزیر اعظم نے ان لاجز کا افتتاح کیا اسی دن کراچی میں ایک بستی کے لئے عوام احتجاج کر رہے تھے۔ اور پچھلے دو ہفتوں سے انہیں پینے کا پانی نہیں ملا۔ پولیس ان پر لاٹھی چارج کر رہی تھی۔ پاکستان کے جو حکمران سادگی اختیار نہیں کر سکتے وہ عوام سے کیسے توقع رکھ سکتے ہیں۔ اسلام آباد کے وزیر اعظم سیکریٹریٹ کے ساتھ عدالت عالیہ کی عمارت اتنی پرشکوہ اور جاہ وجلال کا مظہر ہے کہ ایک عام آدمی اسے دیکھ کر ہی بے ہوش ہو جائے۔ غریب ترین ملک کے غریب عوام کے لئے یہ صورت حال کتنی اندوہناک ہو سکتی ہے۔ اس کا اندازہ کر لینا چاہئے۔

(روزنامہ نوائے وقت، بحوالہ سیارہ ڈائجسٹ مئی ۱۹۹۸ء)

پاکستان میں سیاسی احتساب!

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۶۶ ہجری بروز جمعرات پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن پاول نے کراچی میں دستور ساز اسمبلی کے ایک خاص اجلاس میں پاکستان کی آزادی اور اقتدار کی منتقلی کا رسمی اعلان کیا۔ پاکستان کی تشکیل میں رب ذوالجلال کی تائید وحمایت کے بعد سب سے اہم کردار قائداعظم محمد علی جناح کی غیر معمولی بیدار مغزی اور اصولوں کے ساتھ غیر متزلزل وابستگی اور ان کے بے داغ کردار نے ادا کیا۔ انہوں نے ۱۹۳۷ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی۔ اس وقت مسلمان انتہائی غیر منظم اور دل شکستہ اور پسماندہ تھے اور جناب محمد علی جناح دو چار بڑے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے۔ انگریز کسی بھی قیمت پر مسلمانوں کو جداگانہ وطن دینے پر تیار نہ تھے اور آخری وقت تک اسی کوشش میں سرکردہ رہے کہ ہندوستان تقسیم نہ ہونے پائے اور دوسرے بڑے دشمن ہندو تھے جو سیاسی اور معاشی طور پر بے حد مضبوط ہونے کے علاوہ انگریزوں سے ملے ہوئے تھے۔ ان دونوں کی سیاسی عیاری اور ڈپلومیسی نے پاکستان کی منزل تک پہنچنا انتہائی دشوار بنا دیا۔ قائداعظم کی گرتی ہوئی صحت حصول پاکستان میں تیسری بڑی رکاوٹ تھی۔ وہ تپ دق کے مریض تھے۔ تنہائی میں خون تھوکتے اور بچا کھچا خون ملت اسلامیہ کے لئے عظیم الشان جدوجہد میں صرف کر رہے تھے۔ چوتھا دشمن ان کی جیب کا کھوٹا سکا تھا۔ ان تمام داخلی، خارجی اور مزاحمتوں اور کمزوریوں کے باوجود عشق رسول ﷺ کی بدولت تاریخ کا سب سے بڑا کارنامہ انجام دینے میں کامیاب ہو گئے۔

حضرت قائداعظم نے گورنر جنرل کی حیثیت سے بمشکل ۱۳ ماہ کا عرصہ گزارا۔ یہ پورا عرصہ

نت نئی مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے گزرا۔ بانی پاکستان کی اچانک رحلت کے بعد وطن پاک کی سیاسی ڈور ایسی الجھی کہ جس کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آتا۔ اسے ہچکولے کھاتی کشتی کہا جا سکتا ہے۔ جو پچاس سال سے سیاسی جغادریوں کے رحم و کرم پر ہے۔ قیام پاکستان کے بعد ۵ دسمبر ۱۹۴۸ء کو سندھ مسلم لیگ کا صوبائی صدر کا انتخاب ہوا۔ جناب کھوڑو کے خلاف ایک مقدمہ خصوصی ٹریبونل کے سامنے اور دوسرا مقدمہ سرکاری مال کے بیجا تصرف کے الزام میں فوجداری عدالت میں چل رہا تھا۔ وہ سندھ صوبائی مسلم لیگ کے صدر منتخب ہو گئے۔ اپریل ۱۹۴۸ء تک مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ خواجہ ناظم الدین صوبہ سرحد کے خان عبدالقیوم خان، پنجاب کے نواب افتخار ممدوٹ، ممتاز دولتانہ اور سندھ کے وزیر اعلیٰ ایوب کھوڑو کے کرپشن کے ثبوت اور خبریں قائد اعظم تک پہنچ چکی تھیں۔ اور انہوں نے ۲۵ اپریل ۱۹۴۸ء کو پشاور میں ایک تقریب کے دوران اس کا اظہار بھی کیا تھا۔ ۹ مئی ۱۹۴۸ء کو کراچی کے ضلعی مجسٹریٹ کے روبرو لائنو مشین کیس کی ابتدائی سماعت ہو رہی تھی۔ یہ بدعنوانی کا کیس سندھ کے وزیر اعلیٰ ایوب کھوڑو کی خلاف تھا۔ اس فوجداری کے مقدمے کی نوعیت یہ تھی کہ مذکورہ مشین درحقیقت سندھ کے گورنمنٹ پریس کی ملکیت تھی۔ یہ مشین چوری کر کے سندھ آبزرور نامی اخبار کے پریس میں پہنچا دی گئی۔ پاکستان اسپیشل پولیس نے چند روز قبل یہ مسروقہ مشین برآمد کی تھی۔ اور جن لوگوں کا چالان کیا تھا، ایوب کھوڑو بھی ان میں شامل تھے۔ کیونکہ ایوب کھوڑو سندھ آبزرور کے بورڈ ڈائریکٹر کے چیئرمین تھے۔

(بحوالہ پاکستان ٹائمز ۲۲ مئی ۱۹۴۸ء)

ایوب کھوڑو کے بعد پیر الٰہی بخش سندھ کے وزیر اعلیٰ بنے۔ ان کے خلاف پانچ ایڈیٹروں نے ہندو نوازی، رشوت ستانی، اقرباء پروری، اسمگلروں کی پشت پناہی اور دیگر بدعنوانیوں کے الزامات عائد کئے۔ پی آئی بی کالونی کی اراضی کی رقوم کے ضمن میں الزامات اس کے علاوہ تھے۔ اس ضمن میں گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین کی صدارت میں اعلیٰ سطحی اجلاس ہوا اور یہ طے پایا کہ صوبائی گورنر پیر الٰہی بخش پر عائد الزامات کی تحقیقات کرے گا۔ علاوہ ازیں ایک الزام یہ بھی تھا کہ ان کا ایک ہندو معتمد خاص عین اسی وقت گرفتار ہوا، جب وہ مبینہ طور پر سرکاری دستاویزات لے کر بھارت فرار ہو رہا تھا۔ بہر حال پیر الٰہی بخش کی حکومت ۹ ماہ چلی پھر انہوں نے استعفیٰ دے دیا۔

پنجاب کے ایک سرکاری اہل کار نے نواب ممدوٹ کو خوش کرنے کے لئے زرعی اراضی ان

کے نام الاٹ کردی جبکہ نواب ممدوٹ کا استحقاق نہیں بنتا تھا۔ ان کا نام الاٹ کی گئی اراضی واپس لے لی گئی۔ اور سرکاری افسروں کے احتساب کے قانون پیروڈا ''پبلک ایڈری پریزنٹیٹو آفسز ڈس کوالیفکیشن ایکٹ'' منظور کردیا۔ قومی احتساب کے حوالے سے پیروڈا غالباً پہلا باضابطہ اقدام تھا۔ ایوب کھوڑو، قاضی فضل اللہ، حمید الحق چوہدری بھی پیروڈا کی زد میں آئے۔ بعد میں گورنر جنرل نے انہیں معافی دے دی۔ سابق صدر فاروق لغاری کے والد بھی ایسے ہی قوانین کی زد میں آ کر نااہل قرار پائے تھے۔ لیکن بدقسمتی سے بہت تھوڑے عرصے میں پیروڈا کو صرف ناپسندیدہ سیاستدانوں کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا اور اس طرح اس کی افادیت یکسر ختم ہوگئی۔ چنانچہ حزب اقتدار اور حزب اختلاف دونوں نے متفقہ طور پر گورنر جنرل غلام محمد کو پیروڈا سے محروم کرنے کا عزم کرلیا۔

پیروڈا کا قانون ۱۹۴۹ء میں دستور میں ترمیم کے طور پر شامل کرلیا گیا۔ دو سال بعد کراچی کے ہاشم گزور نے قانون منسوخ کرنے کا بل پیش کیا لیکن اس وقت دستور ساز اسمبلی کے ارکان کی اکثریت اس قانون کو منسوخ کرنے کے حق میں نہیں تھی۔ چنانچہ ایسی صورتحال کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہوئے ہاشم گزور نے پسپائی اختیار کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی بہرحال ہاشم گرور کا بل جو انہوں نے دستوریہ میں پیش کیا تھا، ایجنڈے پر موجود تھا۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۵۴ء کو مسلم لیگ کی پارٹی میں زیر بحث آیا تو ایک مرکزی وزیر نے اس کی حمایت کی۔ گویا کہ کابینہ کے بعض ارکان بھی اس قانون سے نجات چاہتے تھے۔ گورنر جنرل غلام محمد سندھ اور پنجاب کے دورے پر تھے۔ ۲۰ ستمبر کو دستور ساز اسمبلی نے یہ قانون منسوخ کردیا۔ اس بل کی منسوخی کا اقدام صرف اس لئے کیا گیا کہ اس سے کرپٹ سیاستدانوں کو بچانا تھا۔ جن میں سرفہرست میاں ممتاز احمد دولتانہ اور ایوب کھوڑو تھے۔ گورنر جنرل غلام محمد کو اپنے دورے کے دوران اس بل کی منسوخی کی اطلاع ملی تو وہ شدید مشتعل ہوئے۔ انہوں نے اپنی اہانت کا بدلہ لینے کے لئے پیروڈا کو زمانہ ماضی پر بھی نافذ کردیا۔ گورنر جنرل نے اپنے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے قاضی فضل اللہ، حمید الحق چوہدری، ایوب کھوڑو کو معافی دے دی۔ پیروڈا کے قانون کے دوبارہ نفاذ کا مقصد کوئی وطن عزیز کی بھلائی نہیں تھی بلکہ اس کو اپنے مخالفین کے خلاف استعمال کرنا تھا جو اسمبلی میں اس کے مخالف تھے۔

یوں شہید ملت کا بنایا ہوا قانون جسے قومی احتساب کا پہلا قانون کہتے ہیں وہ غلام محمد اور دستوریہ اسمبلی کے ارکان کی باہمی چھینا جھپٹی کی نذر ہوگیا۔

ہمارے بدعنوان سیاست دانوں کے غلط اقدامات کی وجہ سے بیوروکریسی کے غلبے کی راہ ہموار ہوگئی۔ قائداعظم کا یہ قافلہ کارواں سالاروں کے ہاتھوں لٹتا رہا۔ یوں پاکستان قیادت کے بحران کا شکار ہوتا گیا۔ جمہوریت دشمنی کی ابتدا گورنر جنرل غلام محمد ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء کو مسلم لیگی وزیراعظم خواجہ ناظم الدین کو برطرف کر کے کی۔ تشکیل پاکستان کے بعد یہ پہلی آئین ساز اسمبلی تھی جس کے خون میں گورنر جنرل غلام محمد نے اپنے ہاتھ رنگے۔ گورنر جنرل نے یہ اقدام تاج برطانیہ کی طرف سے تفویض کردہ اختیارات کو عمل میں لاتے ہوئے کیا۔ گورنر جنرل کے اس اقدام کے خلاف مولوی تمیزالدین اسپیکر اسمبلی نے سندھ ہائی کورٹ سے رجوع کیا۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس منیر کی سربراہی میں ایک فل بنچ نے حکومت کی استدعا پر نظریہ ضرورت کے تحت گورنر جنرل کے اس اقدام کو جائز قرار دیا۔ اور یوں نظریہ ضرورت کی داغ بیل پڑی۔ تاہم بعد میں اس دستور ساز اسمبلی کو بحال کر دیا گیا۔

اس امر کے شواہد بھی پاکستان کی سیاسی تاریخ میں موجود ہیں کہ ۱۹۵۸ء کا مارشل لاء اچانک نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اس کی منصوبہ بندی ستمبر ۱۹۵۸ء میں ہی مکمل کر لی گئی تھی۔ اسکندر مرزا نے اکتوبر ۱۹۵۸ء کو یہ اعلان کیا تھا کہ مارشل کم سے کم وقت تک نافذ رہے گا اور وہ انقلابی حکومت کو قومی کونسل میں تبدیل کر دیں گے لیکن اسکندر مرزا کی ملک بدری سے لے کر ۱۹۶۲ء کے آئین مرتب ہونے تک ملک میں عملی طور پر مارشل لاء رہا۔ جنرل محمد ایوب خان نے اکتوبر ۱۹۵۸ء میں جب اقتدار سنبھالا تو ابتدائی طور پر انہوں نے یہی تاثر دیا کہ گزشتہ آئین میں ضروری ترامیم کے سوا عدالتی کام اسی آئین کے تحت چلتے رہیں گے۔ اور فوجی حکومت سول محکموں کے ذریعے حکومت کا کاروبار چلائے گی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ وہ قومی سیاست کو بدعنوان سیاستدانوں سے پاک کر دیں گے۔ وہ ملک کے سیاسی حالات کو دیکھ کر جلد محسوس کر گئے کہ ان سیاستدانوں کی موجودگی میں وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

ایوب خان کے اقتدار سنبھالنے سے قبل ہماری قومی سیاست انتہائی کرپٹ ہو چکی تھی۔ ۱۹۵۶ء میں پاکستان کا پہلا دستور پاس ہوا۔ اس ک بعد عوام استحکام کی حکومتیں شکار ہوتی رہیں۔ راتوں رات ایک جماعت سے دوسری جماعت میں شامل ہونے کی ایسی روایت قائم ہوئی جو ہماری پارلیمانی تاریخ کے ماتھے پر سیاہ دھبہ ہے۔ سیاسی عدم استحکام کی یہ صورت تھی کہ آئی آئی

چندریگر صرف اڑھائی ماہ پاکستان کے وزیراعظم رہے۔ اس نوع کے کئی کھیل اس لئے رچائے جاتے رہے تھے کہ پارلیمانی نظام کو غیر موثر کر کے اس کی جگہ صدارتی نظام نافذ کیا جائے۔ سیاسی نیتاؤں نے مسلم لیگ کی کوکھ سے ری پبلکن پارٹی پیدا کی۔ جنرل سکندر مرزا نے اقتدار کی سیج پر مزے لوٹنے کے لئے ملک کو مارشل لاء کی نذر کر دیا۔ ملک پہلی دستور ساز اسمبلی کو پہلے ۱۹۵۴ء میں اور دوسری مرتبہ ۱۹۵۸ء میں برطرف کیا۔

جنرل ایوب خان نے ۱۹۵۹ء میں الیکٹو باڈیز ڈس کوالیفکیشن آرڈر (ایپڈو) جاری کیا۔ اس کے تحت اعلیٰ سطحی ٹربیونل مقرر کیا گیا جس کے ذمے سرکاری عہدیداروں کی مالی بدعنوانیاں اور بے قاعدگیوں کا پتہ لگانا تھا۔ ایپڈو میں یہ گنجائش رکھی گئی کہ جو سیاست دان رضا کارانہ طور پر آٹھ سال کے لئے سیاست سے کنارہ کش ہو جائے' ان سے تعرض نہ کیا جائے گا۔ ایپڈو کی اس شق سے واضح ہو گیا تھا کہ جنرل ایوب خان کا مطمع نظر قومی احتساب نہیں تھا' بلکہ وہ صرف اپنے ناپسندیدہ سیاست دانوں سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے اور یہ مقصد انہیں اس وقت حاصل ہو گیا جب ان کے ناپسندیدہ اکثر سیاست دانوں نے عملی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور جن سیاستدانوں نے بیچ میدان میں ایوب خان کو للکارا' ان کے ٹربیونل نے انہیں مختلف الزامات کے تحت نااہل قرار دے دیا۔ جنرل ایوب نے ایپڈو سے اپنا مقصد حاصل کر لینے کے بعد سے درخور اعتنا نہ سمجھا اور بعدازاں اپنے نئے انقلاب کو پروان چڑھانے کے لئے لگ گئے۔ جنرل ایوب خان کے ایپڈو لگانے کا قومی نقصان یہ ہوا کہ کئی موثر عوامی راہنما پس منظر چلے گئے۔ عوامی لیگ کے حسین شہید سہروردی نے جنرل ایوب خان کا مشورہ قبول نہ کیا اور الیکشن لڑنے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ حسب توقع ان پر ایپڈو لگا دیا گیا۔ یکم جنوری ۱۹۶۸ء کو ایپڈو کے پابندی ختم ہوئی تو اس دوران سہروردی صاحب رخت سفر باندھ چکے تھے اور شیخ مجیب الرحمٰن قومی سیاست پر طلوع ہو چکے تھے۔

۱۴ فروری ۱۹۶۰ء کو بنیادی جمہوریتوں کے ۸۰ ارکان نے ووٹوں کے ذریعے ایوب خان پر اعتماد کا اظہار کیا۔ ڈالے گئے ووٹوں کی تعداد ۷۵۲۸۳ تھی۔ یہ الیکشن بھی ہماری سیاست میں فراڈ الیکشن کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ جنرل سر ایوب خان نے ۱۹۶۲ء میں جو آئین دیا وہ مکمل طور پر صدارتی طرز کا تھا نہ ہی پارلیمانی۔ اس آئین کے تحت ایک ایسا نظام رائج کیا گیا تھا جو صرف جنرل ایوب خان کے گرد گردش کرتا تھا۔ اور ان ہی کے مفاد میں تھا۔ ایوب خان کی ذات

ہی تمام اختیارات کا منبع اور مرکز تھی۔ اس وقت یہ بات ہر محفل میں کہی جارہی تھی کہ ۱۹۶۲ء کے آئین کے مطابق ایوب خان کی حیثیت فیصل آباد گھنٹہ گھر کی ہے کہ شہر کی ہر سڑک فیصل آباد کے گھنٹہ گھر کی طرف جاتی ہے ۱۹۶۲ء کا آئین جنرل ایوب نے قوم پر تھوپا تھا۔ ان کے اقتدار کے خاتمے کے ساتھ ہی یہ آئین بھی ختم ہوگیا۔ خود ساختہ الیکشن اور اقتدار سے علیحدہ ہونا پڑا۔ پھر وہی سیاہ رات مارشل لاء کی صورت میں قائد کے پاکستان پر مسلط کردی گئی۔

۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو جنرل سر ایوب خان نے ...... حکومت فوج کے سربراہ جنرل یحیٰی خان کے حوالے کردیا۔ جنرل یحیٰی نے اقتدار سنبھالتے ہی قومی اور صوبائی اسمبلیوں کو برخاست کردیا اور ۱۹۶۲ء کا آئین منسوخ کردیا اور ملک میں مارشل لاء نافذ کردیا۔ جنرل یحیٰی نے پارلیمانی نظام کو بحال کرنے کا اعلان کیا اور ون یونٹ توڑ دیا۔ اور ۷ ستمبر ۱۹۷۰ء کو قومی اور ۱۷ دسمبر کو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے۔ شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ کو قومی اسمبلی کی تین سو نشستوں میں سے ۱۵۱ نشستیں ملیں۔ جبکہ ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی کو ۸۱ نشستیں ملیں۔ اس الیکشن میں مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں کوئی جماعت قومی سطح پر کامیاب نہ ہوسکی۔ ذوالفقار علی بھٹو نے ۳ مارچ ۱۹۷۰ء کے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرنے سے انکار کردیا۔ یحیٰی خان نے سیاسی بے بصیرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ۳ مارچ کا اجلاس ملتوی کردیا۔ مشرقی پاکستان میں شدید احتجاج ہوا۔ پورے حصے میں سول نافرمانی کی تحریک چلی۔ ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء کو فوجی ایکشن ہوا۔ دو قومی نظریہ کی بنیاد پر حاصل کی جانے والی دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت تار عنکبوت کی طرح بکھر گئی۔

جنرل یحیٰی خان سیاست دانوں کو کمتر مخلوق سمجھتے تھے۔ انہوں نے کرپشن اور بدعنوانی کا خاتمہ کرنے کا اعلان کیا لیکن عملی طور پر زبانی جمع خرچ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ جنرل یحیٰی خان بذات خود احتساب کے قابل تھا۔ اس کے دور میں عوام الناس نے ایسے ایسے شرمناک مظاہر دیکھے کہ سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔ جسم پسینے سے بھیگ جاتے ہیں۔ جنرل یحیٰی خان کسی مہذب ملک کے اندر ہوتا تو اس کی موت کے بعد بھی اس کے مقدمہ چلایا جاتا اور اس کی لاش کو قبر سے نکال کر اس کو وردی پہنائی جاتی اور اس کے بیج اور سٹار چھین لئے جاتے اور اس کے ڈھانچے کو علامتی پھانسی دی جاتی۔ لیکن بدقسمتی سے اپنے پہلے حکمرانوں کی طرح وہ بھی بچ نکلنے میں کامیاب

ہوگیا۔

سقوط ڈھاکہ کے بعد جو اسمبلی وجود میں آئی اس نے ذوالفقار علی بھٹو کو قائد ایوان چنا۔ ذوالفقار علی بھٹو غالباً پہلے اب تک آخری سویلین مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے ۱۹۶۲ء کی اسمبلی کے بعد ذوالفقار علی کی یہ واحد اسمبلی تھی جس نے اپنی عمر پوری کی۔ جنرل کی گود سے نکل کر بھٹو عوامی قائد کی حیثیت رکھتے تھے۔ پاکستان کے سیاسی افق پر طلوع ہوئے۔ ایک آمر سے ڈری اور سہی قوم شرافت انسانی کو ترستی لرزتی قوم نے انہیں اپنے سینے سے لگایا۔ ان کی وطن دوستی اور غریب عوام سے محبت کا عوام کو اندازہ قوم کو بعد میں ہوا۔ بھٹو کی قومیانے کی پالیسی نے ملک میں غریب عوام اور صنعتوں کی کمر توڑ دی۔ روٹی کپڑا مکان کا علم بلند کر کے رومانوی مزاج انقلابیوں' ادیبوں' دانشوروں کو بھی بھٹو بے وقوف بنا گئے۔ اقتدار پر بھٹو کی گرفت نے انہیں آمرانہ مزاج بنا دیا۔ طاقت اور حکمرانی کے نشے میں انہوں نے وہ مقاصد حاصل کرنے کی جدوجہد کی جو عوام کی خواہشات سے مطابقت نہیں رکھتے تھے۔ ہوس اقتدار نے ذوالفقار علی بھٹو کی فسطائی سوچ نے نہ صرف قائد کے پاکستان کو دولخت کیا بلکہ ''کرسی'' حاصل کرنے کے بعد معاشرے میں ایسی سوچ کا زہر بھرا کہ جس نے ملک میں سے شرافت وایمانداری کا جنازہ نکال دیا۔ ۱۹۷۳ء میں پے درپے ایسی ترمیم کردی گئی جس سے شہریوں کے حقوق محدود اور آزادیاں سلب ہوگئیں۔ عدلیہ کے اختیارات کم ہوگئے۔

یہ آئین اپنی اصل شکل سے محروم ہوگیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دور اقتدار میں احتساب کیا۔ لیکن مخالفین کو پابند سلاسل کر کے اور کسی پر بے بنیاد مقدمات بنا کر علماء کی اسمبلیوں اور اسمبلی سے باہر شرمناک تذلیل کی گئی۔ خواجہ رفیق سے لے کر ڈاکٹر نذیر شہید تک ظلم کا ایک ایسا سلسلہ تھا کہ خلق خدا کسی مسیحا کی تلاش میں تھی۔ گورنر ہاؤس میں طالبات کو اٹھا کر لے جانا ایسا بھیانک فعل تھا جو ذوالفقار علی بھٹو کی چھتری تلے ہوتا رہا۔ پاکستانی قومی اتحاد نے ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف عوامی تحریک چلائی اور پورے ملک میں بھٹو کے خلاف ہنگامے شروع ہوگئے۔ پورا ملک اضطراب اور بے چینی کی زد میں تھا۔ وہ آئین جسے متفقہ آئین کہا جاتا تھا اس کا حلیہ بگاڑا جا چکا تھا ۱۹۷۳ء کا آئین حکومتی فسطائیت' دہشت گردی اور اختیارات سے تجاویز کرنے کی خوگری کی روک تھام کرنے کے قابل نہ رہا تھا ۱۹۷۳ء کا آئین جسے مقدس دستاویز گردانا چاہیے وہ حکمرانوں کے

ہاتھوں مبینہ طور پر تذلیل کے مراحل طے کر رہا تھا۔

۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جنرل ضیاء الحق جو بری فوج کے سربراہ تھے، نے جمہوریت کی بساط لپیٹی اور ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ وہاں جنرل صاحب نے منتقل ادارے سینٹ کو توڑ دیا۔ جنرل ضیاء الحق نے ۱۹۷۳ء کے آئین کے کچھ حصے بحال رکھے۔ انتخابات کا وعدہ کیا جاتا رہا لیکن انتخابات ۱۹۷۷ء میں کرائے گئے۔ اور نہ ہی اکتوبر ۱۹۷۹ء میں۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے اگست ۱۹۸۳ء میں بلدیاتی انتخابات کرائے اور ۱۹۸۴ء میں صدارتی ریفرنڈم۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۹۸۴ء کے صدارتی ریفرنڈم میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ اس ریفرنڈم میں عوام کے ساتھ فرشتوں اور جنوں نے بھی ووٹ ڈالے۔ ۱۹۸۵ء میں جنرل ضیاء الحق نے غیر جماعتی انتخابات کرائے۔ سیاسی جماعتوں کو انتخابات میں حصہ لینے سے روک دیا گیا۔ لیکن بڑی تعداد میں سیاستدانوں نے انتخابات میں حصہ لیا۔ ایم آر ڈی نے انتخابات کا بائیکاٹ کیا۔ ۱۹۸۵ء کی غیر جماعتی اسمبلی نے آئین کی آٹھویں ترمیم منظور کر لی۔ اور وزیراعظم محمد خان جونیجو بنے۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے جیالوں کا سخت احتساب کیا۔ لیکن عدالتوں کے ذریعے نہیں بلکہ کوڑوں، پھانسیوں اور اپنے کل پرزوں کے ذریعے کیا۔

سندھ کے رکن قومی اسمبلی محمد خان جونیجو کو جنرل ضیاء الحق نے وزیراعظم پاکستان بنوایا۔ جونیجو نے اسمبلی کے اندر اور باہر مسلم لیگ کا احیاء کیا۔ انٹیلی جنس بیورو کراچی کے ڈائریکٹر کے مطابق محمد خان جونیجو سرکاری اداروں سے کرپشن ختم کرنے کا ارادہ کیا۔ اس زمانے میں، میں وزیراعظم معائنہ کمیشن کا چیئرمین تھا مجھ سے پہلی ہی ملاقات میں جونیجو نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں نے کہا یہ نہایت نیک کام ہے، لیکن اس مقصد کے لئے اوپر سے ابتدا کرنا ہوگی۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو مرکزی حکومت کے دو تین بدنام سیکریٹریوں کے خلاف قابل اعتبار مواد فراہم کر دوں۔ آپ اپنے اطمینان کے لئے کسی اور معتبر ذریعے سے بھی اس رپورٹ کی تصدیق کرا سکتے ہیں۔ اگر ایسے اعلیٰ افسران کو جرم ثابت ہونے کی صورت میں سزا دی گئی تو انشا اللہ کرپشن کا قلع قمع ہو جائے گا۔ جونیجو صاحب نے میری رائے سے اتفاق کیا اور تجویز منظور کر لی۔ ایک ماہ کی تگ و دو کے بعد میں نے اپنی رپورٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد مکمل کر لی اور وزیراعظم کی خدمت میں پیش کر دی۔ انہوں نے کہا کہ وہ رپورٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھ سے تبادلہ خیال

کریں گے۔ میں نے بعدازاں متعدد بار یاددہانی کرائی لیکن افسوس صد افسوس کہ انہیں اس فائل کے متعلق مجھ سے گفتگو کرنے کی فرصت نہ ملی۔ حتیٰ کہ وہ وزارت اعظمیٰ سے بھی سبکدوش ہوگئے۔

۱۰ اپریل ۱۹۸۶ء کو جب بے نظیر بھٹو آئیں تو اہلیانِ لاہور ان کے قدموں تلے بچھ گئے۔ وزارت اعظمیٰ پر براجمان ہوئیں تو علاقائی ولسانی نفرتوں کی آگ میں سلگتے سماج کو یہ امید تھی کہ جواں سال اور یورپ کی پڑھی ہوئی اپنا سیاسی سفر شروع کرتے وقت بوسیدہ اور فرسودہ قدروں کا پشتارہ اتار پھینکیں گی اور عوام کی دلجوئی کریں گی۔ جو مدتوں سے مسائل کی چتا میں سلگ رہے ہیں۔ ۲۹ مئی ۱۹۸۸ء کو جنرل ضیاء الحق نے اپنے اقتدار کے آخری دنوں میں وزیر اعظم محمد خان جونیجو کو معزول کر دیا۔ عدالتوں نے جنرل ضیاء الحق کے اس اقدام کو غلط قرار دیا۔ لیکن اسمبلی بحال نہ ہوئی۔ ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو بہاول پور کے قریب جنرل محمد ضیاء الحق ایک فضائی حادثے میں جاں بحق ہوگئے۔

۱۶ نومبر ۱۹۸۸ء کو عام انتخابات ہوئے یہ انتخابات جماعتی بنیادوں پر تھے۔ وزیر اعظم جواں سال بے نظیر بھٹو بنی۔۔ ان سے وزارت عظمیٰ کا حلف قائم مقام صدر غلام اسحاق خان نے ۲ دسمبر ۱۹۸۸ء کو لیا۔ جبکہ پنجاب کی وزارت اعلیٰ کا تاج میاں محمد نواز شریف کے سر پر رکھا گیا۔ بے نظیر بھٹو نے اقتدار سنبھالتے ہی انتقامی کارروائیوں کا اور دشنام طرازیوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اراکین اسمبلی کی خرید وفروخت کی بھیانک مثالیں قائم کیں اور پنجاب سے شدید محاذ آرائی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ بے نظیر بھٹو نے جئے بھٹو کے نعروں کی گونج میں اقتدار سنبھالا لیکن بہت تھوڑے عرصے بعد ان کی حکومت کی ساکھ خراب ہوگئی۔ اسلام آباد میں ہونے والے عالمی مذاکرات میں آصف علی زرداری نے کچھ اس انداز میں حصہ لینا شروع کر دیا کہ مسٹر ٹین پرسینٹ کے نام سے ان کی شہرت چار دانگ عالم پھیل گئی۔ بے نظیر بھٹو نے اپنے دونوں ادوار میں اپنی آمریت قائم کرنے کی پوری کوشش کی۔ آئین کے مندرجات ایک طرف رکھ کر صوبائی حکومتوں کو ریموٹ کنٹرول کے ذریعے اسلام آباد سے چلایا گیا۔ آئین کی دفعات ۶۲ اور ۶۳ آج تک نافذ العمل نہیں ہو پائیں۔ بے نظیر بھٹو حکومت دونوں مرتبہ کرپشن کے الزامات کے ساتھ ملک کو آئین کے مطابق نہ چلانے کے الزام میں تحلیل کی گئی۔ بے نظیر کے دونوں ادوار میں قومی اور سیاسی ادارے مفلوج ہو کر رہ گئے۔ اقتدار کی اس کشمکش میں صدر نے آئین کی دفعہ 58-2-B کا

استعمال کرتے ہوئے بے نظیر حکومت کی برخاست کر دیا۔ اس کے فوراً بعد دونوں میاں بیوی کے خلاف ریفرنسوں کی بھرمار ہوگئی۔ آصف علی زرداری کو نظر بند کر دیا گیا اور تحقیقات شروع ہوگئیں۔

اسی اثناء میں جمہوری اتحاد کے پلیٹ فارم سے محمد نواز شریف نے وزارت عظمیٰ حاصل کر لی۔ عام خیال تھا کہ وہ بے نظیر بھٹو' آصف علی زرداری اور ان کے ساتھیوں کے خلاف ریفرنسوں کی پر جوش پیروی کریں گے۔ اردو دودھ کا دودھ پانی کا پانی کریں گے۔ لیکن نواز شریف کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ بے نظیر سے بھی خوشگوار مراسم قائم رکھنا چاہتے تھے۔ روئیداد خان کے بقول دو سال سے زائد عرصہ تک بے نظیر بھٹو کے خلاف چھ صدارتی ریفرنسوں کا فیصلہ نہ ہو سکا تاخیر اور التوا کا ہر حربہ اختیار کیا گیا۔ نواز شریف نے اپنے پہلے دورِ حکومت میں آئی جے آئی کے ساتھیوں کو حکومتی امور سے بے دخل کیا اور اس طرح اقتدار کی شراکت داروں کو علیحدہ کر کے اقتدار کی حقدار صرف مسلم لیگ قرار پائی اور آخر کار اقتدار صرف نواز شریف کی ذات میں مرتکز ہو گیا۔ اب آئینی طور پر اقتدار کے صرف دو حقدار رہ گئے اور وہ صدر مملکت اور وزیراعظم پاکستان تھے۔ ان دونوں میں بھی رسہ کشی ہوئی اور ایک مرتبہ پھر غلام اسحاق خان نے اسی طرح کی دفعہ 58-2-B کا استعمال کیا جس طرح بے نظیر کی حکومت کے خلاف کیا تھا۔ اور نواز شریف کی حکومت برخاست کر دی گئی۔ نواز شریف نے عدلیہ سے رجوع کیا اور حکومت کی بحالی کا پروانہ حاصل کر لیا لیکن فوجی قیادت کے بعض عناصر نے نواز شریف سے استعفیٰ حاصل کر لیا۔ اور کہانی ختم ہوگئی۔

۱۶ اکتوبر ۱۹۹۳ء میں ملک بھر میں عام انتخابات ہوئے مسلم لیگ نے ۷۹ لاکھ ۸۰ ہزار ۲۲۹ اور پی پی نے ۷۵ لاکھ ۸۷ ہزار ۳۶۵ (۷۵۸۷۳۶۵) ووٹ حاصل کئے لیکن حکومت بنانے میں بے نظیر بھٹو کامیاب ہوئیں۔ بے نظیر بھٹو کا دوسرا دور پاکستان کی سیاسی تاریخ میں سیاہ اور پر جبر ہے اس دور میں کرپشن اپنے عروج پر تھی۔ بے نظیر کا تین سالہ دور اقتدار ہمہ پہلو زوال' اداروں کی شکست وریخت 'لوٹ مار' انتہائی کرپشن' مکروہ سیاسی عزائم اور انتقام' ملکی معیشت کی تباہ کاری' عدلیہ کی تذلیل' کمر توڑ مہنگائی' میرٹ کی تحقیر اور زندگی کے ہر شعبے میں بدعنوانی کا دور قرار پایا۔ بے نظیر بھٹو کو اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ اقتدار دیا مگر دونوں ہی دفعہ انہوں نے وطن پاک کو ویران کر دیا۔ شیخ رشید' حاجی...... 'میاں شہباز شریف' شیخ طاہر رشید' حمزہ عباس اور دیگر مسلم لیگی لیڈروں سے انتقام لئے۔ جمہوری روایات' سیاسی آداب نے شرم سے اپنا منہ چھپا لیا۔ مالی اور اقتصادی معاملات چلانے

میں اس طرح ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا کہ ملک دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچ گیا۔ اپنے مظالم پر پشیمان ہونے کے بجائے، محترمہ نے بدترین رعونت سے کام لیا۔

بے نظیر بھٹو نے اپنے دور اقتدار میں اپنے اطوار نہیں بدلے۔ آصف علی زرداری کو زیادہ کھل کر کھیلنے کا موقع دیا گیا۔ وزیراعظم کی حیثیت سے بے نظیر بھٹو اپنے نامزد صدر فاروق لغاری کو اپنا زر خرید خیال کرتی تھیں اور انہیں روایتی پروٹوکول کا مستحق بھی نہیں سمجھتی تھی۔ بے نظیر نے اپنے سیاسی مخالفین کے لئے عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ محمد نواز شریف جو اس وقت قائد حزب اختلاف تھے کے والد محمد شریف کو ان کی کرسی سے کھینچ کر اتارا گیا اور حوالات میں بند کر دیا گیا۔ ان کے خاندانی کاروبار کو تہس نہس کرنے کی کوشش کی گئی۔ بظاہر وہ یہ سب احتساب کے نام پر کر رہی تھیں مگر ہر کوئی دیکھ رہا تھا کہ وہ انتقام کی آگ میں جل رہی ہیں۔ نواز شریف اور ان کے اہل خانہ کے خلاف تقریباً ڈیڑھ سو مقدمات قائم کئے گئے۔ بے نظیر بھٹو کا احتسابی عمل جاری تھا کہ اچانک سردار فاروق احمد خان لغاری نے غضبناک انداز میں ان کی حکومت بدعنوانی کے الزام عائد کر کے برطرف کر دی۔ ملک معراج خالد کی سربراہی میں نگراں حکومت قائم کر دی۔

بے نظیر بھٹو عدالت میں گئیں اور سندھی چیف جسٹس سجاد علی شاہ نے صدر کے الزامات کی توثیق کر دی۔ اب وہ راندہ درگاہ تھیں۔ سرے محل اسکینڈل کے بعد سوئس اکاؤنٹ اسکینڈل نے ان کی اخلاقی اور سیاسی ساکھ کو راکھ کر دیا۔ ان کے شوہر آصف علی زرداری نے دعویٰ کیا کہ وہ سنڈے ٹائمز لندن کے خلاف ہتک عزت کا دعویٰ کر دیں گے، سرے محل کی خریداری کو عدالت میں ثابت کریں گے۔ سرے محل کے بارے میں ایک طویل خاموشی چھا گئی۔

چنانچہ نومبر ۱۹۹۶ء میں نگران وزیراعظم معراج خالد نے صدارتی آرڈیننس کے ذریعے احتساب کمیشن قائم کیا اور ریٹائرڈ جسٹس غلام محمد مرزا کو چیف احتساب کمشنر مقرر کیا۔ احتساب کمیشن کو ٹھوس نتائج دکھانے کے لئے وقت درکار تھا لیکن نگراں حکومت کے پاس وقت ہی تو نہیں تھا۔ اسے ۹۰ روز کے اندر الیکشن کرا کے رخصت ہونا تھا۔ چنانچہ احتساب کیا ہوتا، دستور کی دفعہ ۶۲ پر عمل درآمد کی نوبت بھی نہیں آئی۔ ایک موقع پر ملک معراج خالد نے اعتراف کیا کہ حکمرانوں کی تکنیکی کرپشن کو پکڑنا آسان نہیں۔

نگران حکومت نے انتخابات کرائے مسلم لیگ نے چند اتحادی جماعتوں کے ساتھ

ایڈجسٹمنٹ کر کے انتخابات لڑے اور واضح اکثریت حاصل کی۔ نواز شریف نے 58-2-B ختم کر کے سکھ کا سانس لیا۔ نواز شریف نے نگران حکومت کے احتساب ایکٹ میں دو بنیادی ترامیم کیں۔ احتساب کو صرف ۱۹۹۰ء کے بعد کے واقعات اور معاملات تک محدود کر دیا گیا۔ اس سے پہلے نگران حکومت کے احتساب کا دائرہ ۱۹۸۵ء تک پھیلا ہوا تھا۔ نواز شریف نے احتساب کمیشن کے علاوہ احتساب سیل کے نام سے ایک نیا ادارہ قائم کیا۔ بظاہر یہ احتساب کمیشن کے ماتحت تھا۔ لیکن درحقیقت چیف احتساب کمیشن پر ایک اور چیف احتساب کمیشنر تعینات کر دیا گیا تھا۔ احتساب کمیشن کو اپنے پاس آنے والے معاملات احتساب سیل کے پاس واپس بھجوانے کا پابند تھا۔ احتساب سیل کی تحقیقاتی رپورٹ کے بعد احتساب کمیشن نے مذکورہ معاملہ کو احتساب بنچ کے پاس بھیجنے یا نہ بھیجنے کا فیصلہ کرنا ہوتا تھا۔

نواز شریف نے اسلام آباد کی معروف کاروباری شخصیت سیف الرحمٰن کو احتساب سیل کا سربراہ مقرر کیا۔ ہدف یہ دیا گیا کہ بے نظیر بھٹو کے خفیہ خزانوں کا سراغ لگاؤ۔ سیف الرحمٰن نے بہت جلدی یہ کام سرانجام دیا۔ بے نظیر کے خلاف دو ریفرنس احتساب سیل سے ہوتے ہوئے لاہور ہائیکورٹ تک پہنچے۔ احتساب سیل نے غیر ملکی خفیہ سراغ رساں اداروں کی خدمات حاصل کیں جنہوں نے مبینہ طور پر سوئٹزرلینڈ میں سات بڑے بینکوں میں بے نظیر اور آصف زرداری کے ۱۷ خفیہ کھاتوں ٹھکانوں کا سراغ لگایا گیا۔ امریکہ برطانیہ اور فرانس میں ان کی جائیدادوں کا پتہ چلایا گیا۔ بے نظیر بھٹو اپنے سوئس اکاؤنٹ کے بارے میں تضاد بیانی سے کام لیتی رہیں۔ ۵ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو بے نظیر بھٹو اور آصف زرداری پر باقاعدہ فرد جرم عائد کی گئی۔ لاہور ہائی کورٹ نے اپنے رجسٹرار کے ذریعے جنیوا سے دستاویزات کی تصدیق بھی کرائی۔ سابق وزیر اعظم نواز شریف کے احتساب ایکٹ کے تحت یہ پہلا مقدمہ تھا جو اپنے منطقی انجام کو پہنچا۔ اس سے پہلے سیاستدانوں کو سیاست بدر کیا جاتا تھا۔ بے نظیر بھٹو نے بھی احتساب سیل کو نواز شریف کے خلاف ریفرنس ارسال کئے۔

نواز شریف دور حکومت میں یہ تاثر عام ملتا تھا کہ انہوں نے احتساب ایکٹ مخالفین کو قابو میں رکھنے کے لئے نافذ کیا۔ احتساب ایکٹ کے ذریعے احتساب کمیشن کی حیثیت ثانوی ہو گی۔ احتساب سیل کی کارکردگی غیر تسلی بخش تھی۔ متذکرہ حقائق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ فوجی

اور سیاسی قیادت نے بحیثیت حکمران جب بھی اقتدار سنبھالا آئین کے تقدس کو پامال کیا۔ خود کرپشن میں مبتلا رہے اور اپنے آپ کو آئین سے بالاتر جانا۔ آئین میں احتساب کے نام پر جب بھی کوئی تبدیلی کی گئی اس کا مقصد محض حکمرانوں کے اختیارات میں اضافہ تھا۔ آئین آئین اور تمام قومی ادارے حکومت کے گرد چکر لگاتے رہے۔ مخالفین کو رگڑنے کے لئے جب چاہا حکمرانوں نے آئین کو متحرک کر دیا اور جب چاہا ساکت کر دیا۔ احتساب کے نام پر قانون اور قانون کی من گھڑت تاویلات پیش کی گئیں۔ جمہوریت کا نعرہ لگا کر جمہوریت کی نفی کی گئی۔ احتساب کا نعرہ لگا کر احتساب کو مسخ کیا گیا۔

”حوالہ جات“

(۱)۔ ہر حکومت نے آئین کو کھلونا بنا کے رکھا۔ (پروفیسر سلیم ایم میاں۔ ۱۴ نومبر ۱۹۹۹ء جنگ سنڈے میگزین)

(۲)۔ پیروڈا سے احتساب بیورو تک۔ (اصغر عبداللہ۔ ۲۸ نومبر ۱۹۹۹ء نوائے وقت سنڈے میگزین)

(۳)۔ آزاد پاکستان کی محکوم حکومتیں۔ (الطاف حسن قریشی۔ اگست ۱۹۹۶ء اردو ڈائجسٹ لاہور)

(۴)۔ جمہوریت اور آمریت کے گیارہ گیارہ سال۔ (وکیل انجم۔ ۷ نومبر ۱۹۹۹ء سنڈے میگزین جنگ لاہور)

(۵)۔ پاکستان کی مکمل تاریخ۔ (عقیل عباس جعفری اخبار جہاں اگست ۱۹۹۷ء)

جہاز رانی اور جہاز سازی میں مسلمانوں کا کردار!

مسلمانوں کے متعلق دنیا کو صرف اتنا ہی معلوم ہے کہ وہ میدان حرب وضرب میں اپنا بدل نہیں رکھتے تھے۔ اور اپنی اعلیٰ وارفع عسکری صلاحیتوں کی بدولت محض قلیل مدت میں دنیا کے بیشتر خطوں کو سرنگوں کرلیا تھا۔ لیکن اوراقِ پارینہ کی تاریخی حقیقت سے بہت کم لوگ آشکار ہیں کہ مسلمان جنگ کے میدان ہی میں شاہسوار نہ تھے بلکہ انہوں نے اپنی بحری طاقت کے بل بوتے پر سمندروں کی منہ زور اور طوفانی لہروں کو پابہ زنجیر کردیا تھا۔ سمندروں کی فوجی دنیا میں تہلکہ مچادیا تھا۔

مسلمانوں نے جہاز رانی میں اس قدر عروج حاصل کیا تھا اور ایسے مضبوط بیڑے بنائے تھے جو سمندروں کی موجوں اور بپھرے طوفانوں کا بخوبی مقابلہ کرسکتے تھے۔ ان کا اقتدار تمام سمندروں پر تھا۔ بحیرہ روم کے جنگی ناکے ان کی دسترس میں تھے۔

فرانسیسی مؤرخ موسیو سیدیو مسلمانوں کی بحری فتوحات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ”عربوں نے جیسی عظیم الشان فتوحات سمندر کے ذریعے حاصل کی تھیں وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔ دنیا کی کسی حکومت کا حوصلہ نہ تھا کہ بحری معرکوں میں مسلمانوں کے مقابلے پر آسکتی۔ مسلمانوں نے صدیوں تک سمندر پر حکمرانی کی ہے۔“

مسلمانوں کے دیوہیکل بحری جہاز نیلگوں پانیوں پر چھائے ہوئے تھے۔ یہ جہاز امیر البحر کی قیادت میں جنگی سازوسامان لے کر آتے اور جاتے تھے۔ جب ان جہازوں کے الوداعی لمحات ہوتے تو جوش وجذبے سے الوداع کہنے والے بے شمار لوگ اکٹھے ہوجاتے تھے۔

ابتدائی دور میں جب بحری معرکوں کا آغاز ہوا تو اسلامی بیڑے میں متعدد رنگ و نسل کے لوگ شامل ہوتے تھے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے اپنے مستقل بیڑے بنائے اور سمندری جنگوں کا آغاز کیا۔

دور اول کے مسلمانوں نے بحری راستوں کی طرف کوئی خاص توجہ نہ کی تھی لیکن شام، مصر اور افریقا کی تسخیر کے بعد بحری بیڑے کا انتظام ضروری ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پندرہ سال بعد حضرت امیر معاویہؓ نے جزیرہ قبرص پر چڑھائی کی اور 669ء میں سسلی پر عربوں نے حملہ کیا۔ اسی زمانے میں قسطنطنیہ کے ساحلوں پر اسلامی بحری بیڑے کے حملے ہونے لگے۔ (جنوبی یورپ پر عربوں کے حملے: از علامہ امیر شکیب ارسلان۔ صفحہ 132\133)

عظیم اسلامی فتوحات کا یہ بڑا شاندار اور قابل لحاظ پہلو یہ ہے کہ ریگستان عرب کے رہنے والوں نے جہاز رانی کو جلد ہی سیکھ لیا۔ اور اتنے بڑے جنگی بیڑے تیار کر لئے اور انہیں اس طرح چلایا کہ طاقت ور اور تجربہ کار بازنطینی بحری بیڑوں نے ان سے شکست کھائی اور خلافت کی توسیع، تحفظ کی اولین ضرورت یعنی بحرہ روم کے کنٹرول کی تکمیل ہوگئی۔ (اسلام کے غازی یورپ میں: از رئیس اللہ جعفری۔ 127)

نویں صدی کے اوائل میں مسلمانوں نے بحیرۂ روم کے بڑے بڑے جزیرے مثلاً اقریطش، سسلی اور سروانیہ فتح کر لئے اور جنوبی برطانیہ کے بعض علاقوں پر بھی قبضہ کرلیا۔ بحرۂ روم کی موجوں میں ایسی سمندری لڑائیاں اور معرکہ آرائیاں شروع کیں جو اسلامی تاریخ کے مستقل باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اسلامی بحری بیڑوں سے ٹکر لینا عیسائیوں کے بس سے باہر ہوگیا تھا۔ بحری معرکوں میں عربوں کی فتح مندی اور مال غنیمت سے بہرہ وری کے واقعات روشن ہیں۔ چنانچہ ساحل سے الگ تمام جزیروں مثلاً میوقہ، منورقہ، یابسہ، سروانیہ، صغلیہ، قوصرہ، مالطہ، اقریطش، قبرص، وغیرہ کے مالک بن بیٹھے اور اس بحر بیکراں کے اکثر حصوں پر مسلمانوں کا تسلط رہا۔ اسلامی بیڑے بے خطر نقل وحرکت اور اسلامی فوج کی آمدورفت میں مصروف رہتے۔ اسلامی فوج کی آمدورفت صقلیہ سے سامنے کی خشکی (افریقہ) کو برابر جاری رہتی۔ یہ فوجیں اکثر عیسائی مملکتوں پر چھاپہ مارنے جاتی تھیں۔ مسلمانوں کے برعکس مسیحی قومیں اپنے بیڑے سمیت شمال مشرق کی جانب ہٹ آئیں اور

فرانس، ایطالیہ اور رومانیہ کے جزیروں میں سمٹ کر رہ گئیں۔ ان کے لئے ان حدود سے باہر نکلنا دوبھر ہوگیا۔ غرض اسلامی بیڑوں کی صولت عیسائیوں پر ایسی قائم ہوئی جیسے شیر نیستاں کی دھاک شکار پر جمی ہوتی ہے۔ (مقدمہ تاریخ ابن خلدون)

ڈاکٹر موپیاں کے بیان کے مطابق عرب بہت بڑے جہاز راں تھے۔ ان کے تعلقات چین سے اس وقت قائم ہو چکے تھے۔ جب کہ اس براعظم کے وجود کا علم تک اہل یورپ کو نہ تھا۔ (تمدن عرب: صفحہ 442)

خلفائے راشدین کے دور میں بحری مہمات!

سب سے پہلا جنگی بیڑہ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (32-31 ہجری 623- 634 عیسوی) کے عہد میں عثمان بن ابی العاص ثقفی نے اپنے بھائی کی سرکردگی میں تھانہ علاقہ بمبئ بھیجا۔ فتوح البلدان میں اس کو تہانہ لکھا ہے اب تھانہ بمبئ کا مشہور مقام ہے لیکن اس وقت بمبئ کا وجود کہیں نہیں تھا، بلکہ تھانہ ہی بارونق وآباد بندر تھا۔ حکم نے کشتیوں کے ذریعے بحری مصائب برداشت کر کے سب سے پہلے تھانہ پر حملہ کیا۔ اس کے بعد 'بہروج' جو اس زمانے میں ہندوستان کا سب سے پررونق بندر تھا۔ (معجم البلدان) دوسری عربی کتابوں میں ''بہروج'' کو ''بروج'' اور ''بروجس'' لکھا ہے۔ ''پرتاخت'' کے علاوہ اس نے اپنے بھائی مغیرہ کو دیبل کی طرف روانہ کیا۔ جو سندھ کا مشہور مقام تھا۔ یہ تینوں حملے پندرہ اور سولہ صدی عیسوی کے درمیان ہوئے۔ فتوح البلدان کے مصنف احمد بن یحییٰ بن جابر کا بیان ہے کہ ان حملوں میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔ (رسالہ نگار بابت جنوری 1938ء)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے عہد میں عربی جنگی بیڑے ساحل ''کونکن'' سے ٹکرائے۔ (عہد اسلامی کا ہندوستان سید رسالت علی ندوی)

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حملوں کی ذمہ داری قبول نہیں فرمائی بلکہ مہم بھیجنے والے پر مقامی حالات کے لحاظ سے خود فیصلہ کرنے کی ذمہ داری عائد رکھی۔ (عہد اسلامی کا ہندوستان: سید ریاست علی ندوی)

امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (34ھ 35ھ 644ء 655ء) کے دور

خلافت میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری جنگ کی اجازت چاہی تو انہیں اس شرط پر اجازت ملی کہ کسی کو بحری جنگ پر جانے کو مجبور نہ کیا جائے۔ اجازت ملنے پر حضرت معاویہؓ نے بحری بیڑہ تیار کیا۔ تاریخ اسلام میں یہ سب سے پہلا بیڑہ تھا۔ جو خلیفہ وقت کی اجازت سے تیار کیا گیا۔ اس بحری بیڑے نے 28ھ میں قبرص پر حملہ کیا۔ لیکن قبرص کے لوگوں نے سات ہزار دینار سالانہ پر صلح کرلی۔ اس طرح قبرص پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ نے (35-40ہجری 655ء660ء) میں تاعز بن واعر کی سرکردگی میں ایک مہم 38ہجری میں روانہ کی۔ جو بہروج کی طرف سے راستہ میں فتوحات و مال غنیمت حاصل کرتی ہوئی کوہ قیقان یا فیقان پہنچی۔ دشمنوں نے بیس ہزار کی جمعیت سے مقابلہ کیا لیکن حارث بن مرہ نے جو لشکر اسلام کا ایک جواں مرد افسر تھا۔ دشمنوں کو شکست دی۔ (نگار بابت جنوری 1938ء)

سیدنا امیر معاویہؓ کا عہد

31ہجری میں ایک عظیم الشان بحری بیڑہ جس میں چھ سو جہاز تھے۔ قیصر روم نے سواحل شام پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ امیر البحر عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ اپنے بیڑے کو ساتھ لے کر بیچ سمندر میں قیصر کے بیڑے کو روکا دونوں فوجوں میں جنگ ہوئی اور سطح سمندر رنگین ہوگئی۔ مسلمانوں کی یہ پہلی سمندری جنگ تھی جس میں رومیوں کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ 33ہجری میں امیر معاویہ نے ایک جنگی بیڑہ جس میں 300 جہاز تھے صقلیہ بھیجا۔

اسلامی بحری طاقت کی تخلیق و تعمیر کا سہرا دو آدمیوں کے سر ہے ایک امیر معاویہؓ امیر شام اور دوسرے گورنر مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ ان دونوں نے اسکندریہ اور شام کے دونوں ساحلی بندرگاہوں میں مسلمانوں کا جنگی بیڑہ اس طرح آراستہ کیا کہ انہوں نے بہت جلد سمندر میں ایسی شاندار اور حیرت انگیز فتوحات حاصل کیں جیسی کہ بری فوجوں نے خشکی پر کی تھیں۔

(اسلام کے غازی یورپ میں صفحہ 127)

حضرت امیر معاویہؓ (41- 60ہجری 680ء661ء) جب پوری سلطنت اسلامیہ کے سربراہ بن گئے تو مصر و شام کے ساحلی علاقوں کی حفاظت کے لئے بحری بیڑا قائم کیا۔ صاحب فتوح البلدان لکھتے ہیں کہ معاویہؓ بن حدیج کندی پہلا شخص ہے جس نے امیر معاویہؓ کے زمانے میں سسلی پر حملہ کیا۔ یہ لڑائیاں جاری رہیں۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک 85 تا 96ھ\705 تا 715ء)

کے عہد حکومت میں بحری بیڑا بہت طاقت ور بن گیا فوج پانچ حصوں میں منقسم تھی۔

بحری بیڑے کو مضبوط تر بنانے کے لئے جہاز سازی کے لئے کارخانے قائم کئے گئے۔ سب سے بڑا کارخانہ تیونس کی بندرگاہ میں بنایا گیا جس میں ہر سال بیسیوں جہاز تیار ہوتے۔

(تاریخ اسلام: ڈاکٹر حمید الدین)

ایک مستند مؤرخ کا بیان ہے کہ بنوامیہ کا مشہور و معروف والئی عراق حجاج بن یوسف پہلا شخص تھا جس نے جہازوں میں بجائے رسوں کے کیلیں لگوائیں تختہ کا استعمال کیا اور ان میں کمرے بنوائے۔ (مسلمانوں کی صنعت و حرفت)

قسطنطنیہ پر حملہ

(48-49ھ\668ء) میں بہ عہد امیر معاویہؓ قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا پہلا حملہ ہوا۔ امیر معاویہؓ نے ایک جرار لشکر اور ایک زبردست بحری بیڑہ تیار کیا۔ یہ بحری بیڑا امیر البحرین ارطبا کے زیر کمان تھا۔ لشکر کے سپاہ سالار سفیان بن عوف ازدی تھا۔ اسلامی بحری بیڑے نے درہ دانیال کو بغیر کسی مزاحمت اور مقابلے کے عبور کر لیا اور قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ اسی محاصرہ میں مشہور صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے اور قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے دفن کئے گئے۔ 1253ء میں جب سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کیا تو ان کی قبر کا انکشاف ہوا۔

(......کتاب الجہاد)

فتح رہوڈس

امیر معاویہؓ ہی کے زمانے میں رہوڈس (Rhodes) کا اہم جزیرہ فتح ہوا۔ 52ھ\672ء) اور اسلامی بحری بیڑے نے دو دفعہ سسلی پر یلغار کی اور بقول سید امیر علی کے ٹاپومنڈل کے بہت سے جزیروں پر بھی عربوں نے قبضہ کر لیا۔ (تاریخ اسلام: صفحہ 84 ترجمہ باری)

تیسری صدی ہجری

یہ صدی اسلامی بحری بیڑے کی تاریخ میں ایک انتہائی اہم صدی شمار ہوتی ہے۔ اسی صدی میں شمالی افریقہ پر خاندانِ اغلبی کی حکومت تھی۔

یہ اسلامی بحری بیڑے ہی کی برکت تھی کہ تیسری صدی ہجری (9ء) میں مسلمانوں نے کریٹ‘ سسلی‘ جنوبی اٹلی اور فرانس کے کچھ علاقے اور جزیرہ مالٹا‘ وغیرہ فتح کیے۔ حد یہ کہ وہ مضافاتِ روم (Rome) تک پہنچ گئے اور انہوں نے پاپائے روم تک خراج وصول کیا۔

جزیرہ کریٹ کی فتح

جزیرہ کریٹ پر مسلمانوں کا پہلا حملہ عہد بنو امیہ (673ء) میں ہوا۔ لیکن وہ اسے مکمل طور پر فتح نہ کر سکے لیکن تیسری صدی ہجری میں انہوں نے کریٹ کو فتح کر کے باقاعدہ حکومت قائم کر لی۔ یہ دو سو دس ہجری بمطابق 825ء کی بات ہے۔

(اس سے پیشتر مسلمان 193ھ بمطابق 809ء میں کارسیکا 194ھ\810ء میں سارڈینیا کے جزائر فتح کر چکے تھے)

کریٹ پر مسلمانوں کی حکومت 861ء تک قائم رہی۔ مسلمان کریٹ کے ساحل پر جہاں اترے تھے وہاں اپنی قیام گاہ کے ارد گرد حفاظت کے لئے انہوں نے خندق کھودی تھی۔ بعد میں اس مقام کا نام ’’الخندق‘‘ مشہور ہو گیا۔ اس نام کو اہل یورپ نے بگاڑ کر کینڈیا (Candia) بنا دیا جو کریٹ کا دوسرا نام ہے۔ (سو تاریخی واقعات‘ غلام رسول مہر: صفحہ 108)

فرانس میں فتوحات

اندلس کی فتح کے فوراً بعد مسلمان فرانس میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے اس کے بہت بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ بیس سال سے زائد عرصہ فرانس پر قابض رہے لیکن کچھ عرصہ بعد مسلمانوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تو یہ علاقے مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گئے۔ تیسری صدی ہجری میں مسلمان بحری راستے سے فرانس میں داخل ہوئے اور جنوبی حصہ میں بہت سے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ (عربوں کی سلطنت)

تسخیر مالٹا

256ھ\869ء میں مسلمانوں نے جزیزہ مالٹا فتح کر لیا اور تقریباً دو سو برس تک اس پر حکومت کرتے رہے تیسری صدی ہجری کے اختتام تک مسلمانوں نے بحیرہ روم کے تقریباً تمام

جزیرے فتح کر لئے تھے۔

بنو عباس

خلفائے عباس نے بھی اپنے عہد میں بحری بیڑے کی شان کو برقرار رکھا ان کے زمانے میں ہندوستان کے خلاف متعدد مہمات روانہ ہوئیں اور مسلمانوں کے بحری بیڑے ساحل گجرات پہنچ گئے۔ 184ھ میں ہارون الرشید نے ابراہیم بن اغلب کو افریقہ کا والی مقرر کر کے بھیجا اس نے وہاں ایک بیڑا تیار کیا۔ یہ نیا بیڑا تمام بحرہ روم پر حکومت کرتا تھا۔ ہارون کے یہ دونوں بیڑے تمام بحرۂ روم میں گشت کرتے پھرتے تھے اور بعض ساحلی شہروں کے علاوہ بحیرۂ روم میں واقع جزائر پر بھی حملے کرتے تھے۔ (الہارون عمر ابو النصر)

عہدِ فاطمی

فاطمی حکمرانوں نے مسلسل بحری حملوں سے اٹلی میں تہلکہ مچادیا اور عظیم الشان کامیابیاں حاصل کیں۔

فاطمیوں نے جہاز سازی کا ایک مستقل شعبہ قائم کر رکھا تھا۔ اس کے زیر اہتمام عسکری اور تجارتی دونوں جہاز تیار ہوتے تھے۔ جنگی جہاز کو ’’اسطول‘‘ کہا جاتا تھا۔ اس کے دفتر کو (دیوان الاسطول) کہا جاتا تھا۔

معز الدین اللہ کے عہد میں چھ سو جنگی جہاز ہر وقت دریائے نیل کے ساحل پر کھڑے رہتے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ فاطمی خلافت کے عہد میں ایک زمانہ ایسا گزرا ہے کہ جب کہ بحری کپتانوں کی تعداد جن کے زیرِ کمان جہاز چلتے تھے پانچ ہزار تھی۔ نویں صدی عیسوی میں مسلم جہازوں کی تعداد اس سے بھی زیادہ تھی اور مسلم سواحلی کے درمیان آمد و رفت کے علاوہ شمال کی نصرانی بندرگاہوں سے بھی رابطہ و تعلق قائم رکھتے تھے۔ (اسلام کے غازی یورپ میں: صفحہ 128)

صلاح الدین

صلاح الدین ایوبی کو بحری طاقت بڑھانے کا بہت شوق تھا کیونکہ صلیبی معرکے سمندروں کے بغیر بے پناہ مشکل تھے۔ چنانچہ جہاز سازی کے لئے عطا میں ایک بڑا کارخانہ قائم کیا تھا۔ جو

کارخانے جہاز سازی کے فاطمی عہد کے تھے سلطان نے ان کو قائم رکھا۔ ان کو ترقی دی سلطان نے بیڑے کے نظم ونسق اور دوسری ضروریات کے لئے ایک مستقل دفتر قائم کیا۔ اس محکمے کا افسر سلطان کا بھائی ملک عادل تھا۔ (تاریخ ملتان)

ترکوں کا عہد

ترکوں نے اپنے عہد حکومت میں اعلیٰ درجے کے جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے۔ اور انہوں نے عظیم الشان بحری بیڑہ تیار کیا جو مختلف سائز کے ڈیڑھ سو جہازوں پر مشتمل تھا۔ ان کے علاوہ سو جہاز اور بھی تھے جو ہر وقت مہم پر روانہ ہونے کی امید پر مسلح رہتے تھے۔

942 ہجری میں دہلی کے بادشاہ نے مغلوں کے مقابلے کے لئے سلطان سلیمان سے اعانت چاہی۔ نیز بہادر شاہ نے گجرات کی طرف سفیر پہنچے اور پرتگالیوں کے مقابلے میں جن کی غارت گری سے سواحل ہند کے اسلامی علاقے ویران اور تباہ ہو رہے تھے۔ فوجی امداد کے طالب ہوئے۔ سلطان کے حکم سے سلیمان پاشا والئی مصر 75 جنگی کشتیاں جن میں 20 توپیں تھیں لے کر روانہ ہوا۔ اس نے عدن پر قبضہ جمایا اور سواحلِ گجرات پر آ کر پرتگالیوں کے قلعے منہدم کئے۔ (تاریخ ملت)

اسلامیہ یونیورسٹی بھاول پور

آغاز سخن

مملکت پاکستان میں سرزمین بھاول پور کے علاقائی تشخص کی معروف علامت وہ سابق اسلامی ریاست ہے جو قیام پاکستان سے قبل، قریباً دوسو سال تک امرائے عباسیہ کے زیر سایہ اسلام کی دینی اور تہذیبی روایات کا مرکز بنی رہی۔ لیکن اس کی تاریخی قدامت اور ثقافتی عظمت کا رشتہ وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیبوں سے جاملتا ہے۔ یہاں اب بھی، بھاولپور کے سوئی ویہار اور رحیم یار خان کے قریب پتن منارے کے کھنڈر، بدھ مت کی عظیم الشان خانقاہوں کی داستانیں زبان حال سے بیان کررہے ہیں۔ صحرائے چولستان میں دریائے ہاکڑا (گھاگرا) کی قدیم خشک گزرگاہ کے گردونواح میں، جابجا بکھرے ہوئے ٹھیکروں اور ریت کے ٹیلوں تلے مدفون موہنجودڑو اور ہڑپہ کی ہم سروہم عصر، کئی بستیوں کے نقوش ملتے ہیں جو آج تک ماہرینِ آثار قدیمہ کی کاوش تحقیق کے منتظر ہیں۔ ان قدیم بستیوں میں سے اب صرف اوچ باقی ہے۔ جس کے قرب وجوار میں بدھ دور کے بکھرے ہوئے آثار، اس کی قدامت اور تاریخی عظمت کے گواہ ہیں۔ تاریخی حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سکندر اعظم کے حملے تک اوچ ایک عظیم شہر ایک اہم تجارتی، فوجی اور سیاسی مرکز تھا۔ چنانچہ سکندر یہاں مقیم ہوا اور اپنے نام کی نسبت سے اسے ’’اسکلندہ‘‘ کے نام موسوم کیا۔

برصغیر میں مدارس وخانقاہوں کا قیام: آٹھویں صدی عیسوی میں محمد بن قاسم اور مسلمان مجاہدین کا لشکر، راجہ داہر کو شکست دینے کے بعد اس کے بیٹے جے سنگھ کے تعاقب میں اوچ سے ہوتا ہوا ملتان تک پہنچا۔ اور اسی زمانے سے مسلمان یہاں آباد ہونے لگے۔ دسویں صدی عیسوی میں

سید صفی الدین گاذرونی نے یہاں ایک خانقاہ اور مثالی درسگاہ کی بنیاد ڈالی جو صدیوں قائم رہی۔ پھر یہ شہر قرامطہ کی پناہ گاہ بنا۔ بارھویں صدی عیسوی میں شہاب الدین کے حملے سے قرامطہ کے فتنوں کا خاتمہ ہوا۔ اور اس کے ایک معتمد غلام' ناصر الدین قباچہ نے تیرھویں صدی عیسوی میں اوچ کو اپنی وسیع سلطنت کا پایہ تخت بنایا۔ اب یہ شہر ارباب علم وفضل کا مرکز اور دینی وعلمی تحریکوں کا سرچشمہ بن گیا۔ یہاں ایک جامع مسجد اور مدرسہ فیروزیہ کے نام سے ایک عالیشان درسگاہ قائم ہوئی جس کا شمار اس دور کی بہترین اسلامی جامعات میں ہوتا تھا۔ ''طبقات ناصری'' کے مصنف اور جلیل القدر عالم' شاعر و ادیب علامہ منہاج سراج' اسی دار العلوم کے صدر مدرس تھے۔ اسی عہد میں علی بن حامد ابوبکر کوفی نے یہاں عربی زبان میں سندھ کی مستند تاریخ ''الہند والسند ومنہاج السالک'' کا فارسی میں ترجمہ کیا جو ''چچ نامہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ نور الدین عوفی نے بھی قیام اوچ کے زمانے میں ''لباب الالباب'' تصنیف کی جو دنیائے علم میں اب تک قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ بارھویں صدی عیسوی سے اوچ شریف سلسلہ سہروردیہ بخاریہ' سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کا مرکز بن گیا۔ اور اس زمانے سے اب تک یہ سارا علاقہ ان بزرگ خانوادوں کے روحانی فیوض و برکات کے چشموں سے سیراب ہوتا رہا۔

عباسیوں کی آمد

چنگیز خان اور ہلاکو کے حملوں کی وجہ سے جب سلطنت بغداد (عباسیہ) کا خاتمہ ہو گیا تو بنو عباس کی ایک شاخ مصر سے ہوتی ہوئی سندھ میں پہنچ گئی۔ بنو عباس کے ایک امیر محمد چنی خان کو اکبر اعظم کے فرزند شہزادہ مراد نے پنج ہزاری منصب دلوایا۔ امیر محمد چنی خان کی وفات کے بعد عباسی خاندان دو حصوں میں تقسیم ہوا۔ ایک گروپ داؤد پوتروں پر مشتمل تھا۔ اور دوسرا کلہوڑوں پر۔ ان کے درمیان جھگڑا شروع ہوا' سندھ میں موجود عرب قبائل نے داؤد پوتروں کا ساتھ دیا۔ اور انہوں نے ہی آگے چل کر ریاست بھاولپور کی داغ بیل ڈالی۔ امیر بہادر خان نے ۱۶۹۰ء میں شکار پور شہر کی بنیاد رکھی۔ امیر بہادر خان نے گترائی کا علاقہ چھوڑ دیا۔ اور مرزا خان جو اورنگزیب عالمگیر کا مقرر کردہ سندھ کا حاکم تھا' سے بھکر میں ایک وسیع علاقہ بطور انعام حاصل کیا۔ اور یہاں آباد ہو گیا۔ اس زمانے میں سابقہ ریاست بھاولپور کا علاقہ مختلف حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ عباسی داؤد پوتروں کے زیر اثر آنے سے پہلے یہ علاقہ کچھ یوں تھا۔ (۱) صادق آباد اور خان پور کا

علاقہ نور محمد کلہوڑہ کے ماتحت تھا۔ (۲) ونجھروٹ بھمبھر، دراوڑ، مروٹ، نیز صادق آباد اور خان پور کا جنوبی علاقہ جیسلمیر میں شامل تھا۔ (۳) اوچ شریف کا علاقہ ملتان کے زیر نگیں تھا۔ (۴) بھاولپور کا علاقہ اور اس کا مشرقی علاقہ بھی ملتان کے تحت تھا۔ (۵) علاقہ شہر فرید پر فرید خان ثانی لکھویرا کی حکومت تھی۔ (۶) سترہویں صدی کے آخر سے منچن آباد کے اکثر وٹو براہ راست دربار دہلی میں واجبات ادا کرتے تھے۔ (۷) ولہار پھولڑ، نواب گڑھ کے قلعے بیکانیر کے راجہ زورآور سنگھ کے زیر تصرف تھے۔

ڈیرہ غازی خان میں ۱۷۰۲ء میں علاقہ کے امراء نے معز الدین کے خلاف بغاوت کی تو امیر بہادر خان کے بیٹے امیر محمد مبارک خان نے اس موقع پر شہزادہ معیز الدین کی بھرپور معاونت کی۔ شہزادہ نے داؤد پوتروں کی خدمات سے خوش ہو کر شکار پور بختیار پور اور خانپور کے علاقے انہیں دے دیئے۔ ۱۷۲۳ء میں امیر اپنے بیٹے صادق محمد خان کے حق میں دستبردار ہو گیا۔ اس موقع پر ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا گیا اور تمام عباسیوں کو مدعو کیا گیا۔ اس موقع پر نور محمد کلہوڑہ ساٹھ ہزار فوج لے کر شکار پور کی جانب حملہ کرنے کی غرض سے بڑھا لیکن بغیر حملہ کئے واپس لوٹ گیا۔ اوچ شریف کے مخادیم جن میں بخاری اور گیلانی دونوں شامل تھے، نے امیر صادق محمد خان کو اوچ آنے کی دعوت دی۔

۱۷۲۸ء میں امیر صادق محمد خان کو صوبیدار ملتان نواب حیات اللہ خان نے چودھری (الہ آباد) کا علاقہ دے دیا۔

عباسیوں کو اقتدار کیونکر ملا؟:

نادر شاہ نے سندھ کو چار حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ امیر صادق محمد خان عباسی کو شکار پور، پرگنہ لاڑکانہ، سیوستان، چھتا کے علاوہ چوہدری کا علاقہ دیا تھا۔ خدایار کلہوڑہ نے شکار پور پر حملہ کیا۔ امیر صادق محمد خان اول ہلاک ہو گئے۔ لیکن ان کے بیٹے نواب بھاول خان اول نے ۱۷۴۸ء میں دریائے ستلج کے جنوبی کنارے پر بستی رانجھے خان کی جگہ نئے شہر بھاولپور کی داغ بیل ڈالی، جو کہ ریاست بھاولپور کا دارالخلافہ بنا۔ ۱۷۵۰ء میں جیسلمیر سے مروٹ کا قلعہ واپس لے لیا گیا۔

نیز سیت پور کا علاقہ کہروڑ پکا اور دینا پور فتح کئے گئے۔ ۱۷۵۱ء میں احمد شاہ ابدالی کے جرنیل

جہانگیر خان نے اوچ شریف پر حملہ کیا۔ موج گڑھ، مروٹ اور پھولڑہ کی قلعہ بندی کر کے داؤد پوتروں کو متعین کر دیا گیا۔ فوج کو خان پور میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ جہاں امیر آف بھاولپور نے اوچ شریف سے بھاولپور کی طرف پیش قدمی کی۔ خان پور کے قریب لڑائی ہوئی جس میں دشمن کو شکست ہوئی اور دشمن کا لال سوہانرا تک تعاقب کیا۔ ۱۷۶۶ء میں سکھوں نے امیر آف بھاولپور کے ستلج پار علاقوں پر حملہ کیا۔ جسے پسپا کر دیا گیا۔ پاکپتن سکھوں اور عباسیوں کے درمیان حد مقرر ہوئی۔ ۱۷۷۷ء میں سکھوں کو لاہور سے کمک مل جانے کی وجہ سے امیر آف بھاولپور ملتان کو سکھوں کے تصرف سے نہ بچا سکے۔ ۱۷۸۵ء سے ۱۷۸۸ء تک افغانستان کے درانی حکمران تیمور شاہ سے مقابلہ کرنا پڑا۔ درانیوں نے بھاولپور کو لوٹ کر آگ لگا دی۔ ۱۷۹۷ء میں اوچ کے گیلانی مخدوم گنج بخش بیکانیر کے راجہ سورت سنگھ، ملتان کے نواب مظفر خان اور کابل کے حکمران زمان شاہ سے مل کر بھاولپور کیخلاف سازشیں کرتے رہے۔ ۱۸۰۲ء میں افغانستان سے تعلقات قائم ہو گئے۔ ۱۸۰۸ء میں الفنسٹن کابل جاتے ہوئے بھاولپور سے گزرے تو برطانیہ اور بھاولپور میں پہلا رابطہ قائم ہوا۔ اسی عہد میں دہلی، لاہور، ملتان، ڈیرہ غازی خان اور دریائے سندھ کے کنارے پر رہنے والے ممتاز خاندان آ کر بھاولپور میں آباد ہو گئے۔ ۱۸۱۸ء میں رنجیت سنگھ کے بیٹے کھڑک سنگھ نے قلعہ ملتان فتح کر لیا۔ ۱۸۱۹ء میں رنجیت سنگھ ملتان آیا۔ اس نے زمان خان سے ڈیرہ غازی خان کا علاقہ واپس لے لیا اور یہ علاقہ امیر آف بھاولپور کو اس شرط پر حوالے کیا کہ وہ اس کی مستاجری کی رقم دو لاکھ پچاس ہزار روپے سالانہ رنجیت سنگھ کو ادا کیا کریں گے۔ جب کئی سال تک مستاجری کی رقم ادا نہ کی گئی تو رنجیت سنگھ نے اپنے جرنیل ونٹورہ کو جو نپولین بوناپارٹ کی فوج میں بھی سپہ سالار رہ چکا تھا۔ فوج دے کر روانہ کیا کہ وہ ڈیرہ غازی خان میں امیر آف بھاولپور کے مقرر کردہ حاکم کو بے دخل کر دے۔ اس طرح اس نے ملتان، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خان پر دوبارہ تسلط جمالی۔ اس سے پہلے امیر نے ۱۸۲۰ء میں سانگڑھ (تونسہ) کا قلعہ بھی فتح کر لیا تھا۔ اور ڈیرہ غازی خان سے لغاریوں کے سردار رحیم یار خان، کھوسوں کے سردار غلام حیدر خان نتکانیوں کے سربراہ اسد خان نے بھی اطاعت قبول کر لی تھی۔ لیکن جب جرنیل ونٹورہ لشکر لے کر آیا تو بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے بھاولپور کے محلہ باغ ماہی میں واقع شیش محل کو نیست و نابود کر دیا تھا۔ اور اس کے بعد پرانی کوٹھی تعمیر کی گئی تھی۔ سکھوں سے محفوظ رہنے کے لئے بھاولپور کے حکمرانوں نے ۱۸۳۳ء میں انگریزوں سے ایک معاہدہ کیا تھا۔ عیار اور مکار انگریز نے ایک

طرف تو بھاولپور کو سالمیت تحفظ اور خود مختاری کی یقین دہانی کرائی۔ دوسری طرف پاکپتن کی دریائی پٹی میلسی، کہروڑ پکا لودھراں مظفر آباد ڈیرہ غازی خان کے وسیع علاقہ کو اپنی عمل داری میں شامل کرلیا اور اس معاہدہ کی وجہ سے ریاست بھاولپور کے علاقہ سے گزر کر صوبہ سندھ پر قبضہ کرلیا اور دریائے سندھ کے ذریعے نقل و حمل کی سہولت حاصل کرلی۔ اس معاہدہ کے تحت انگریزوں نے بھاولپور کے کچھ علاقہ جو کہ دریاؤں کے پار واقع تھا۔ قبضہ کرلیا تھا۔ لیکن اس معاہدہ کی وجہ سے سکھ حملہ آور ہونے کی جرأت نہ کرسکے۔ اس معاہدہ سے لے کر ۱۹۵۵ء تک جب کہ ریاست کا ادغام پاکستان میں ہوا۔ کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوئی تھی۔ ۱۸۴۸ء میں برطانوی حکومت نے ملتان کو فتح کرنے کے لئے بھاول خان ثالث سے اپیل کی کہ ان کی مدد کریں۔ امیر نے تیئس سو فوج روانہ کی۔ دونوں فوجوں نے مل کر ملتان فتح کرلیا۔ برطانیہ نے بھاولپوری فوج کے ہر بندوق بردار کو ایک صد روپے انعام دیا اور امیر آف بھاولپور کی تاحیات ایک لاکھ روپے پینشن مقرر کی۔ ۱۸۸۰ء میں ہندوستان کا وائسرائے لارڈ رین نے بھاولپور کا دورہ کر کے امیر آف بھاولپور کا شکریہ ادا کیا۔

ریاست بھاولپور کے آخری تین حکمرانوں کا عہد حکومت بہتر شمار کیا جاتا ہے۔ جن میں نواب صادق محمد خان چہارم ساڑھے چار سال کی عمر کے تھے، کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ ۱۸۷۹ء میں بالغ ہونے پر انہوں نے حکومت سنبھالی اور ۱۸۹۹ء تک حکومت کی۔ ان کے وصال پر ان کے بیٹے نواب بہاول خان ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۷ء تک حکمران رہے۔ ریاست کے آخری حکمران نواب سر صادق محمد خان عباسی تین سال کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ آپ نے ۱۹۲۴ء میں حکومت سنبھالی۔ اس سے پہلے کونسل آف ریجنسی کے ذریعے حکومت کی جاتی تھی۔ نواب صاحب نے تقریباً ۳۱ سال اس ریاست پر حکومت کی۔ ان کے عہد حکومت کو مثالی اور سنہری دور شمار کیا جاتا ہے۔ ۱۹۴۷ء میں دور اندیش والئی ریاست نے ریاست کا الحاق پاکستان سے کیا اور ۱۹۵۵ء میں آپ نے اپنی ریاست کا ادغام وحدت مغربی پاکستان میں کردیا۔ ۱۹۶۶ء میں آپ کا وصال ہوا۔ اس طرح اس خطہ پر عباسیوں نے اڑھائی صد سال تک یعنی ۱۷۰۲ء سے لے کر ۱۹۵۵ء تک حکومت کی۔

اوچ شریف میں علمی چرچے

سومرہ حکومت جس کا عہد اقتدار چوتھی، پانچویں اور چھٹی صدی ہجری تک محیط ہے۔ اس عہد

میں اوچ میں ایک اور مدرسہ کا سراغ ملتا ہے جس کا نام مدرسہ فیروزیہ تھا۔ یہ درس گاہ عہد قباچہ تک موجود تھی۔ اس میں مشہور مؤرخ علامہ منہاج السراج جیسے جلیل القدر عالم صدر نشین مسند تدریس تھے۔ اس کے علاوہ یہاں قطب الدین کاشانی، علی بن ابوبکر کوفی، نور الدین محمد بن عوفی ھی النجاری اور شیخ احمد فاروقی جیسے اصحاب علم وفضل کے نام ملتے ہیں۔ (۲) قباچہ کے عہد کے فوراً بعد یہاں ۲ خانقاہیں یا درس گاہیں زیادہ مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک گازرونیوں کی اور دوسری شیخ جمال خنداں رو کی خانقاہ جمالیہ عرصہ دراز تک اشاعت تعلیم کا فریضہ سرانجام دیتی رہی۔ شیخ جمال خنداں رو کے بعد ان کے جانشین شیخ رضی الدین گنج بخشؒ اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین ثابت ہوئے۔ ان کے تھوڑے عرصہ بعد یہاں ایک مدرسہ بھائیہ قائم ہوا۔ جس کے مہتمم قاضی بہاؤالدین اوچی تھے۔ (۳) حضرت سید جلال الدین سرخ پوش نجاری کی آمد پر اوچ میں خانقاہ جلالیہ کی بنیاد پڑی جس میں خود حضرت مخدوم اور ان کے بعد ان کے فرزند سید احمد کبیر مسند نشین درس ہوئے۔

آٹھویں صدی ہجری میں یہاں ایک اور مشہور علمی اور روحانی شخصیت سید حسین کبیر کا ورود ہوا۔ ان کی درس گاہ بھی مثالی اور امتیازی حیثیت کی حامل تھی۔ نویں صدی ہجری میں ایک اور علمی ادارہ کی بنیاد رکھی گئی۔ اس درس گاہ کے بانی خانوادہ گیلانی کے سید محمد غوث جلی تھے۔ امپریل گزٹ آف انڈیا میں بھی اوچ کے مرکز علم ہونے کا تذکرہ ملتا ہے۔

دیگر مقامات پر علم وعرفان کی بارش:

اوچ کے علاوہ بھاولپور کے ضلع رحیم یار خان میں مئومبارک ایک تاریخی قصبہ ہے یہ صرف قدامت کے اعتبار سے ہی اہمیت کا حامل نہیں بلکہ روحانی عظمتوں کا امانتدار بھی ہے۔ ساتویں صدی ہجری میں سلسلہ سہروردیہ کے جلیل القدر بزرگ حضرت سلطان حمید الدین حاکم نے اسے اپنی رہائش کے لئے منتخب کیا۔ آپ صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ علم وفضل میں بھی یکتا تھے۔ آپ نے تفسیر فقہ اور دیگر علوم میں ۱۰۰ سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ علم صرف میں پنج گنج کے نام سے آپ کی تصنیف درس نظامی کی درس گاہوں میں متداول ہے۔ (۴)

حضرت خواجہ غلام فرید کے پیش رو بزرگوں میں سے ایک برگزیدہ عالم اور باکمال صوفی

خواجہ محمد عاقل نے ریاست کے شہر خان پور کے قریب کوٹ مٹھن میں اعلیٰ پیمانہ کا ایک مدرسہ قائم کیا۔ جہاں وہ خود بھی درس دیا کرتے تھے۔ اور دیگر جلیل القدر علماء بھی اس مدرسہ میں درس وتدریس کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔

بارہویں صدی ہجری میں خواجہ نور محمد مہاروی نے ضلع رحیم یار خان میں ایک اقامتی درس گاہ قائم کی۔ خواجہ سلمان تونسوی اس درس گاہ کے منتظم تھے۔ اسی طرح مہار شریف خیر پور اور خانقاہ شریف میں بھی مدرسے قائم تھے۔ اس کے علاوہ خان بیلہ' گڑھی اختیار خان علم وفضل کے مراکز کی حیثیت رکھتے تھے۔ جن میں خواجہ سلطان محمود کوریجہ خواجہ محمد یار فریدی اور دوسرے حاضرین میں مولانا سراج احمد مکھن بیلوی پیر سید مغفور القادری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

خان پور کے قریب قصبہ دین پور بھی علماء وصلحا کا گہوارہ رہا ہے۔ جہاں بعض مذہبی وسیاسی تحریکات نے جنم لیا۔ خاص طور پر تحریک ریشمی رومال اس کا مرکز رہی۔ مولانا عبیداللہ سندھی کی وجہ سے اسے خاص شہرت حاصل ہوئی۔ ان کی آخری آرامگاہ بھی یہیں ہے۔

اسی طرح احمد پور شرقیہ بھی علم وفضل کی وجہ سے مشہور تھا۔ جہاں خواجہ محمد عاقل کوریجہ کے خلیفہ خواجہ گل محمد کی رہائش تھی۔ آپ کے طفیل بارہویں صدی میں یہاں علمی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ آپ نے احمد پور شرقیہ میں ایک اقامتی دینی درس گاہ قائم کر رکھی تھی۔ تکملہ سیر الاولیا جو مشائخ چشت کے تذکروں کے لئے مخصوص ہے۔ آپ کی ایک نادر وقابل فخر تصنیف ہے۔

علماء بھاولپور

تاریخ بھاولپور کی روشنی میں علمائے بھاولپور کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ۱۱۴۰ھ سے قبل کے علمائے کرام اور ۱۱۴۰ھ کے بعد کے علمائے کرام کیونکہ یہ سرزمین جس کو آج بھاولپور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ۱۱۴۰ھ سے قبل اس کا کچھ حصہ ملتان سے اور تھوڑا سا حصہ سندھ سے ملحق تھا۔ نواب محمد صادق اول عباسی کو ۱۱۴۰ میں سلطنت مغلیہ کی جانب سے علاقہ چودری ملا تھا۔ نواب نے یہاں ۱۱۴۲ھ میں شہر اللہ آباد کی بنیاد رکھی۔ جو آج موجود لیاقت پور سے سات کلومیٹر کے فاصلے پر ہے جس طرح پہلے بتایا گیا ہے کہ بھاولپور شہر کی بنیاد ۱۷۶۸ میں رکھی گئی مگر اس پر مکمل کنٹرول ۱۸۲۳ء تک جا کر مکمل ہوا۔ بھاولپور کے سابق فرماں روا بنو عباس میں سے شمار ہوتے

ہیں۔ اس لئے وہ عباسی خلفاء کی طرح علم پرور اور علماء نواز تھے۔ چنانچہ ریاست تھوڑے عرصہ میں اکابر علماء اور نامور فضلاء کی آمد سے علم کا گہوارہ بنتی چلی گئی۔

اس زمانہ میں پنجاب میں اسلامی حکومت کا خاتمہ ہو رہا تھا۔ سکھوں کے تسلط اور مظالم نے مسلمانوں پر عموماً اور علماء پر خصوصاً عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے بہت سے علماء پنجاب سے نقل مکانی کر کے اس ریاست میں مقیم ہونے لگے۔ مثلاً لاہور سے قاضی حفظ الاسلام، ان کے بھائی مولانا فیض الاسلام اور قاضی عین الاسلام، ملتان سے علامہ محمد کامل ملتانی ولد محمد صالح، آپ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے داماد مولانا عبدالحئ کے شاگرد تھے۔ آپ کا تذکرہ مولانا مہر نے سیرت سید احمد شہید بریلوی میں کیا ہے۔

مولانا محمد کامل ملتان میں یگانہ روزگار علماء میں شمار ہوتے تھے اور قاضی القضاۃ کے منصب جلیلہ پر فائز تھے۔ دو سال تک اس منصب پر فائز رہے مگر معاصرین کے حسد وعناد سے محفوظ نہ رہ سکے۔ حاسدوں نے والی ملتان کو اس قدر برگشتہ کیا کہ وہ مولانا کی جان ومال کا دشمن ہو گیا۔ مولانا کسی تدبیر سے ملتان سے ہجرت کر کے بھاولپور آ گئے۔ فرمانروائے بھاولپور نے آپ کی تشریف آوری کو نعمت سمجھا اور نہایت عزت واحترام کے ساتھ اپنے ہاں ٹھہرانے کا انتظام کیا۔ اور مالی امداد سے مستغنی کر دیا۔

مولانا نے تلخیص الاشباہ کے دیباچہ میں والی ملتان کے مظالم واستبداد کی کہانی نہایت درد ناک الفاظ میں بیان کی ہے اور فرمانروائے بھاولپور کی علم دوستی اور علماء نوازی کو ایسے پرشکوہ الفاظ میں بیان کیا ہے کہ خلفاء بنو عباس کی علم دوستی کی روایات سامنے آ جاتی ہیں۔ مولانا نے قطبی (جو منطق کی مشہور کتاب ہے) کے خطبہ پر ایک بسیط حاشیہ لکھا ہے جو کاملیہ کے نام سے موسوم ہے۔ آپ کا گھرانہ مدتوں علم وفضل اور رشد وہدایت کا مرکز رہا۔ آپ کے فرزند علامہ محمد اکمل بہت بڑے مفسر ومحدث تھے۔ اور صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔

علامہ محمد کامل نے ۱۷ جمادی الاول سن ۱۲۴۹ کو بھاولپور میں وفات پائی اور ملوک شاہ قبرستان میں دفن ہوئے۔ (۵)

اسی طرح ملتان سے دوسرے بزرگ عالم خواجہ خدا بخش ملتانی خیر پوری سن ۱۲۵۱ھ قابل ذکر ہیں۔ آپ کا اصل وطن تلنبہ جو ضلع ملتان میں ایک مردم خیز خطہ ہے۔ جس سے مولانا عزیز اللہ

اور مولانا عبداللہ جیسے فاضل اجل پیدا ہوئے۔ خواجہ خدا بخش شیخ جمال اللہ ملتانی کے شاگرد اور خلیفہ تھے۔ آپ نے علم سے فراغت کے بعد تلنبہ کی سکونت ترک کر کے ملتان کے محلہ کلالاں میں رہائش اختیار کی۔ مولانا عبدالعزیز ہاروی صاحب بزاس اور مولانا عبیداللہ ملتانی آپ کے اس دور کے شاگرد ہیں۔ جب سکھوں کا ملتان پر تسلط ہوا اور ان کے مظالم سے دینی کاموں میں رکاوٹیں پیدا ہوئیں تو آپ نے بارہویں صدی ہجری میں ملتان سے ہجرت فرمائی۔ مولانا غلام مرتضیٰ چیلاواہن کی استدعا پر پہلے چیلاواہن میں مقیم ہوئے' جہاں آپ کے ساتھ طلباء کا جم غفیر ساتھ رہا اور وعظ وتلقین کا سلسلہ جاری رہا۔ کچھ عرصہ بعد خیر پور ٹامے والی کی درخواست پر خیر پور میں مستقل سکونت اختیار کی اور بقیہ عمر وہیں بسر کر دی۔ علم توحید پر آپ کی تصنیف توفیقیہ آپ کی علمی یادگار ہے۔ فرمانروا بھاولپور کی آپ سے عقیدت تھی اور خود حاضر ہو کر اظہار عقیدت اور دعا کی درخواست کرتے تھے۔ اور نقد وخلعت پیش کرتے آپ یکم صفر سن ۱۳۵۱ھ کو فوت ہوئے۔ (۶)

بھاولپور میں باہر سے آنے والے علماء میں سید ہاشم شاہ ہمدانی بھی قابل ذکر ہیں۔ سادات ہمدانی کے پہلے بزرگ ہیں۔ جنہوں نے خیر پور (بھاولپور) میں امامت اختیار کی آپ کا سلسلہ نسب مشہور روحانی پیشوا امیر کبیر علی ہمدانی سے جا ملتا ہے۔ آپ نواب بھاول خان عباسی ثانی کے عہد میں ۱۷۸۱ء میں قصور سے بھاولپور آئے۔ پنجاب جب سکھا شاہی کی زد میں آیا اور وہاں اسلامی احکام کی بجا آوری میں رکاوٹیں پیش آئیں تو سید ہاشم شاہ قصور سے ہجرت کر کے بھاولپور کی حدود میں آ گئے۔ خیر پور میں مستقل سکونت اختیار کی سن ۱۸۲۲ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ خواجہ خدا بخش خیر پوری نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کو علوم متداولہ پر عبور تھا۔ نہایت خوش خط تھے۔ (۷)

حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے جدِّ امجد

اس حوالہ سے قاضی عاقل محمد صاحب کوریجہ جن کا مختصر تذکرہ ابھی کیا جا چکا ہے۔ آپ کا وجود مسعود کوٹ مٹھن میں تشنگان علم کے لئے چشمہ آبِ حیات تھا۔ علوم عقلیہ ونقلیہ کے طلباء کا جم غفیر آپ سے مستفید ہوتا رہتا تھا۔ آپ کے تمام اوقات درس وتدریس میں صرف ہوتے تھے۔ شیخ گل محمد احمد پوری نے تکملہ سیر الاولیا میں آپ کا طویل تذکرہ لکھا ہے۔ آخری عمر مین علم روحانی

کا غلبہ علم ظاہری پر ہوتا گیا۔ چنانچہ عمومی اسباق کے لئے مدرس مقرر کیے تاہم ایک دو سبق خود بھی پڑھاتے رہے۔ آپ نے ۸ رجب ۱۲۲۹ھ میں انتقال فرمایا۔

چیلاواہن کا تذکرہ

قصبہ چیلاواہن تحصیل حاصل پور کا علاقہ گزشتہ کئی صدیوں سے علماء حفاظ قرآن کا مرکز رہا ہے۔ چنانچہ آج بھی وہاں حفاظ قرآن وعلمائے دین کی کثرت نظر آتی ہے۔ اس علاقہ کے چند مشہور علماء کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔

مولانا حسام الدین جن کی ولادت بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں ہوئی۔ اس علاقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے آٹھ یا نو فرزند تھے۔ جو سب کے سب قاری تھے۔ عالم اور متقی تھے۔ آپ خود حافظ قرآن اور یکتائے زمانہ تھے۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے حافظ حماد حافظ قرآن اور فاضل اجل تھے۔ آپ نے درسیات فارسی، کریما سے لے کر سکندر نامے تک کی فارسی شروح لکھیں۔ علمائے عصر نے ان شروح کو دیکھ کر مولانا کے تبحر علم کا اعتراف کیا۔ آپ کا انتقال ۹ ذی العقدہ ۱۲۴۰ کو ہوا۔ مولانا حسام الدین کے دوسرے فرزند مولانا محمد حامد کے بیٹے حافظ غلام حسین بھی قابل ذکر تھے۔ آپ نے خواجہ نور محمد مہاوری سے بیعت کی مقامات سلوک طے کرنے کے بعد خلافت حاصل کی۔

علماء چیلاواہن میں حافظ غلام مرتضٰی بن مولانا محمد حامد قابل ذکر ہیں۔ ابتدائی تعلیم کے بعد بڑے بھائی کے کہنے پر ملتان تشریف لے گئے۔ اس وقت ملتان میں خواجہ خدابخش ملتانی ثم خیر پوری کا درس انتہائی شہرت کا حامل تھا۔ آپ حافظ محمد جمال ملتانی کی وساطت سے خواجہ خدابخشؒ کی خدمت میں پیش ہوئے۔ جس کی وجہ سے خواجہ صاحب آپ کی تعلیم میں کمال توجہ فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے برسوں کی تعلیم ایک سال میں مکمل کرادی۔ اس طرح اس وقت کے دوسرے عالم مولانا محمد موسیٰ کے ہاں بھی حاضر ہوئے اور علم دین کی خصوصی تعلیم حاصل کر کے سب سے پہلے آپ نے بستی چیلاواہن جو ضلع لودھراں میں تھی، میں آ کر سلسلہ تدریس شروع کیا۔ جس سے سیکڑوں طلبہ نے استفادہ کیا۔ جب خواجہ خدابخش خیر پوری سکھوں کے مظالم کی وجہ سے ملتان سے ہجرت کر کے دنیا پور میں مقیم ہوئے تو آپ خواجہ صاحب کو دنیا پور سے چیلاواہن لے آئے۔

جب علاقہ میلسی حدود ریاست سے نکل کر ضلع ملتان میں شامل ہوا تو آپ نے بستی چیلاواہن سے رحلت کر کے ریاست بھاولپور میں سکونت اختیار کی اور ایک نئی بستی کی بنیاد رکھی۔ اس کا نام بھی چیلاواہن رکھا۔ اس بستی میں بھی آپ کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ جس سے یہ بستی تعلیم کا مرکز بن گئی۔ آپ نے ۳۰ ذی الحجہ ۱۲۵۴ھ کو دارفانی سے رحلت فرمائی۔ (۸) آپ کے دونوں فرزند حافظ محمد افضلؒ اور حافظ محمد اکملؒ بھی اپنے وقت کے مشہور علماء میں شمار ہوتے تھے۔ حافظ محمد افضل ۱۵ شعبان ۱۲۲۶ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کو والد صاحب کے ساتھ ساتھ خواجہ خدا بخش سے بھی شرف تلمذ حاصل تھا۔ آپ کی خدمت میں دو قسم کے لوگ رہتے تھے' ایک علوم ظاہری متداولہ کے طالب اور دوسرے سلوک طریقت کے طلب گار۔ علاوہ ازیں افتاء اور فصیلہ جات کی خدمت بھی سرانجام دیتے تھے۔

حافظ غلام مرتضٰی کے دوسرے فرزند قابلِ ذکر محمد اکملؒ ۱۲۳۰ میں پیدا ہوئے۔ آپ قرآن اور علوم متداولہ میں فاضل اجل تھے۔ درس و تدریس و رشد و ہدایت میں پوری زندگی بسر کر دی۔ آپ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ ایک ہی مدرسہ میں درس دیتے تھے۔ آپ کی ذہانت اور حافظہ کمال درجہ کا تھا جو کچھ پڑھا سب یاد تھا۔ علم میراث کی مشکل سے مشکل صورتیں انگلیوں پر حل فرما دیتے تھے۔ چیلاواہن کے دور حاضر میں جو علماء قابل گزرے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ مولانا مفتی محمد امین' آپ جامعہ عباسیہ بھاولپور میں مدرس کے ساتھ ساتھ مفتی جامعہ بھی تھے۔ فتویٰ دینے میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ مولانا حافظ نصیر الدین بھی جامعہ عباسیہ کے اساتذہ میں سے تھے۔ حافظ محمد امیر صاحب قدیم اساتذہ کی یادگار ہیں۔ تاحال ان کا رشد و ہدایت جاری و ساری ہے۔

شہر بھاولپور کے نامور علماء:

بھاولپور شہر کے حوالہ سے قابل ذکر قدیم عالم مولانا محمد اسد اللہ مہاروی ہیں۔ آپ بارہویں صدی ہجری میں پیدا ہوئے۔ حضرت قبلہ عالم نور محمد مہاروی کے معاصر تھے۔ تکمیلِ علوم کے سلسلہ میں ان کے ہمراہ عازم دہلی ہوئے۔ واپسی پر علوم عقلیہ و نقلیہ سے ایک زمانہ کو روشن کیا۔ کچھ عرصہ بعد مہار شریف سے دارالحکومت بھاولپور میں مستقل رہائش پذیر ہوئے۔ فرماں روائے ریاست بھاولپور نواب محمد بھاول خان عباسی ثالث نے آپ کے وجود مسعود کو غنیمت جانا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر نعم الامیر علی باب الفقیر کا مصداق بنا۔

آپ کے علمی تبحر اور متقیانہ زندگی کی وجہ سے بھاولپور کی جامع مسجد کی امامت آپ کے سپرد ہوئی۔ اور سلسلہ درس و تدریس بھاولپور میں جاری کیا۔ مولانا مہارویؒ نے اسدیہ حاشیہ محمد اللہ، اسدیہ حاشیہ اور اسدیہ حاشیہ صدرا تصنیف فرمائے۔ یہ تینوں حواشی ان کی جلالت علمی اور دقیق تحقیقات کی دلیل ہیں۔ (۹) آپ کی باقیات الصالحات میں قابل ذکر فرزند مولانا نور جہانیاںؒ تھے۔ جن کے نام پر شہر میں ایک محلّہ آج بھی موجود ہے۔ آپ کے گھر کے قریب دینیات کا ایک شاندار مدرسہ تھا۔ آپ نے والد کی وفات کے بعد جامع مسجد کے امام ہونے کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ مولانا نور جہانیاں کے قابل فخر شاگرد جن کا ذکر کئے بغیر علمائے بھاولپور کا تذکرہ نامکمل رہے گا۔ آپ مولانا غلام رسول چنڑ ہیں۔ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء علوم ظاہری و باطنی کے بحر زخار تھے۔ آپ کی ذات سے خلق کثیر نے استفادہ کیا۔ آپ کے شاگردوں کی وجہ سے سابق ریاست بھاولپور، ڈیرہ غازی خان، مظفر گڑھ اور ملتان میں اشاعت علم ہوئی۔ عرصہ تک مولوی شمس الدین علوی چیف جج بھاولپور کے استاد رہے۔ جج صاحب موصوف بذات خود عالم دین تھے۔ تصنیف و تالیف سے بھی آپ کو شغف تھا۔ علامہ عبدالعزیز مہاروی کی عربی کتاب ''الاکسیر'' کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ خطہ بھاولپور میں دینیات کی تعلیم کا فروغ مولانا غلام رسول اور ان کے شاگردوں کا مرہون منت ہے۔ (۱۰)

سابق ریاست بھاولپور کے گمنام عالم کلیم اللہ بن حاجی علی محمد ہیں۔ آپ نے سابق ریاست کے نواب بھاول کی خوشنودی کے لئے درس نظامی کی مشہور کتاب ہدایت النحو کی عربی زبان میں شرح لکھی۔ جس کا نام سراج النحو فی شرح ہدایت النحو ہے۔ آپ نے اپنے بیٹے کا نام حاجی عبداللہ لکھا ہے۔ یہ کتاب ۱۲۱۰ھ میں اختتام پذیر ہوئی۔ عربی زبان میں یہ ضخیم شرح جامع عباسیہ کے قلمی مخطوطات میں موجود تھی۔

مدرسہ صدر دینیات

(سرکاری تحویل میں ایک عظیم دینی درس گاہ کا قیام)

۱۸۷۹ کا سال بھاولپور کا تاریخ میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ اس سال بھاولپور میں ایک دینی درس گاہ سرکار کی زیر سرپرستی مدرسہ صدر دینیات کے نام سے وجود میں آئی۔ ہوا یوں کہ

مولوی شمس الدین علوی چیف جج بھاولپور کی طلب پر ان کے بچوں کے معلم و اتالیق کی حیثیت سے مولانا خلیل احمد سہارنپوری کو یو پی سے بلوایا گیا۔ بچوں کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد جج صاحب نے حضرت کو بھاولپور ٹھہرانے کا منصوبہ بنایا۔ یوں عربی زبان و علوم اسلامیہ کے حوالہ سے ایک دینی درس گاہ بنانے کا خاکہ تیار کیا گیا۔ اور مولانا محترم کو اس کا سربراہ تجویز کیا۔ (۱۱) مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے نام سے اصحاب علم و فضل ناواقف نہ ہوں گے۔ آپ مولانا یعقوب اول صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کے بھانجے تھے۔ آپ نے اپنی تعلیم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مکمل کی۔ آپ نے سات مرتبہ حج بیت اللہ کیا۔ آخر عمر میں مدینہ طیبہ میں مستقل سکونت اختیار کی۔ وہیں فوت ہو کر جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ آپ کی تصانیف میں بذل المجھود شرح ابوداؤد پانچ ضخیم جلدوں میں متداول ہے۔ (۱۲)

مولانا خلیل احمد سہارنپوری مدرسہ صدر دینیات میں تیس سال تک علوم و فنون کی خدمت سرانجام دیتے رہے۔ ۱۹۱۴ء میں مادر علمی کے بلاوے پر واپس ناظم مدرسہ سہانپور ہو کر روانہ ہوئے۔ ۱۹۱۵ء میں جب کہ مولوی رحیم بخش ریاست بھاولپور کے اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔ مولوی فاروق احمد صاحب اس ادارہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ یوں یہ سلسلہ ۱۹۲۵ء تک جاری رہا۔

جامعہ عباسیہ بھاولپور (جامعہ عباسیہ کا قیام)

ریاست بھاولپور کے آخری تاجدار نواب سر صادق محمد عباسی کے اتالیق مولوی غلام حسین جو بعد میں ریاست کے وزیر تعلیم بھی بنے۔ آپ نے مولانا محمد صادق (جو خود صدر دینیات کے فارغ التحصیل تھے) کو جامعہ ازہر کی طرز پر ایک علمی ادارہ کے قیام کے لئے خاکہ مرتب کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں اسے مرتب کیا۔ اور اسی کی روشنی میں ایک نیا ادارہ وجود میں آیا جس کا نام جامعہ عباسیہ بھاولپور رکھا گیا۔ یہاں ۱۵ اگست ۱۹۲۵ء کو باقاعدہ تعلیم شروع ہوئی۔

جامعہ عباسیہ کے مشہور اساتذہ

جامعہ کے پہلے پراسپکٹس میں اسٹاف میں قابل ذکر علماء آٹھ درج ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔ ان کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ یہ اساتذہ اپنے دور کے اساطین علم میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی تدریسی خدمات کو کوئی مؤرخ فراموش نہیں کر سکتا۔ ان

حضرات نے علم کی ایسی قندیلیں روشن کی جس کی روشنی صدیوں تک رہے گی۔

۱۔ مولانا غلام محمد گھوٹوی	شیخ الجامعہ	سند یافتہ مدرسہ عالیہ رام پور
۲۔ مولانا فاروق احمد	شیخ الحدیث	دار العلوم دیوبند
۳۔ مولانا احمد علیؒ	نائب الشیخ	دار العلوم دیوبند
۴۔ مولانا عبداللہ	معلم اعلیٰ	مدرسہ معینیہ اجمیر شریف
۵۔ مولوی احمد دین	معلم ثانی	مدرسہ صدر دینیات ریاست ہذا
۶۔ مولوی محمد صادق	معلم ثالث	مدرسہ صدر دینیات
۷۔ مولوی محمد امیر	مدرس اول	مدرسہ صدر دینیات
۸۔ مولوی عبدالمالک	مدرس ثانی	سند یافتہ مدرسہ صاحب السیر (۱۳)

مولانا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ 1886ء میں بستی گمرانی تحصیل گجرات میں پیدا ہوئے۔ چونکہ کافی عرصہ تک گھوٹہ ضلع ملتان میں پڑھاتے رہے اس لئے گھوٹوی مشہور ہوئے۔ آپ کے اساتذہ میں حافظ محمد جمال گھوٹوی سید غلام حسینؒ اور مولانا محمد زمان اٹک قابل ذکر ہیں۔ کچھ عرصہ کے لئے مدرسہ نعمانیہ لاہور میں بھی داخلہ لیا۔ بعد میں کانپور میں مولانا احمد حسن کانپوری سے بھی استفادہ کیا۔

آخر میں مولانا فضل حق رامپوری سے اصول فقہ اور الہٰیات کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد مدرسہ رام پور میں تدریس کا آغاز کیا۔ اپنے استاد مولانا محمد جمال گھوٹوی کے اصرار پر گھوٹہ میں مسند استاد سنبھالی۔

آخر میں جامعہ عباسیہ بھاولپور کے منصب شیخ الجامعہ پر فائز ہوئے۔ 9 مارچ 1948ء کو انتقال فرمایا۔ (۱۴)

مولانا گھوٹوی معقولات کی تدریس میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ معقولات اس خوبی سے پڑھاتے تھے کہ مہینوں کی استعداد ہفتوں میں پیدا کردیتے۔ آپ کا یہ مقولہ آپ کی علمی استعداد کی ترجمانی کرتا ہے کہ اگر درس نظامی کی موجودہ کتابیں جلادی جائیں تو غلام محمد انہیں دوبارہ لکھوا سکتا ہے۔

جامعہ عباسیہ کے قابل ذکر اساتذہ میں مولانا فاروق احمد انصاری ہیں۔ آپ 1301 میں ضلع سہارنپور کے قصبہ انبیٹھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا محمد صدیق چوٹی کے علماء میں سے تھے۔ ابتدائی تعلیم والد گرامی سے حاصل کی۔ بعد میں دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی۔ آپ نے تدریس کا آغاز دارالعلوم میرٹھ میں بطور صدر مدرس کیا اور 15 فروری 1915ء کو مدرسہ صدر دینیات کے منصب پر فائز ہوئے۔ 1943ء تک جامعہ عباسیہ میں فرائض سرانجام دیتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد مستقل طور پر بھاولپور تشریف لائے اور مختلف دینی مدارس میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ 14 اکتوبر 1978ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ (۱۵) مولانا محمد احمد صاحب' جو رائے ونڈ کی تبلیغی جماعت میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں' آپ کے فرزند جلیل ہیں۔ مولانا احمد علیؒ 1301 میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی۔ مدرسہ نعمانیہ لاہور میں مولانا غلام محمد سے شرف تلمذ تھا۔ غالباً یہاں دو سال قیام کیا پھر دورہ حدیث کی تکمیل کے لئے دیوبند تشریف لے گئے۔ یہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا دور تھا۔ فراغت علم کے بعد بندیال گئے۔ بعد میں مدرسہ خانقاہ صاحب السیر میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ جامعہ عباسیہ کے قیام کے بعد آپ کو بطور نائب الشیخ لیا گیا۔ آپ منقولات و معقولات میں یگانہ روزگار تھے۔

تین سال تک جامعہ عباسیہ بھاولپور میں بطور نائب الشیخ کام کرتے رہے۔ 2 جنوری 1959ء کو فوت ہوئے۔ علامہ ارشد مرحوم اور جناب ولی اللہ اوحد مدیر کائنات آپ کے نامور صاحبزادگان ہیں۔ الفتوحات المکیہ آپ کی تصنیف ہے۔ جو ایک سو تیس صفحات پر مشتمل ہے۔ (۱۶)

مولانا عبید اللہ کا تعلق ایک علمی خانوادہ سے تھا۔ بقول علامہ رحمت اللہ ارشد زمانہ میں بہت کم ایسا اتفاق ہوا کہ کسی خاندان کی کئی پشتیں علم دین کی دولت سے مالا مال رہیں۔ آپ کے والد اور پردادا اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے۔ (۱۷) آپ 1907 میں بمقام خانقاہ صاحب السیر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم مولانا عبدالرحیم سے حاصل کی۔ آخری کتابیں مولانا احمد علی کی خدمت میں پڑھیں۔ بعد میں علمی تشنگی بجھانے کے لئے دہلی میں مدرسہ امینیہ کے صدر مدرس مفتی کفایت اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آخر میں مولانا معین الدین اجمیری کی

خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور یہاں سے بھرپور علمی استفادہ کیا۔

تدریس کا باقاعدہ آغاز جامع مسجد الصادق بھاولپور سے کیا۔ جامعہ عباسیہ میں معلم اعلیٰ تعینات ہوئے۔ 1946 میں جب مولانا گھوٹوی ریٹائر ہوئے تو کئی سال تک شیخ الجامعہ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ جامعہ عباسیہ کے اختتام پر جب جامعہ اسلامیہ وجود میں آیا تو آپ کو اعزازی پروفیسر (شیخ الفقہ) تعینات کیا گیا۔ 25 جنوری 1967ء کو فوت ہوئے۔ بھاولپور کی سرزمین میں آپ کا جنازہ مثالی انداز سے اٹھا۔

آپ علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر تھے۔ درسیات زبانی یاد تھیں۔ مولانا گھوٹوی کے عہد صدارت میں علامہ سید سلمان ندوی یہاں معائنہ کے لئے تشریف لائے۔ مولانا عبیداللہ اس وقت بوعلی سینا کی اشارات پڑھا رہے تھے۔ معائنے کے بعد سید سلمان ندوی نے اپنے تاثرات میں لکھا۔

”میں نے ایک عالم کو اشارات پڑھاتے سنا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ خود مصنف کتاب پڑھا رہے ہیں۔“

مولانا محمد صادق کا شمار بھاولپور کے ان علماء میں ہوتا ہے جو یہاں کی تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ کئی تحریکوں کے روح رواں بھی رہے۔ آپ نے جامعہ عباسیہ کے قیام سے پہلے اس کی ابتدائی رپورٹ لکھی۔ جامعہ بھاولپور کی نصاب کمیٹی کے رکن بھی رہے۔ مقدمہ مرزائیہ بھاولپور میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آپ ایک علمی خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد مولانا عبداللہ جامی صاحبِ تصانیف بزرگ تھے۔

مولانا محمد صادق نے پچیس برس تک تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ یہاں سے فراغت کے بعد مفتی امور...... بھاولپور مقرر ہوئے۔ مرزائیت کے دور میں دو رسائل لکھے جو چھپ چکے ہیں۔ (۱) مرزا اور یسوع (۲) مرزا اور محمدی بیگم۔ (۱۸)

اسی طرح مقدمہ مرزائیہ کے فیصلہ کے بعد فیصلہ کی دو جلدیں مع تعارف شائع کرائیں۔ یکم اکتوبر 1964ء کو فوت ہوئے۔

جامعہ کے اولین اساتذہ میں مولانا برکت علی کا نام بھی ملتا ہے۔ ایک خاموش طبع استاد

تھے۔ پوری زندگی جامعہ میں بطور مدرس گزاری۔

بھاولپور کا تاریخی مقدمہ مرزائیت:

1931-35 کا عرصہ تاریخ بھاولپور میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ہوا یوں کہ بھاولپور کی عدالت میں تنسیخ نکاح کا ایک مقدمہ پیش ہوا۔ جس میں ایک مدعیہ نے دعویٰ کیا کہ اس کا نکاح حالت نابالغی میں ہوا۔ بالغ ہونے کے بعد اسے پتا چلا کہ جس شخص کے ساتھ اس کا نکاح کیا گیا تھا وہ مذہب اسلام چھوڑ کر قادیانی بن چکا ہے۔ اور علمائے امت کے فیصلہ کے مطابق مرزائی خارج از اسلام ہیں۔ چنانچہ اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر پورے ہندوستان سے مشاہیر علماء بھاولپور میں جمع ہوئے۔ جن میں سب سے زیادہ قابل ذکر دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس سید محمد انور شاہ کشمیریؒ ہیں۔ آپ تعطیلات موسم گرما کے سلسلہ میں کشمیر جا رہے تھے۔ اس پروگرام کو منسوخ کر کے مقدمہ کی پیروی کے لئے بہ نفسِ نفیس بھاولپور تشریف لائے۔ مقدمہ کی رُوداد سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے علاوہ قابل ذکر علماء کی تعداد چھ تھی۔ جنہوں نے اپنے بیانات وشہادت عدالت عالیہ میں پیش کیں۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

مولانا مفتی محمد شفیع جو اس وقت دارالعلوم دیوبند میں مفتی کے عہدے پر فائز تھے۔ تقسیم ہند کے بعد کراچی میں ایک دارالعلوم قائم کیا بعد میں مفتی اعظم پاکستان کہلائے۔ مفسر قرآن اور صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ تفسیر معارف القرآن ان کی بہترین یادگار ہے۔ سید مرتضیٰ حسن چاند پوری سابق صدر المدرسین، مدرسہ امدادیہ مراد آباد، آپ ایک عرصے تک دیوبند میں ناظم رہے۔ فن مناظرہ میں خاص مہارت تھی۔

مولانا نجم الدین پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور میں عربی کے استاد تھے۔ علوم نقلیہ وعقلیہ کے بڑے فاضل تھے۔ مدتوں بلاد اسلامیہ میں درس دیتے رہے۔ مناظر اسلام مولانا محمد حسین کولوتارڑوی داماد حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی، آپ نے اپنی پوری زندگی تبلیغ اسلام کے لئے وقف کر دی۔ مرزائی لٹریچر کے حافظ تھے۔

اس دور میں شہرہ آفاق مولانا ابوالوفا نعمانی شاہ جہاں پوری کا کردار سب سے نمایاں ہے۔ آپ سید محمد انور شاہ کشمیری کے شاگرد تھے۔ سر چھوٹا ہونے کے باوجود تمام کتب متداولہ کے حافظ

تھے۔ اپنے بے نظیر حافظہ کی بناء پر مد مقابل کی غلط بیانی فوراً ظاہر کر دیتے تھے۔ آپ نے بحیثیت مختار مدعیہ تین برس عدالت میں مقدمہ کی پیروی کی۔ جلال الدین شمس قادیانی کی تحریر پر بحث کا نہایت جامع اور مدلل جواب الجواب تقریباً چھ سو صفحات میں اس انداز میں لکھا کہ علماء امت کو یہ کہنا پڑا۔

> ''تردید مرزائیت کے موضوع پر لکھی گئی' علم وعرفان کی یہ عظیم دستاویز اسلامی تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔''

بھاولپور کے دیگر علماء:

جامعہ عباسیہ کے مذکورہ اساتذہ وعلماء کے علاوہ بھاولپور اور اس کے گردونواح میں کئی اور قابل ذکر علماء کے نام بھی ملتے ہیں۔ مولانا عبدالمالک صادقی' جن کا آبائی وطن کھوڑی (گجرات) تھا۔ 1882ء میں بھاولپور آئے پہلے مدرس کے طور پر خدمت انجام دیں۔ اور بعد میں ریاست کے مشیر مال کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اعلیٰ علمی ذوق رکھتے تھے۔ شعروادب سے بڑا شغف تھا۔ آپ نے سرائیکی زبان میں بھی طبع آزمائی کی۔ مختلف کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ آپ کا ایک مختصر رسالہ ''النکاح'' 34 صفحات پر مشتمل ہے جو سادہ اردو زبان میں نکاح وطلاق کے مسائل پیش کرتا ہے۔ مولوی اختر علی مرحوم آپ ہی کے فرزند تھے۔ اسی طرح احمد پور شرقیہ کے مفتی واحد بخش دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور حضرت تھانوی کے خلفاء میں شمار ہوتے تھے۔ علم وعمل کا مجسم نمونہ تھے۔ رشد وہدایت آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ جامع مسجد الصادق کے مترجم مولانا محمد علی جنہوں نے پینتیس سال تک جامع مسجد میں قرآن وحدیث کا باقاعدہ درس دیا۔ آپ کسی دنیاوی منصب کے طالب نہ ہوئے۔

مولانا حبیب اللہ گمانوی اپنے وقت کے جید علماء میں شمار ہوتے تھے۔ علوم نقلیہ میں خصوصی استعداد رکھتے تھے۔ مولانا فاروق احمد انصاری کے بھائی مفتی شفیق احمد ریاست مالیر کوٹلہ کے مفتی تھے۔ آپ نے زندگی کے آخری ایام بھاولپور میں گزارے۔

مولانا خیر محمد ٹھل حمزوی اس خطہ کے ایک نامور عالم گزرے ہیں۔ آپ بلند پایہ محدث تھے۔ ان کے صاحبزادہ مولانا محمد مکی اس وقت حرم مکہ میں درس دیا کرتے ہیں۔

مولانا محمد عبداللہ درخواستی کی تدریسی، تربیتی اور سیاسی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ مدرسہ مخزن العلوم خان پوران کی یادگار ہے۔

افسر الاطباء حکیم عبدالرشید مشہور طبیب حکیم اجمل خان کے شاگرد تھے لیکن علمی وادبی ذوق بھی رکھتے تھے۔ آپ نے مشہور عربی کتاب اقضیتہ الرسول کا اردو میں ترجمہ کیا جو دربار رسول کے فیصلے کے نام سے دستیاب ہے۔

مولانا عزیز الرحمان اوران کے فرزند حفیظ الرحمان سرزمین بھاولپور کے ادباء شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے زمانہ کے مطابق عربی وفارسی میں استعداد حاصل کرنے کے بعد اپنی علمی وادبی زندگی کا آغاز کیا۔ ان حضرات کو باقاعدہ علماء میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ مولانا حفیظ الرحمان نے سرائیکی زبان میں قرآن مجید کی جو خدمت کی وہ لائق صد تحسین ہے۔ اگرچہ ان کے ترجمہ سرائیکی میں کئی کمزوریاں ہیں اوراس کی زبان غیر مانوس ہے اور عام فہم نہیں اس کے علاوہ باپ بیٹے نے اس دور کی کئی ایک سوانح عمریاں بھی لکھیں۔ جامعہ عباسیہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اس میں اس ملک کے مشہور مفسر ومحدث مولانا محمد ادریس کاندھلوی شیخ الجامعہ رہے۔ آپ کثرت مطالعہ وتصانیف کثیرہ کی وجہ سے پاک وہند میں بہت معروف ہیں۔ اپنی طبعی سادگی کی بنا پر یہاں زیادہ عرصہ نہ ٹھہر سکے۔ بقیہ تمام عمر جامعہ اشرفیہ لاہور میں گزاری۔ اس طرح مولانا عبدالخالق جو بعد میں دارالعلوم کبیر والا میں فرائض منصبی سرانجام دیتے رہے۔ جامعہ عباسیہ میں مختصر عرصہ کے لئے بحیثیت شیخ الحدیث تدریسی فرائض انجام دیئے۔

جامعہ عباسیہ کے آخری دور (1960-63) میں یہاں کے شیخ الجامعہ مولانا محمد ناظم ندوی تھے۔ آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فارغ التحصیل اور عربی زبان کے مشہور ادیب ہیں۔ آپ کا انتخاب بطور شیخ الجامعہ سید سلیمان ندوی کے ایما پر ہوا۔ آپ کے بقول قضاء قدر نے میرے حق میں اس خطہ زمین پر زندگی کی اٹھارہ بہاریں دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ (۲۰) کچھ عرصہ مدنیہ یونیورسٹی میں بطور وزیٹنگ پروفیسر بھی کام کیا۔ جامعہ عباسیہ میں آپ کشاف کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ نے سید سلمان ندوی کے مشہور خطبات مدراس کا فصیح عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ آج کل مستقل طور پر کراچی میں مقیم ہیں۔ جامعہ کے اس دور میں نائب الشیخ کے عہدہ پر مولانا عبدالحمید رضوانی متعین تھے۔ آپ اپنے دور کے عبقری تھے۔ تمام متداول کتابیں از بر تھیں۔ مولانا محمد

صادق کی زیر تربیت پرورش پائی۔ فراغت کے بعد جامعہ عباسیہ میں ملازمت اختیار کی۔ سید سلمان ندوی نے آپ کا لیکچر سننے کے بعد اپنی رپورٹ میں لکھا کہ ایک نوجوان کو مسلم العلوم پڑھاتے دیکھا، وہ کتاب سمجھانے کا حق ادا کر رہا تھا۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد اسلامیہ یونیورسٹی بھاولپور میں اعزازی طور پر پڑھاتے رہے۔ ۱۸ جولائی ۱۹۷۹ء کو وفات ہوئی۔ حدیث کی تدریس کے لئے قابل ذکر استاد مولانا اسرار الحق گنگوہی تھے۔ ابتدائی تعلیم مالیر کوٹلہ میں حاصل کی۔ تکمیل علم کے لئے دیوبند تشریف لے گئے۔ آپ سید محمد انور شاہ کشمیری کے آخری شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔ مختلف مدارس میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بعد میں جامعہ عباسیہ میں ملازمت کا آغاز کیا۔ حدیث وفقہ خصوصی دلچسپی کا موضوع تھا۔ بہت دھیمے انداز میں پڑھانے کے بعد لائبریری میں مصروف مطالعہ نظر آتے تھے۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۷۷ء کو فوت ہوئے۔

ان کے علاوہ مولانا گھوٹوی کے فرزند اکبر حافظ محمد عبدالحیٔ چشتی بھی سینئر اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ جامعہ کے علامہ اور مولوی فاضل تھے۔ علم میراث وفتویٰ کے حوالہ سے حافظ غلام فرید اور علم نحو کے حوالے سے حافظ محمد احسن نحوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح صوبہ سرحد کے استاد سید حبیب اللہ شاہ بنوری اپنی خاص وضع کے استاد تھے۔ مولانا محمد احمد انصاری جو علمی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس وقت نوجوان اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ آج کل تبلیغی جماعت میں مصروف عمل ہیں۔ آخر میں ایک نومسلم استاد کا تذکرہ از حد ضروری ہے۔ آپ نے آغاز شباب میں اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اور اپنے پورے گھرانہ کو خیر باد کہا۔ ذہین اتنے تھے کہ علامہ کی آخری کلاس میں اول آئے۔ یہ نومسلم شیخ کلیم اللہ تھے۔ سادہ انداز میں پڑھاتے تھے۔ مولانا عبیداللہ کے داماد تھے۔ جامعہ مسجد الصادق کے خطیب، قاضی عظیم الدین اور پپلی راجن کے محمد علی شاہ صاحب فضلاء جامعہ عباسیہ میں سے تھے۔ علم وتقویٰ میں مسلمہ حیثیت کے مالک تھے۔

اسلامیہ یونیورسٹی بھاولپور

اسلامیہ یونیورسٹی، بھاولپور کی ایک قدیم درسگاہ ہے۔ جو بیسویں صدی کے ربع اول میں معرض وجود میں آئی۔ اس وقت اس کا نام "جامعہ عباسیہ" رکھا گیا۔ گورنمنٹ گزٹ حکومت ریاست بھاولپور میں اس کے بارے میں لکھا ہے۔

’’جامعہ عباسیہ کا قیام بحکم بندگان حضور پُر نور سرکار عالی دام اقبالہ و ملکہ سر صادق محمد خان عباسی پنجم ۲۲ جون ۱۹۲۵ء کو عمل میں آیا اور نصاب تعلیم حسب تجویز عالی جناب مولانا مولوی غلام حسین صاحب (وزیر المعارف، ہوم منسٹر) ۱۴ اگست ۱۹۲۵ء کو منظور ہوا۔ اور ۱۵ اگست ۱۹۶۵ء سے باقاعدہ تعلیم شروع ہوئی۔‘‘

جامعہ عباسیہ میں اساتذہ کے چناؤ کے لئے جو کمیٹی تشکیل دی گئی وہ برصغیر کے جید علماء پر مشتمل تھی۔ یہ علماء مدرسہ عالیہ رامپور، مدرسہ عالیہ دیوبند، مدرسہ عالیہ عثمانیہ اجمیر شریف، مدرسہ دینیات بھاولپور اور مدرسہ عالیہ صاحب السیر کے فارغ التحصیل تھے۔ بہت سے دیگر اساتذہ کے علاوہ مولانا غلام محمد گھوٹوی کو شیخ الجامعہ اور مولانا احمد علی کو نائب شیخ الجامعہ مقرر کیا گیا۔ جامعہ عباسیہ میں پرائمری سے یونیورسٹی کی سطح تک تعلیم دی جاتی تھی۔ جس میں ذریعہ اظہار اگرچہ عربی تھا لیکن طالب علموں کی سہولت کے لئے اردو اور دوسری علاقائی زبانوں میں اساتذہ اپنا مافی الضمیر ادا کرتے تھے۔ جامعہ کا نصاب چار درجوں پر مشتمل تھا۔ اس کا پہلا درجہ ’’مودب‘‘ کہلاتا تھا۔ جو پانچ سال کے عرصے پر محیط تھا۔ دوسرے درجے کا نام ’’عالم‘‘ تھا۔ یہ بھی چار سال کے عرصے پر محیط تھا جس پر ثانوی سطح کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ’’فاضل‘‘ تیسرا درجہ تھا جس کا دورانیہ تین سال اور اس میں حدیث، تفسیر، فقہ اور منطق کے علاوہ آج کل کے مروجہ مضامین اعلیٰ سطح تک پڑھائے جاتے تھے۔ ’’مولوی فاضل‘‘ کرنے کے بعد اگر کوئی طالب علم صرف انگریزی کے پرچوں کا امتحان دیتا تو وہ میٹرک، ایف اے اور بی اے کی ڈگری حاصل کر لیتا تھا۔ چوتھا درجہ ’’علامہ‘‘ کہلاتا تھا۔ اس کا دورانیہ تین سال تھا۔ اور اس کی سند بی اے کی ڈگری کے برابر سمجھی جاتی تھی۔ بعد ازاں بعض طالب علم دینی علوم کا اختصاصی مطالعہ کیا کرتے تھے جنہیں شیخ التفسیر، شیخ الحدیث، شیخ المعقول اور اس طرح کے دوسرے ناموں سے پکارا جاتا اور اسے ایم۔ اے کے برابر تصور کیا جاتا تھا۔

جامعہ عباسیہ کے قیام کے ایک برس بعد مئی ۱۹۲۶ء میں اس میں شعبہ طب کا اضافہ کیا گیا جس کا دورانیہ چار سال رکھا گیا۔ اور اس میں داخلے کے خواہشمند طالب علم کا مولوی عالم یا مڈل پاس ہونا ضروری قرار دیا گیا۔

جامعہ عباسیہ کی شہرت جنوب مشرقی ایشیا کے کونے کونے تک پہنچی تو اس زمانے کے ممتاز

عالموں نے وقتاً فوقتاً اس درسگاہ کا معائنہ کیا۔ ان میں سید سلمان ندوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ابوالحسن علی ندوی اور ڈاکٹر ذاکر حسین جیسی شخصیات شامل ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد بھاولپور کی معاشرتی زندگی میں تیزی سے تبدیلیاں آنے لگیں۔ سیاسی سطح پر عوامی نمائندوں کو اختیارات میں شامل کیا گیا اور کئی مختلف تعلیمی رفاحی اور ثقافتی منصوبے زیر غور آئے۔ ان میں سے ایک یہ تھا، کہ جامعہ عباسیہ کے لئے ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کی گئی۔ جس کا سنگ بنیاد ۱۹۵۰ء میں رکھا گیا۔ یہ سنگ بنیاد آج بھی جامعہ کی پیشانی پر نصب ہے جس کی عبارت اس طرح ہے۔

الجامعۃ العباسیہ (بھاولپور)

وضع حجرھا الاساسی بیدہ الکریمۃ عالی جناب بریگیڈیئر

صاحبزادہ محمد عباس خان العباسی ولی عہد مملکت خداداد

بھاولپور 1950ء

اس جامعہ کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ اس کی نصاب سازی کی سربراہی کے لئے ایک بار علامہ شبیر احمد عثمانی بھاولپور تشریف لائے، جبکہ دوسری بار سید سلمان ندوی نے اس کے نصاب کی ترتیب میں حصہ لیا۔

جامعہ عباسیہ کا جامعہ اسلامیہ میں تبدیل ہونا!

1955ء میں بھاولپور کی ریاست مغربی پاکستان میں مدغم ہوگئی تو یہاں کے مقامی رہنماؤں نے جامعہ عباسیہ کی توسیع کے لئے جدوجہد شروع کی۔ چنانچہ اس وقت کے صدر پاکستان محمد ایوب خان بھاولپور آئے اور ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو جامعہ اسلامیہ کا افتتاح کیا۔ جس میں ایف۔ اے اور بی۔ اے کی جماعتوں کے متوازن عربی زبان وادب، اسلامی تاریخ اور دوسرے علوم اسلامیہ جیسے فقہ اور حدیث میں تخصص کے درجے تک پڑھانے کا ڈول ڈالا گیا۔ اس درسگاہ کا نام جامعہ عباسیہ کی بجائے جامعہ اسلامیہ رکھا گیا۔ جس نے بہت جلد ارتقائی منازل طے کرکے

باقاعدہ یونیورسٹی کی حیثیت حاصل کر لی۔

اسلامیہ یونیورسٹی میں کئی مضامین میں ایم۔ اے کی سطح تک تدریس شروع کی گئی۔ اسلامیہ یونیورسٹی کے نئے دور میں مولانا ابوبکر غزنوی وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ جنہوں نے ۴ ستمبر کو اپنا یہ منصب سنبھالا اور کئی طرح کی تعلیمی اور تدریسی اور ترقیاتی منصوبہ بندی کی۔ مگر افسوس ان کا دورانیہ بہت مختصر رہا اور وہ صرف آٹھ ماہ بعد ۲۴ اپریل ۱۹۷۶ء کو انگلستان میں ٹریفک کے حادثے میں جاں بحق ہو گئے۔

ڈاکٹر ابوبکر غزنوی کی بے وقت رحلت کے بعد ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کو اسلامیہ یونیورسٹی کا دوسرا باقاعدہ وائس چانسلر مقرر کیا گیا۔ جنہوں نے ۲ اگست ۱۹۷۶ء کو اپنا منصب سنبھالا اور کئی نئے شعبہ جات کا اجراء کیا جیسے معاشیات، سیاسیات، اردو، انگریزی وغیرہ۔ علاوہ ازیں سائنس فیکلٹی کے بھی تین شعبوں کیمیا، طبعیات اور شماریات کا اہتمام کیا۔ اس طرح اسلامیہ یونیورسٹی میں ایم۔ اے، ایم۔ ایس۔ سی کی سطح پر شعبوں کی تعداد دس ہو گئی۔ شروع شروع میں پنجاب یونیورسٹی کے نصاب کی تدریس کی گئی۔ مگر بعد ازاں یونیورسٹی نے اپنے نصابات ترتیب دیئے اور اس میں یہ تخصیص پیدا کی کہ ایم۔ اے، ایم۔ ایس۔ سی کے تمام طالب علموں کے لئے سال اول میں بھی اسلامیات کا ایک پرچہ لازمی طور پر پڑھنا منظور کیا۔ شعبہ اسلامیات میں زیر تعلیم طالب علموں کے لئے اسلامیات کے اس لازمی پرچے کی بجائے پاکستانی کلچر کے عنوان سے ایک پرچہ تجویز کیا گیا۔ اس وقت اساتذہ کی تعداد صرف پندرہ تھی۔ اس لئے ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے نئے اساتذہ کے تقرر کی طرف خصوصی توجہ دی۔ چنانچہ ان کے سبکدوش ہونے تک اساتذہ کی تعداد پندرہ سے بڑھ کر اکاون (51) ہو گئی۔

اسلامیہ یونیورسٹی کے تیسرے وائس چانسلر پروفیسر عبدالقیوم قریشی تھے۔ جنہوں نے ۲۰ نومبر ۱۹۷۸ء کو اپنا عہدہ سنبھالا۔ پروفیسر عبدالقیوم قریشی کے کئی کام قابل ذکر ہیں۔ مثلاً انہوں نے یونیورسٹی کے نئے کیمپس کے لئے 1005 ایکڑ زمین حکومت سے بلاقیمت حاصل کی جو بھاولپور سے بھاولنگر جانے والی شاہراہ کے متصل شہر سے 7 کلومیٹر دور واقع ہے۔ اس کے لئے ماسٹر پلان کی تیاری، ترقیاتی منصوبوں اور نئے کیمپس کی تعمیر کے لئے ڈول ڈالا۔ اور افسر منصوبہ بندی پروجیکٹ ڈائریکٹر اور دوسرے کئی تجربہ کار انجینئروں کو یونیورسٹی سے وابستہ کیا۔ ان ٹھوس

مادی کارناموں کے ساتھ ساتھ پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے شعبہ قانون اور شعبہ ریاضی قائم کیا اور ڈاکٹر حامد حسن بلگرامی اس کے پہلے سربراہ مقرر ہوئے۔ اور اب جامعہ کے نصاب کو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ یعنی انٹرمیڈیٹ بی۔ اے، اردو ایم۔ اے جن کے نام علی الترتیب ''درجۃ الاجازہ۔ درجۃ الشھادۃ۔ درجۃ التخصیص'' رکھے گئے۔ اس نصاب کے لئے جن جید علماء کا تقرر کیا گیا ان میں شیخ التفسیر مولانا شمس الحق افغانی، شیخ الحدیث علامہ احمد سعید کاظمی، اور شیخ التاریخ ڈاکٹر عنایت اللہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

صدر ایوب خان کے دورہ بھاولپور کے کچھ ہی عرصہ بعد جامعہ اسلامیہ میں سائنس کی تعلیم کی منصوبہ بندی کی گئی اور اس کے لئے ایک بلاک تعمیر کیا گیا جس کا افتتاح اس وقت کے گورنر مغربی پاکستان ملک امیر محمد خان نے کیا۔ یہ سنگ بنیاد ۲۶ دسمبر ۱۹۶۵ء کو رکھا گیا جس کی لوح پر یہ الفاظ درج ہیں۔

باسمہٖ تعالیٰ

شعبہ سائنس جامعہ اسلامیہ بھاولپور

از

امیر الجامعہ ملک امیر محمد خان (ہلال پاکستان)

گورنر مغربی پاکستان

۶ دسمبر ۱۹۶۵ء مطابق ۱۳ شعبان ۱۳۸۵ھ۔

ذوالفقار علی بھٹو کے عہد وزارت عظمیٰ میں تعلیمی پالیسی میں جو سفارشات منظور ہوئیں ان میں جامعہ اسلامیہ کو ایک مکمل یونیورسٹی کی حیثیت دینے کی تجویز بھی شامل تھی۔ اس سفارش کی روشنی میں ۱۹۷۶ء میں جامعہ اسلامیہ کو محکمہ اوقاف سے لے کر محکمہ تعلیم کے سپرد کر دیا گیا۔ بعد ازاں اس درسگاہ میں کام کرنے والے اساتذہ اور شہر کے مقامی سیاسی رہنماؤں کی مشترکہ جدوجہد کی وجہ سے اس یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا جس کے لئے پنجاب قانون ساز اسمبلی نے ۴ مارچ ۱۹۷۵ء کو اسلامیہ یونیورسٹی کے قیام کے ایکٹ کی منظوری دی۔ یاد رہے کہ ملتان یونیورسٹی بھی اسی ایکٹ کے تحت معرض وجود میں آئی۔ بھاولپور ڈویژن میں بی۔ اے کی سطح پر لڑکے اور لڑکیوں کے جو کالج کام کر رہے تھے ان کا اسلامیہ یونیورسٹی بھاولپور سے الحاق کر کے داغ بیل ڈالی۔ شعبہ تاریخ اور شعبہ اردو میں توسیع کی، شعبہ تاریخ کو ''تاریخ و مطالعہ پاکستان' شعبہ اردو کو اردو و اقبالیات'' کا نام دیا گیا۔ بہت سے نوجوان اساتذہ کو یونیورسٹی میں ملازم رکھا گیا۔ علاوہ ازیں ملک کے طول و عرض سے ممتاز پروفیسروں کی خدمات حاصل کی گئیں جن میں شعبہ اسلامیات کے لئے ڈاکٹر صغیر حسین معصومی اور ڈاکٹر خواجہ معین الدین جمیل، تاریخ کے لئے ڈاکٹر محمد یوسف عباسی، اردو کے لئے ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی اور معاشیات میں پروفیسر فضا الرحمٰن کے نام

قابل ذکر ہیں۔ اس طرح اساتذہ کی تعداد اب 51 سے بڑھ کر 86 ہوگئی۔ ان میں سے نوجوان اساتذہ کو پی ایچ ڈی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے غیر ممالک میں بھیجنے کی خاطر وظائف کا اہتمام کیا۔ پروفیسر عبدالقیوم کا ایک علمی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی دنیا کے ایک ممتاز اسکالر ڈاکٹر حمید اللہ کو پیرس سے بلایا۔ جنہوں نے اسلامیہ یونیورسٹی بھاولپور میں قرآن وحدیث، فقہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بارہ لیکچر دیئے۔ ان لیکچروں کو صدا بند کیا گیا۔ اور بعد ازاں ’’خطبات بھاولپور‘‘ کے نام سے شائع کیا گیا۔ جنکی علمی حلقوں میں بہت پزیرائی ہوئی۔ جناب قریشی صاحب اپریل 1981ء میں اپنے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ تو ان کا منصب ڈاکٹر رفیق احمد نے سنبھالا۔ انہوں نے یونیورسٹی کی عمارتوں، پارکوں، میدانوں، اور روشوں میں تزئین وآرائش کی۔ یونیورسٹی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ طلباء یونین کا قیام عمل میں آیا۔ جس سے مذاکروں، مباحثوں، مقابلوں اور دوسری علمی وادبی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ اس زمانے میں پاکستان بھر کی تمام یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں کا انتیسواں اجلاس اسلامیہ یونیورسٹی میں ہوا۔ جس کے یادگار کے طور پر بغداد الجدید کیمپس میں طالبات کے ہوسٹل کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ آپ نے شعبہ اردو میں تحقیق وترجمہ کا ایک سیل قائم کیا۔ اور بھاولپور میں قانون کی تعلیم عام کرنے کے لئے ایل۔ ایل۔ بی کلاسوں کا صبح کے ساتھ ساتھ شام کے اوقات میں بھی اجراء کیا تاکہ ملازم پیشہ لوگ بھی اس سے استفادہ کرسکیں۔ علاوہ ازیں آپ نے ۱۹۸۲ء میں لائبریری سائنس میں ڈپلومہ کی کلاس شروع کرائی۔ جو اگلے سال ایم۔ اے سطح تک بڑھادی گئی۔ آپ نے یونیورسٹی میں ایک ادارہ ’’چولستان انسٹی ٹیوٹ آف ڈیزرٹ اسٹڈیز‘‘ قائم کیا۔ تاکہ بھاولپور کے اردگرد پھیلے ہوئے وسیع صحرا میں ترقی کی رفتار تیز کی جاسکے۔

اس کے علاوہ جدوجہد آزادی کی شاندار سرگزشت کو محفوظ کرنے کی نئی نسل کی نظریاتی ترتیب مرتبت کرنے اور انہیں حصول پاکستان کی تاریخ سے آگاہ کرنے کے لئے یونیورسٹی میں پاکستان گیلری کے قیام کا منصوبہ شروع کیا۔ یہ منصوبہ اب مکمل ہوچکا ہے۔ اس وقت پاکستان گیلری میں تحریک پاکستان کے مختلف ادوار کی دو سو سے زائد تصاویر کے علاوہ مختلف دستاویزات آویزاں ہیں۔ گیلری تحریک پاکستان پر کام کرنے والوں کے لئے ایک حوالے کا کام دیتی ہے۔ نیز پاکستان گیلری کے تحت مختلف قومی تہوار کے مواقع پر مذاکروں، مباحثوں اور مجالس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جس میں اساتذہ اسکالرز اور طلباء شریک ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں قومی سائنس کانفرنس

کے اکیسویں اجلاس کی میزبانی کی گئی جو ۳۱ دسمبر ۱۹۸۲ء سے ۴ جنوری ۱۹۸۳ء تک برپا رہا۔

یونیورسٹی کے بغداد الجدید کیمپس میں یکم جنوری ۱۹۸۳ء کو سائنس بلاک کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ ڈاکٹر رفیق احمد کے زمانے میں ۱۲۷ اساتذہ کو بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کے وظائف دے کر بھیجا گیا۔ واپس آنے والے اساتذہ کو اگلے گریڈ میں ترقی دی گئی۔ علاوہ ازیں بعض سینئر اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئیں جیسے ریاضی میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ حبیب اللہ اور کیمیا میں ڈاکٹر مصباح العین خان قابل ذکر ہیں اور یونیورسٹی کی طبی ضروریات کے لئے ڈاکٹر بشیر الدین ہاشمی کی بطور سینئر میڈیکل آفیسر خدمات حاصل کی گئیں۔ اس زمانہ میں کتب خانے میں بائیس لاکھ روپے کے زرکثیر سے بیس ہزار کتابوں کا اضافہ کیا گیا۔ عباسیہ کیمپس کی لائبریری میں ائیر کنڈیشنرز نصب کردیئے گئے جس کی وجہ سے طلباء وطالبات رات دس بجے تک مطالعے میں مصروف رہتے۔ اس زمانے میں یونیورسٹی کے بغداد الجدید کیمپس میں نئی عمارتوں کی تعمیر کی طرف خاص طور پر توجہ دی گئی۔ اس کے لئے وہاں سڑکوں کا جال بچھا دیا گیا۔ بجلی کے لئے کھمبوں اور پانی کے لئے ٹیوب ویل اور بالائی ٹینکی کی تنصیب کا کام شروع ہوا۔ سائنس بلاک کے علاوہ آرٹس بلاک، علوم اسلامیہ بلاک، طلباء کے دوسرے ہوسٹل، اساتذہ کی رہائش گاہوں اور مرکزی لائبریری کی عبارتوں کی تعمیر شروع ہوئی۔ کیمپس میں نہر کے متصل نصف میل لمبی سبز پٹی تیار کی گئی جس پر چالیس سے زیادہ اقسام کے گلاب کے پودے لگائے گئے۔ اور تین سال کے عرصے میں تقریباً دو لاکھ پودوں کی شجر کاری کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ شجر کاری کے بین الاقوامی مقابلے میں ۱۹۸۳ء میں اسلامیہ یونیورسٹی کو پہلی پوزیشن حاصل ہوئی اور اسے صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ علمی سطح پر یونیورسٹی میں اکیڈمک کونسل اور سنڈیکیٹ جیسے بااختیار اداروں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ کلیہ علوم سائنس کے زیر اہتمام ایک تحقیقی مقالہ 'پیور اینڈ اپلائیڈ سائنسز' کلیہ علوم اسلامیہ کے زیر اہتمام ''بصائر'' اور یونیورسٹی کی جملہ سرگرمیوں کو قلم بند کرنے کے لئے اطلاعات کے نام سے ایک ماہنامہ 'خبر نامہ اور طلباء وطالبات کی علمی کاوشوں کے لئے ایک سالانہ مجلہ سروش کا اجراء کیا گیا۔ اس کے علاوہ ''بہاولپور'' ماضی اور حال کے آئینے میں کے نام سے ایک علمی منصوبے کی داغ بیل ڈالی گئی۔ ڈاکٹر رفیق احمد کو پنجاب یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کردیا گیا تو اسلامیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کا منصب 19 جنوری 1985ء کو ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک کو دے دیا گیا۔ انہوں نے متعدد شعبوں کو اسلامیہ یونیورسٹی کے بغداد الجدید کیمپس میں منتقل کرنے کا اہتمام کیا اور بہت سے نئے شعبوں کا اجراء

کیا۔ جیسے فارسی، جغرافیہ، جرنلزم، ایجوکیشن وغیرہ۔ اب تدریسی شعبوں کی تعداد اٹھارہ ہوگئی۔

اس زمانے میں پیشرو وائس چانسلر کے زمانے کے بہت سے تعمیراتی منصوبے پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ ان میں سائنس بلاک، اسلامک اسٹڈیز بلاک، مرکزی لائبریری، طلباء کے لئے دوسرا ہوسٹل، مرکزی لائبریری اور 72 رہائشی مکانات قابل ذکر ہیں۔ آپ کے زمانے میں شجرکاری اور کاشتکاری کی طرف خاص توجہ دی گئی۔ اس کے لئے 178 ایکڑ زرعی فارم بنا کر اسے زیر کاشت لایا گیا۔ پانچ ایکڑ پر بانس اگائے گئے اور چالیس ایکڑ پر کینو اور آم کے باغات لگائے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں اسلامیہ یونیورسٹی کو شجرکاری کے مقابلہ میں پہلا انعام ملا اور صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا۔

ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک اپنے دور کے اواخر میں رخصت پر چلے گئے تو اکتوبر 1988ء سے شعبہ کیمیا کے سربراہ ڈاکٹر مصباح العین خان نے ان کی جگہ چارج سنبھال لیا اور بعد ازاں وہ 26 اپریل 1989ء سے اس منصب پر باقاعدہ طور پر فائز کردیئے گئے۔ آپ کے زمانے میں متعدد شعبہ جات کا اجراء کیا گیا۔ جیسے فارمیسی، بی۔ ایڈ وغیرہ۔ علاوہ ازیں شعبہ جرنلزم کو ڈپلومے سے ایم۔ اے تک وسعت دی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر سائنس، بزنس ایڈمنسٹریشن، زولوجی اور سوشل ورک کے شعبے کھولنے کے لئے ابتدائی تیاریاں کی گئیں۔ آپ کے زمانے میں یونیسکو کے تعاون سے ریاضی کی ایک بین الاقوامی کانفرنس ہوئی۔

ماحول کی آلودگی کے بارے میں ایک بین الاقوامی سطح کا سیمینار اور قومی سائنس کانفرنس کا چھبیسواں اجلاس منعقد ہوا۔ اس طرح بھاولپور کو سائنس کانفرنس کی میزبانی کرنے کا اعزاز تیسری بار حاصل ہوا۔ اس زمانے میں یونیورسٹی کی عمارتوں کی تعمیر کا گراف بہت نیچے رہا۔ البتہ جو منصوبے پہلے سے زیر تکمیل تھے، مکمل ہوئے۔ علاوہ ازیں اکیڈمک کونسل سنڈیکیٹ اور سینیٹ جیسے بااختیار اداروں کے اجلاس تواتر سے بلائے گئے۔ ڈاکٹر مصباح العین خان منصب وائس چانسلر پر 15 جون 1993ء کی باہمی چپقلش، گروہی سیاست اساتذہ کے خلاف انکوائریاں، عدالتی کارروائیاں اور بڑی تعداد میں ایڈہاک تقرریاں یونیورسٹی کے ترقیاتی پروگراموں کو متاثر کرنے کا سبب بنیں۔ ان کے بعد ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کو یہ منصب تفویض کیا گیا۔ آپ شعبہ طبیعات کے چیئرمین، کلیہ علوم سائنس کے سربراہ اور پیشرو وائس چانسلر کے دست راست رہے ہیں اور ان کی تحقیقی سرگرمیوں کو سراہتے ہوئے صدر پاکستان نے انہیں ''اعزاز فضیلت'' عطا کیا۔ آپ

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے ساتویں وائس چانسلر ہیں۔

14 اگست 1997ء کو تاریخی اور یادگار دن جب پوری قوم قیام پاکستان کی گولڈن جوبلی کی خوشیاں منا رہی تھی اس اہم دن اسلامیہ یونیورسٹی کے ایک سینئر پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کا تقرر بحیثیت وائس چانسلر عمل میں آیا جو یونیورسٹی اور خطہ بہاولپور کے لئے نیک شگون ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر شفیق خان کا تعلق بہاولپور ڈویژن سے ہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے لندن یونیورسٹی، برطانیہ سے 1970ء میں کیمسٹری میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد برطانیہ کی University....... University A Collage میں پوسٹ ڈاکٹرل ریسرچ فیلو رہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان 1977ء میں اسلامیہ یونیورسٹی کے شعبہ کیمسٹری میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر تشریف لائے۔ تھوڑے عرصے کے بعد آپ شعبہ کے چیئرمین مقرر ہوئے اور اپنے تحقیقی مقالاجات اور قومی و بین الاقوامی اداروں میں وسیع تجربہ کی بنیاد پر ایسوسی ایٹ پروفیسر اور بعد ازاں پروفیسر کے عہدے پر ترقی پائی۔ 1990ء میں شعبہ فارمیسی کے چیئرمین مقرر ہوئے۔ اور نومبر 1990ء سے فروری 1992ء تک ڈین فیکلٹی آف آرٹس کی حیثیت سے کام کیا۔ اس سے قبل وہ تین سال تک ڈین فیکلٹی آف سائنس بھی رہ چکے تھے۔ یونیورسٹی کی چانسلرز کمیٹی، سنڈیکیٹ اور کئی دوسری کمیٹیوں کے ممبر ہونے کے علاوہ کئی اہم ذمہ داریاں انجام دیں۔ اور یونیورسٹی کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کے 45 سے زیادہ تحقیقی مقالہ اعلیٰ معیار کے جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ آپ مختلف ٹریننگ کورسز کانفرنس اور سیمینار کے سلسلہ میں کئی غیر ممالک کا دورہ بھی کر چکے ہیں۔

”حوالہ جات“

۱۔ اطلاعات اشاعت (خصوصی ۱۹۸۲_۸۳) اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

۲۔ روزنامہ نوائے وقت ۹ جون ۱۹۹۹ء

۳۔ ڈاکٹر زاہد علی واسطی، سرزمین بہاولپور، بیکن بکس، ملتان ۱۹۹۳ء۔ ص ۱۴۱

۴۔ مسعود الحسن شہاب دہلوی، خطہ پاک اوچ، اردو اکیڈمی بہاولپور ۱۹۶۷ء۔ ص ۱۶۶

۵۔ حوالہ سابق۔ ص ۱۶۷

۶۔ مسعود الحسن شہاب دہلوی۔ بہاولپور میں اردو، اردو اکیڈمی بہاولپور ۱۹۸۳ء۔ ۲۹۔۲۸

۷۔ مولانا محمد صادق، بہاولپور کے چند اکابر علماء مجلّہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور۔ ۱۹۷۴ء ص ۷۸۔۷۷

۸۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مولانا حفیظ الرحمان۔ جذب القلوب، عزیز المطابع برقی پریس بہاولپور۔

۹۔ مسعود الحسن شہاب دہلوی اولیاء بہاولپور، اردو اکیڈمی بہاولپور ۱۹۷۶ء۔ ص ۳۲۔۲۸

۱۰۔ مولانا محمد صادق تاریخ علماء بہاولپور، سہ ماہی الزبیر بہاولپور ش ۳ ۱۹۶۱۔ ص ۳۲۔۲۸

۱۱۔ مولانا محمد صادق بہاولپور کی چند اکابر علماء مجلّہ اسلامیہ بہاولپور ش ۱ ۱۹۶۴۔ ص ۷۹۔۷۸

۱۲۔ حفیظ الرحمان حفیظ، ذکر کرام، محبوب المطابع دہلی ۱۳۵۷ ۵۹۔

۱۳۔ مسعود الحسن شہاب، اولیاء بہاولپور۔ ص ۲۷۹

محمد احمد انصاری، جامعہ عباسیہ کا عہد زریں، روزنامہ کائنات بہاولپور، اشاعت خصوصی ۳۱ دسمبر ۱۹۸۲ء ص ۲

۱۴۔ احمد رضا.....، انوار الباری، مکتبہ ناشر العلوم طور، ت ل، ج ۲، ص ۲۳۵

۱۵۔ پراسپکٹس جامعہ عباسیہ بہاولپور صادق الانوار برقی پریس بہاولپور۔ ت۔ ن۔ ص۔ ۱

۱۶۔ محمدی چشتی، حضرت شیخ الجامعہ اک مرد خدا سہ ماہی الزبیر بہاولپور۔ ۱۹۷۲۔ ص ۷۹۔۷۳

۱۷۔ روزنامہ کائنات بہاولپور، اشاعت خصوصی، ۳۱ دسمبر ۱۹۸۲ء ص ۷

۱۸۔ مولانا محمد صادق، مولانا احمد علی، روزنامہ کائنات بہاولپور اشاعت خصوصی ۳۱ دسمبر ۱۹۸۲ء، ص۔

۱۹۔ علامہ ارشد، مولانا عبید اللہؒ ہفت روزہ دستور بہاولپور۔ ۲۹ جنوری ۱۹۶۷ء ص ۱۔

۲۰۔ محمد معاذ، تعارف مرزا اور یسوع، انجمن تبلیغِ اسلام بہاولپور ۱۹۶۶ء ص ۴، ۶

۲۱۔ روداد مقدمہ مرزائیہ بہاولپور، اسلامک فاؤنڈیشن ڈیوس روڈ لاہور ۱۹۸۸ء ج ۳، ۱۲۵۳۔

۲۲۔ مولانا محمد ناظم ندوی، بہاولپور کی یادیں، سہ ماہی الزبیر، بہاولپور ۱۹۸۲ء ص ۵۷۔

۲۳۔ شمس الحق افغانی سرمایہ داری سوشلزم اور اسلام ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ بھاولپور۔ ت ن، ص، ۵۔ ۱

۲۴۔ عبدالغنی، خطبات افغانی مکتبہ شمس الحق افغانی بہاولپور۔ ۱۹۹۲ء سہ ماہی الزبیر۔

ایک داعی کی سرگزشت

ایئر کموڈر (ریٹائرڈ) انعام الحق 23 جنوری 1921ء کو محلہ سوئیوالان دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ڈپٹی کمشنر رہتک کے دفتر میں سپرنٹنڈنٹ تھے، ان کے والد قاضی شمس الحق نے علی گڑھ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ قاضی شمس الحق کے اساتذہ میں شبلیؒ اور حالیؒ نامور ہیں۔ ایئر کموڈر (ر) انعام الحق کی والدہ پیر سید جماعت علی شاہ سے بیعت تھیں اور شاہ اسماعیل شہید سے ان کے والد کو خاص لگاؤ تھا۔ بعد میں ان کی والدہ مدینہ منورہ میں حضرت مولانا انعام الحق سے بیعت ہوئیں۔ ایئر کموڈر (ر) انعام الحق نے 1939ء میں 18 سال کی عمر میں بی۔ اے کیا۔ 1941ء میں علی گڑھ یونیورسٹی سے انگریزی ادب میں ایم اے کیا۔ 1942ء سے 1947ء تک اینگلو عربک کالج دہلی میں انگریزی پڑھاتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد ایئر فورس میں ایجوکیشن آفیسر کی حیثیت سے 1949ء سے 1981ء تک ملازمت کی۔ اس کے بعد 1981ئسے 1993ء تک ڈائریکٹر جنرل پبلک لائبریری پنجاب کا عہدہ سنبھالا۔ شاعری بھی شوق رہا۔ انگریزی زبان میں ان کی متعدد کتابوں کے علاوہ مضامین اور تبصرے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ زمانہ طالب علمی میں انعام الحق ایک صاف ستھرے کردار کے مالک تھے۔ ان کی تربیت شروع ہی سے صاحب تقویٰ لوگوں کے ہاتھوں میں ہوئی تھی۔ زیر نظر صفحات ان کی سرگزشت ہے۔ جو انہوں نے دعوت و تبلیغ کے لئے شب و روز کام کیا۔ اس تحریک ایمانیات کے بارے میں ان کے تاثرات اور تجربات میں اور بالخصوص اہل اللہ جن کی بابرکت صحبتوں سے فیض یاب ہوتے رہے ان کا تذکرہ ہے۔

دہلی میں جب عربک کالج میں لیکچرار تھا تو دو تین بار علی گڑھ جانا ہوا۔ ایک دفعہ کالج کرکٹ ٹیم لے کر یونیورسٹی میچ کھیلنا ہوا۔ بڑی مار پڑی۔ پھر تبلیغی دورے رہے۔ بھائی عبدالوہاب اور مولانا عبدالمالک مدنی جامعہ والے بھی ساتھ تھے۔ ایک بڑی جماعت حضرت مولانا محمد یوسف

صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ علی گڑھ گئی۔ اس میں حضرت مولانا سید حسن رضا صاحب رحمتہ اللہ علیہ، شفیع قریشی صاحب، حضرت مولانا منظور احمد نعمانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب بھی تھے۔ قیام علی گڑھ شہر کی جامع مسجد میں رہا۔ ایک مختصر جماعت پہلی مرتبہ یونیورسٹی بھی گئی۔ جامع مسجد یونیورسٹی میں بیان ہوا۔ اس کے بعد یونیورسٹی کے طلبہ اور اساتذہ خوب دین کی محبت میں لگ گئے۔ ان سے پھر رائے ونڈ اجتماعات میں ملاقات ہوتی رہی۔

قیام پاکستان کے وقت ہر طرف فسادات ہو رہے تھے، اینگلو عربک کالج بالکل بند تھا اور کالج کے اساتذہ ہوسٹل چھوڑ چکے تھے۔ لیکن میری زندگی میں دعوت وتبلیغ کی برکت سے ایک تبدیلی آ چکی تھی۔ میں حالات سے زیادہ پریشان نہ ہوتا، یہ تبدیلی کیسے آئی اور کیوں آئی اس کے لئے کچھ تبلیغی کام کا ذکر ضروری ہے۔ میرا تعلق 1945ء کی سرگرمیوں سے حضرت مولانا محمد الیاس رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی تبلیغی جماعت سے ہوگیا تھا۔ پھر دو سال تک مختلف جماعتوں کے ساتھ مختلف مقامات پر جاتا رہا۔ جب میں نے داڑھی رکھ لی تو میرے کالج کے پرنسپل نے کہا کہ اس نے خودکشی کر لی، دینی کتب بالخصوص سید سلیمان ندوی کی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی تو اسلام کی حقیقت اور سامنے آئی۔

تبلیغی جماعت اور تقسیم ہند

عربک کالج میں گرمیوں کی چھٹیوں سے پہلے 1944ء میں حضرت مولانا الیاس رحمتہ اللہ علیہ اپنے کچھ ساتھیوں کو لے کر کالج کی لال پتھر کی خوبصورت عمارت میں تشریف لائے، ڈاکٹر ذاکر حسین بھی ہمراہ تھے۔ عصر کی نماز کے بعد مختصر بیان ہوا، حضرت مولانا الیاس رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی کے آخری ایام تھے۔ آپ ؒ ضعیف ہوگئے تھے۔ حضرت نے بیان نہیں فرمایا، ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب سے کہا کہ کچھ مقصد بیان کر دیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے بیان فرمایا۔ میں نے حضرت مولانا محمد الیاس رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھ لیا کہ حضرت آپ نے روحانی سفر کیسے طے کر لیا؟ سوال کرنے کی عادت انگریزی پڑھے لکھوں کو ہوتی ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ ''کبھی ہمارے پاس آؤ پھر بتائیں گے۔'' مگر بات آئی گئی ہوگئی۔ مجھے حضرت کی صحبت نصیب نہ ہوئی۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا انتقال 1944ء میں ہوگیا۔ انہوں نے سخت مشقت کی زندگی گزاری۔ کاندھلے کے رہنے والے تھے مگر بستی نظام الدین میں قیام رہا۔ میوات سے تبلیغ کا کام

شروع کیا۔ تبلیغی جماعتیں بنانا شروع کیں، میواتیوں کو گھر سے نکال کر فرمایا کہ دین سیکھیں اور سکھائیں۔ ان کو کچھ نہ آتا تھا مگر محنت سے اور مولانا کی صحبت میں، اللہ رب العزت نے اپنے فضل وکرم سے ان میں دین کی سمجھ اور اخلاص پیدا کر دیا پھر مدرسے چلنے لگے، اجتماعات ہونے لگے، جماعتیں میوات، دہلی اور یوپی اضلاع میں جانے لگیں۔ پہلے پہل علماء متوجہ نہ تھے اور کام کی افادیت کے بارے میں شبہات تھے۔ مگر پھر بھی کچھ سرپرستی کرنے لگے اور اجتماعات میں ان کی شرکت ہونے لگی۔

1945ء کی گرمیوں کی چھٹیوں میں کالج کلرک کی ترغیب پر شب جمعہ کے لئے نظام الدین چلا گیا۔ وہاں حضرت مولانا یوسف کا بیان ہو رہا تھا۔ وہ آخرت پر زور دے رہے تھے۔ میں نے تو کبھی آخرت کے بارے میں سوچا ہی نہ تھا۔ نماز روزہ دینی عمل اس لئے کرتا تھا کہ دنیا کا کوئی کام ہو جائے۔ بڑا ہی قلق ہوا کہ اب تک کیسی غفلت میں عمر گزاری کوئی مقصد حیات سامنے رکھ کر ہی نہ کی۔ میں نے تین دن جماعت میں نکلنے کا ارادہ کیا۔ ہماری پہلی جماعت میرٹھ گئی۔ دہلی اسٹیشن پر گاڑی آنے تک تعلیم کرتے رہے۔ چلتے ہوئے بھائی عبدالوہاب نے دعا مانگی جس میں بے حد اخلاص تھا۔ میرٹھ کی ایک مسجد میں قیام تھا۔ گشت کو نکلے تو مجھے متکلم بنا دیا گیا۔ کچھ لوگ مسجد کے پاس بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔ ان کو مسجد میں آنے کو کہا تو بولے آپ کی تو داڑھی نہیں آپ کیا دعوت دیتے ہیں؟ مجھے احساس ہوا کہ ایک سنت چھوٹی ہوئی ہے پھر اس کے بعد داڑھی منڈوانی بند کر دی۔ اس زمانے میں جماعتیں علماء کی خدمت میں بھی ضرور جاتی تھیں ہم لوگ حضرت مولانا سید سلمان ندویؒ کی خدمت میں بھی گئے۔ میں سمجھتا تھا کہ سب مسلمانوں کو کلمہ آتا ہے اور نماز بھی پڑھتے ہوں گے مگر پھر معلوم ہوا کہ اکثر لوگ کلمہ سے ناآشنا اور فرائض کے پابند نہیں ہیں۔ طبیعت میں ذرا جوش آیا، اور دعوت کے کام میں لگ گیا۔ پھر جماعتوں کے ساتھ مرادآباد، غازی آباد، ریواڑی وغیرہ جانا ہوا۔ ایک اجتماع رحیم آباد لکھنؤ کے پاس ہوا۔ اس میں شرکت کی۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور مولانا منظور احمد نعمانی بھی موجود تھے۔ مگر پرزور بیانات حضرت مولانا محمد یوسف کے ہوتے تھے۔ پھر میں نوح کے اجتماع میں بھی گیا۔ ہماری جماعت بھائی عبدالوہاب اور حاجی بشیر احمد (بعد میں ڈائریکٹر جنرل ٹیلی فونز) اور بھائی عبدالخالق صاحب (اکاؤنٹس آفیسر ریلوے) بھی تھے۔ سخت گرمی تھی۔ کئی مقامات سے گزر ہوا۔ ایک میواتی نے بتایا کہ تبلیغ کا مقصد اپنی اصلاح، آخرت کا نفع اور اللہ کی رضا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ تم نے انگریزی پڑھی ہے

ایک کتاب حدیث بھی پڑھ لو۔

تبلیغ کے بس چھ نمبر تھے۔ کلمہ والا یقین، خشوع و خضوع والی نماز، دین کا ضروری علم حاصل کرنے اور ذکر و تسبیحات کا پڑھنا، اکرام مسلم، اخلاص اور نفر فی سبیل اللہ، پڑھنا آتا ہی نہیں تھا۔ تبلیغی جماعت کا کوئی لٹریچر نہ تھا۔ وہ کسی ذرائع ابلاغ کو پسند نہیں کرتے تھے اور نہ سیاست کی بات کو بس حضرت مولانا ذکریا صاحب کی فضائل کی کتابیں پڑھی جاتی تھیں اور صحابہ کرامؓ کے واقعات بیان کیئے جاتے تھے۔ ہر شخص کو دعوت دینا سکھایا جانا، نہ جماعت کا کوئی چندہ تھا نہ کوئی ممبر شپ۔ سارا کام اخلاص پر مبنی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت عطا فرمائی کہ لاکھوں کی اصلاح ہوگئی۔ جب حضرت مولانا الیاس میواتیوں سے فرماتے تھے کہ تم لندن جاؤ گے اور باہر کے ممالک کے لوگ نظام الدین مہمان بن کر آئیں گے تو کون یقین کرسکتا تھا مگر میں نے خود دیکھا کہ ہزاروں کی قطار میں لوگ رائے ونڈ میں بیرونی ممالک سے آتے ہیں اور خود بھی لندن اور امریکا کے اجتماعات میں شرکت ہوئی۔ کام کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ بنگلہ دیش جنوبی افریقا، سری لنکا، تھائی لینڈ اور ہر ملک میں تبلیغی مراکز قائم کیئے گئے۔ حضرت مولانا یوسفؒ کہتے تھے کہ ہر کام قابلیت سے نہیں قربانی سے چلتا ہے مگر میں تبلیغ میں ہمیشہ وقت لگاتا، کبھی ہفتہ کبھی تین دن۔ ایک تبلیغی جماعت علی گڑھ یونیورسٹی بھی گئی۔ حضرت محمد شفیع (بعد میں امیر پاکستان راولپنڈی میں مقیم رہے) بھی ساتھ تھے۔ پھر دہلی کا صنعت کار اور مراد آباد کا تاجر تک کام میں لگ گئے۔ جماعتیں پیدل دلی سے بمبئی، دلی سے پشاور پھرنے لگیں۔ مجھے چلنے کی دعوت دی جاتی میں تیار نہ ہوتا تھا۔ بس محلے کا گشت کرلیا۔ اجتماع میں چلا گیا۔ دلی سے نئی دلی جانا ہوتا رہا۔ بھائی عبدالوہاب صاحب اکثر میرے کالج میں اور مفتی والوں کے پھاٹک آتے رہتے۔ میں نے داڑھی رکھی تو دانے نکل آئے۔ خارش ہوگئی۔ بھائی عبدالوہاب صاحب میرے لئے شہد لاتے اور بڑی فکر کرتے۔ ان سے بہت دین کی باتیں سیکھیں۔ وہ سب سے بڑی محبت کرتے تھے۔ بھائی بشیر صاحب بھی ٹیلی فون کے محکمے میں سب سے زیادہ محنت کرتے۔ میں کبھی نظام الدین جاتا تو یاد دہانی کے لئے آجاتے۔

1944ء میں مولانا سید مودودی کالج کی مسجد میں آئے۔ مجھے ان کا لٹریچر پسند تھا۔ ان میں سیاسی شعور تھا۔ جو مولویت کے خلاف، رسمی دین داری کو ناپسند کرتے، میں ہر اتوار کو جماعت اسلامی کے جلسے میں بھی جاتا اور تبلیغی جماعت میں بھی شرکت کرتا لیکن تبلیغی جماعت میں کسی نے

نہ کہا کہ تم مسلم لیگ میں کیوں شرکت کرتے ہو یا جماعت اسلامی کے ممبر ہو۔

البتہ رفتہ رفتہ مجھے احساس ہوا کہ جماعت اسلامی والے تنقید زیادہ کرتے ہیں۔ بحث ومباحثہ میں پڑتے ہیں۔ ذکر اور روحانیت کی کمی ہے۔ سنت کی پابندی کی طرف توجہ نہیں۔ سیاست پر زور زیادہ ہے۔ اور مجھے سیاست سے نفرت تھی۔ پھر قیام پاکستان کے بعد میں نے ائرفورس میں ملازمت کرلی۔ جماعت اسلامی سے تعلق کم ہوتا گیا مگر میں کبھی جماعت اسلامی کا مخالف نہیں ہوا۔ میری طبیعت کو تبلیغی جماعت میں شرکت سے سکون ملتا اور میرا تعلق تبلیغ کرنے والوں سے بڑھتا گیا۔

بغیر کام کو دیکھے ہوئے، جانے ہوئے، تبلیغی جماعت کے بارے میں لوگوں کو کئی غلط فہمیاں بھی ہوجاتی ہیں۔ ایک تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ تبلیغ دوسروں کی اصلاح ہے لیکن اصل میں اپنی اصلاح ہوتی ہے پھر اکثر لوگ کہتے ہیں کہ یہ کام کرنے والے گھر والوں اور بیوی بچوں کا خیال نہیں کرتے۔ اب تو قربانی ہر کام کے لئے کرنی پڑتی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہدایت پھیل جائے اور ہمارا بال بیکا بھی نہ ہو۔ پھر لوگ کہتے ہیں کہ یہ جہاد نہیں کرتے اور جہاد کو نہیں کہتے، اب جہاد محض قتل وقتال تو نہیں۔ پہلے لوگوں کا یقین بدلے، نیت میں اخلاص ہو جہاد کی شرائط پوری کی جائیں، جہاد فرض ہے اس کے لئے تیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ صبر وتحمل، اخلاص، استقلال، بہر حال دعوت کا کام بھی جہاد کی طرز پر ہی ہوتا ہے۔ سیکڑوں لوگوں نے اسی راہ میں جانیں دی ہیں۔ کام کرنے والوں نے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی۔ اب امت کا پھیلاؤ بہت وسیع ہے اور دین سے دوری بہت ہوچکی ہے۔ رکاوٹیں طرح طرح کی ہیں۔ اصلاح امت کا کام اتنا آسان نہیں اور جلدی نہیں ہوسکتا۔ ایک ملک میں اسلام پھیلنا مشکل ہے۔ جب تک سارے عالم میں دعوت کا کام نہ ہو۔ مسلمان کسی ایک ملک کی قوم نہیں بلکہ امت ہیں۔ جب تک پرہیزگار اور مطیع وفرمانبردار نہیں بنیں گے حالات درست نہیں ہوسکتے۔

بہرحال میں دلی میں باقاعدہ بستی نظام الدین جاتا رہتا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے حجرے میں بھی جا کر بیٹھ جاتا۔ وہ خاطر تواضع بھی کرتے، کھانا کھلاتے کبھی وہاں حضرت مولانا زکریا بھی تشریف لاتے۔ ان کا بدن بھاری تھا۔ جمعہ کی پہلی صف میں صلوٰۃ وتسبیح پڑھتے دیکھتا رہتا۔ بعد میں رائے ونڈ، مدینہ طیبہ، کراچی، مکی مسجد، لاہور بلال پارک میں بھی زیارت ہوئی۔

حضرت مولانا یوسف صاحب اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب سے ان کا خاص تعلق اور قریبی رشتہ داری تھی۔ کبھی حضرت مولانا رائے پوری بھی نظام الدین تشریف لاتے۔ بڑی پرکشش شخصیت تھی۔ ان کو دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہوتی، یہی ایک سچے مسلمان کی نشانی ہے۔

جب میں ہمایوں کے مقبرہ کیمپ میں تھا۔ تو روزانہ حضرت مولانا یوسف کی مجلس میں شام کو چلا جاتا وہ حیاۃ الصحابہ میں سے کچھ پڑھتے اور کچھ دیر تک خود بیان کرتے۔ حضرت مولانا یوسفؒ رمضان شریف کی تراویح میں قرآن شریف ایسا پڑھتے جیسے فرضوں کی قرأت ہو کبھی لقمہ دینے کی نوبت ہی نہ آتی۔ نظام الدین میں مغرب کے بعد پہلے مفتی زین العابدین صاحب یا حضرت شاہ عبدالعزیز بیان فرماتے پھر حضرت کا بیان ہوتا۔ حضرت مولانا یوسفؒ کو امت کا بڑا غم تھا۔ گھنٹوں تقریر کرتے دعا بہت لمبی ہوتی تھی۔ مضامین غیب سے آتے تھے۔ دن رات دعوت کا کام اور پھر سفر پر سفر کیے۔ آخر میں جمعہ کے بعد بلال پارک لاہور میں تقریر کرتے ہوئے طبیعت خراب ہوئی اور انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

تقسیم ہند کے چار ماہ بعد ہم بمبئی کے راستے کراچی آئے۔ پاکستان آنے کے بعد الحمدللہ تبلیغ کے کام میں برابر دلچسپی رہی اور رائے ونڈ میں ہر سال اجتماع میں جانا ہوتا۔ پھر بہت سے سفر جماعت کے ساتھ کیے۔ مشرقی پنجاب میں مساجد کی بے حرمتی ہوئی۔ حضرت مولانا محمد یوسفؒ دلی ہی میں رہے۔ ہندوؤں نے تلاشیاں شروع کیں۔ ان کی خفیہ پولیس بھی موجود رہتی تھی۔ مگر وہاں ذکر رہتا ہمیشہ آخرت کا، جنت، دوزخ کا ان کے کچھ سمجھ میں ہی نہ آتا۔ حضرت جی نے پھر مشرقی پنجاب میں بھی جماعتیں بھیجنا شروع کیں۔ ان کو تکالیف بھی دی گئیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی کھلی مدد دیکھنے میں آئی۔ ہندو بھی تبلیغی جماعت کو جگت سدھار جماعت کہنے لگے اور اجتماعات میں شرکت کرنے لگے۔

قیام پاکستان کے بعد!

میں دسمبر 1947ء کے آخر میں پانی کے جہاز سے کراچی پہنچا۔ رفتہ رفتہ عزیز واقارب بھی کراچی پہنچ گئے۔ شام کو مکی مسجد جانا ہوتا، جو بہت چھوٹی سی تھی۔ تبلیغی احباب اکٹھے ہوئے، حاجی احمد شاہ مرحوم امیر تھے۔ حاجی عبدالجبار صاحب مرحوم جو کراچی کے ممتاز تاجر تھے۔ سرپرستی

کرتے۔ بھائی بشیر صاحب ٹیلی فون والے بھائی عبدالوہاب صاحب، بھائی خدا بخش صاحب تبلیغ میں شروع ہی سے سرگرم ہو گئے۔ میمن برادری کے لوگ نفرت کرنے لگے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب بھی اکثر وعظ فرماتے۔ لوگ رات کو مسجد میں ہی ٹھہرنے لگے۔ جماعتوں کی نقل وحرکت شروع ہوئی۔

حیدر آباد سندھ میں ایک کالج میں پڑھاتا تھا جمعرات کو تبلیغی جماعت کا چھوٹا سا اجتماع فقیر جو پڑی مسجد میں ہوتا۔ سندھی لوگ جھونپڑیوں میں رہتے تھے۔ اکثر مساجد غیر آباد تھیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب بھی حیدر آباد تشریف لاتے۔ انہوں نے ساری زندگی تبلیغی سفروں میں گزاری۔

فروری 1949 میں آر پی اے ایف کالج رسالپور ٹریننگ کے لئے گیا۔ اور پہلی تعیناتی کوہاٹ میں ہوئی۔ اگست 1949ء میں کوہاٹ پہنچا۔ کوہاٹ میں کچھ لوگ جمعرات کو اسٹیشن والی مسجد میں جمع ہوتے پھر ہفتہ اتوار کو پٹھانوں کے ساتھ قریب کے دیہات وغیرہ سائیکل پر چلا جاتا۔

اپریل 1950ء میں میرا تبادلہ کراچی ہو گیا۔ ملیر چھاؤنی رہتے ہوئے بھی میں برابر مکی مسجد کراچی جاتا رہتا۔ حضرت مولانا یوسف رحمتہ اللہ علیہ دلی سے تشریف لائے اور مکی مسجد میں قیام فرمایا۔ میں میس کے فنکشن میں جاتا تو ایک آدھ افسر کو مسجد جانے کی دعوت دیتا رہتا۔ اور ساتھ ہو لیتے۔

ستمبر 1951ء میں میرا تبادلہ کوہاٹ ہو گیا۔ جمعرات کو چشمے والی مسجد میں تبلیغی اجتماع ہوتا۔ کوہاٹ میں ایک اجتماع ہوا میں اور ایک پرانے مبلغ حاجی شاہ جہان صاحب بھی جماعت لے کر گئے۔ وہاں حاجی زین شاہ سے ملاقات ہوئی۔ جو بعد میں کئی ملکوں میں گئے اور پیدل شمالی افریقا کا سفر بھی کیا۔ بعض دفعہ جن لوگوں کو دعوت دی جائے وہ دعوت دینے والوں سے آگے نکل جاتے ہیں۔

جولائی 1952ء میں لاہور تبادلہ ہو گیا۔ لاہور قیام کے دوران ہر جمعرات کو میں سائیکل پر سوار بلال پارک تبلیغی مرکز پہنچ جاتا۔ ان دنوں حاجی ارشد صاحب ٹیلی فون والے لاہور ہی میں مقیم تھے۔ بڑے نیک صالح انسان تھے۔ تبلیغ کے میوات کے ایک سفر میں اونٹ سے گرے۔ میواتی سمجھے کہ اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے۔ وہ بیمار رہے۔ ہسپتال میں قرآن شریف حفظ کرلیا۔

ساری زندگی دین کی محنت میں گزاری۔ جاپان جماعت لے کر گئے۔ لاہور میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ بھی بلال پارک میں وعظ فرماتے اس وقت رائے ونڈ کا مرکز چھوٹا سا تھا مگر بھائی عبدالوہاب، حاجی مشتاق صاحب اور میاں جی عبداللہ نے وہیں ڈیرے ڈال لئے تھے۔ ایک اجتماع 1952ء میں ملتان میں سیوابرالی مسجد مرکز میں تھا۔ حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ بھی دلی تشریف لے آئے تھے۔ میں پندرہ دن کی جماعت کے ساتھ گیا۔ ملتان میں حاجی بشیر احمد بیمار تھے اور اسپتال میں داخل تھے۔ ایک جماعت ان کے پاس بھی گئی کہ امریکا جانے کے لئے تیار ہو جائیں۔ وہ صحت یاب ہو کر پہلی جماعت امریکا 1954ء میں لے کر گئے۔ ساری عمر دین کی خدمت میں لگا دی۔ اللہ نے خوب سمجھ عطا فرمائی اور ان کے کئی صاحبزادے عالم بن گئے۔

میرا اجتماعات کے موقع پر اکثر رائے ونڈ جانا ہوتا رہا۔ مکی مسجد کراچی میں بھی حضرت مولانا یوسف رحمتہ اللہ علیہ اور مولا عبیداللہ صاحب تشریف لاتے۔ میں رمضان المبارک کی ایک رات سندھ کے ریگستان میں سکرنڈ میں گزاری۔ ایک مرتبہ حضرت اقدس مولانا عبدالستار رائے پوری کے ہاں دھڑ پال سرگودھا جانے کا اتفاق ہوا۔ اتفاقاً بھائی عبدالوہاب صاحب رائے ونڈ سے پہنچے ان کو سائیکل پر بٹھا کر بھلوال ریلوے اسٹیشن پہنچانا ہوا۔ ایک دفعہ میں نے حضرت اقدس رائے پوری کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجھے گلے لگا رہے ہیں۔ اکثر حضرت مولانا یوسفؒ کو بھی خواب میں دیکھتا رہا۔

پہلا سفر حج!

اگست 1954ء میں کوہاٹ پہنچا تو آفیسر میس میں رہنا پڑا۔ ڈیوکمانڈر گروپ کیپٹن عبدالحمید مراد تھے۔ وہ کالے قسم کے انگریز تھے رات بھر کلب میں شراب پیتے۔ صبح دس بجے آ کر سب پر غصہ نکالتے، حاجی عبدالحمید ڈائریکٹر ٹیلی فونز ایک مرتبہ کوہاٹ تشریف لائے اور کہنے لگے۔ ٹھیک، تم کہا مانتے رہو جو دین کے خلاف چلے گا اس سے اللہ تعالیٰ کا مقابلہ ہے۔ میں نے گروپ کیپٹن مراد کے رویے پر صبر کیا اور ان کے حق میں دعا ہی کرتا رہا۔ رائے ونڈ اجتماع پر گیا تو حضرت مولانا یوسفؒ نے حزب الاعظم پڑھنے کو بتایا اور حج پر جانے کو کہا۔ میں نوکری سے بیزار تو تھا ہی میں نے حج پر جانے کی درخواست دے دی۔ ایک انگریز افسر نے درخواست منظور کر بھی لی۔ اگر مراد صاحب اتنا تنگ نہ کرتے تو شاید حج کی سعادت نہ ملتی۔ وہ میرے صحیح خیر خواہ ثابت

ہوئے۔ 1955ء میں بحری جہاز کے ذریعے حج کے لئے روانہ ہوا۔ حاجی کیمپ میں خوب رونق تھی۔ سب خوش تھے۔ مولانا عبدالمالک صاحب نے بتایا کہ حاجی کا ایک ہی ترانہ ہے۔ ''لبیک اللھم لبیک'' اور اللہ ہی وکیل ہے۔ رات کو مکہ معظمہ پہنچے۔ تو میاں جی عبداللہ میواتی ساتھ تھے روتے دھوتے تھے۔ سب میواتیوں کو منع کرتے تھے کہ سگریٹ نہ پیا کرو۔ بیڑی نہ پینا، حقہ چھوڑ دو۔ حضرت جی مولانا یوسف کا اور مولانا عبداللہ اور مولانا انعام الحسن صاحبؒ بھی اسی سفر میں تھے۔ بھائی عبدالوہاب صاحب، حاجی بشیر احمد صاحب غرض پوری جماعت تھی۔ امیر کراچی حاجی احمد شاہ بھی ساتھ تھے۔ رات کو سخت گرمی ہوتی، نیند نہ دن کو آتی نہ رات کو۔ تعلیم اور تبلیغ گشت کے لئے برما کے مہاجروں کے مجمع میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہ اردو سمجھتے تھے۔ ہر جمعرات کو مسجد شہدا میں تبلیغی اجتماع ہوتا۔ امیر محمد علی صاحب سب کو دال پکا کر کھلاتے۔ حضرت جی کا بیان ہوتا وقت لگانے کا مطالبہ ہوتا۔

مشرقی پاکستان میں اجتماع!

1955ء کے آخر میں ایک ہفتے کی چھٹی لے کر مشرقی پاکستان گیا۔ یہ مشرقی پاکستان کا پہلا سفر تھا۔ کاکریل رضا میں تبلیغی جماعت کا اجتماع تھا۔ اس میں شرکت کی۔ حضرت مولانا یوسفؒ نے بیان فرمایا۔ لمبی دعا مانگی۔ حضرت جی کا قیام بھائی ابوالکلام تاجر دلی کے یہاں ہوا تو بھائی عبدالوہاب صاحب نے حضرت کے پیچھے فجر کی نماز ادا کرنے کھڑا کر دیا۔ انہوں نے سورۂ صف اور سورۂ منافقون کی تلاوت فرمائی۔ ہر لفظ دل میں اترتا محسوس ہوا۔ وہ جب اللہ اکبر کہتے تو نہایت جلال کی کیفیت ہوتی۔ حضرت کی تقریر الہامی ہوتی تھی۔ ایسی باتیں کسی کتاب میں پڑھنے کو نہ ملتی تھیں۔

دوسری بار مشرقی پاکستان تبلیغی اجتماع میں شرکت کے لئے جنوری 1965ء میں جانا ہوا۔ سردی میں ظہر کے بعد حضرت مولانا یوسفؒ کا بیان ہوا۔ عجب نورانی منظر تھا۔ بڑے سکون سے لوگ حضرت کا بیان سنتے رہے اس سفر میں حاجی شفیق صاحب لاہور والے اور محمد شفیع قریشی صاحب اور بھائی عبدالوہاب صاحب ساتھ تھے۔ ایک رات مجھے نزلہ بخار رہا تو بھائی عبدالوہاب بہت بے چین رہے۔ یہ حضرت مولانا یوسفؒ کا مشرقی پاکستان کا آخری سفر تھا۔

عمرے کا سفر!

1961ء میں عمرے کے لئے مکی مسجد سے تبلیغی جماعت تیار ہوئی کوئی سترہ آدمیوں کا قافلہ تھا۔ سفر بحری جہاز کے ذریعے تھا۔ میواتی لوگ بھی ساتھ تھے اور مدرسہ صولتیہ میں قیام رہا۔ کوئی کرایہ وغیرہ نہ دینا پڑا۔ حضرت مولانا یوسف صاحب اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب ساتھ تھے۔ محمد شفیع صاحب امیر پاکستان اور بھائی عبدالوہاب صاحب کا بھی وہیں قیام رہا۔ صبح کا بیان اور تعلیم حضرت مولانا یوسف صاحب‘ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی مسجد میں فرماتے۔

1961ء میں پھر حج پر جانے کی سعادت ملی۔ حج کے کچھ دنوں بعد مدینہ طیبہ میں حاضری کا موقع ملا۔ مولانا انعام الحسن محمد شفیع قریشی صاحب امیر پاکستان اور بھائی عبدالوہاب صاحب کا اور قاضی عبدالقادر صاحب مرحوم بھی وہیں قیام پذیر تھے۔ حضرت مولانا زکریاؒ بھی وہیں تشریف رکھتے تھے۔ والدہ محترمہ اور میں پھر حضرت مولاناؒ انعام الحسن صاحب سے بیعت ہوئے۔

ونگ کمانڈر حسن الدین مجھے 1969ء میں اپنے ساتھ مشرقی پاکستان کے دورے پر لے گئے۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کے حالات خراب تھے۔ امریکن پروفیسر اور پندرہ اساتذہ بنگالیوں کو مغربی پاکستان کے خلاف بھڑکاتے تھے۔ اس قومی نفرت کے باوجود میرے تبلیغی دوست بڑی محبت سے پیش آتے۔

ساری محبت تو دین سے پیدا ہوتی ہے۔ لاکھ یگانگت کے گیت گائے جائیں۔ جب تک ایک مقصد پر جمع نہ ہو جائے اتحاد باقی نہیں رہتا۔ اسلام کے نہ ہونے سے ہی تو کام خراب ہوا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اسلام کے ہوتے ہوئے مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔ یہ سب کچھ دشمنوں کی سازش تھی۔

مئی 1975ء میں ایئر ہیڈکوارٹر بلالیا گیا۔ پنڈی قیام میں میری بیٹی حبیبہ کا نکاح آصف حسین (بعد میں ونگ کمانڈر) سے ہوا۔ جس نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ بڑی دل جمعی سے ادا کرتے تھے۔ میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ اپنی بیٹی کا نکاح ان ہی سے کروں گا۔ نہ کوئی جوڑا نہ کوئی سہرا نہ کوئی رسم ادا کی گئی بعد میں دونوں میاں بیوی امریکا اور جنوبی افریقا کے دورے پر چلے گئے۔ سیدھی سادی زندگی بسر کرتے ہیں۔

اپریل 1988ء میں اوجڑی کیمپ کا حادثہ پیش آیا۔ راولپنڈی اسلام آباد میں تباہی پھیل گئی۔ میزائلوں کے ذخیرے میں زبردست دھماکا ہوا۔ سارے ملک میں خوف وہراس پھیل گیا۔

یہ حادثہ غفلت کی وجہ سے ہوا تھا۔ میجر جنرل جاوید ناصر نے زبردست کارنامہ کیا۔ آتش گیر مادے پر قابو پالیا۔ سب کو پہلے نماز پڑھائی، پانی کے سیلاب سے بارود کو ٹھنڈا کیا۔ پھر میزائلوں کو تباہ کرایا۔ یہ ایک مردِ مومن ہی کا کام تھا۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی۔ امریکا تو کہتا تھا کہ یہ کام چھ ماہ میں بھی پورا نہیں ہو سکے گا۔ جب جاوید ناصر صاحب لیفٹیننٹ جنرل ہو کر آئی ایس آئی کے سربراہ ہو گئے تو امریکا کو ان سے خطرہ لاحق ہوا۔ فوج سے ریٹائرڈ کر دیا گیا۔ مگر ان کی آخرت کا نفع ہو گیا۔ وہ دین کے کام میں لگ گئے۔ اور تبلیغی دورے کرتے رہے۔

میں لندن میں تھا۔ تبلیغی جماعت کے اجتماع کے لئے ہر ہفتے ایسٹ لندن جانا ہوتا۔ مقامی گشت ویمسلے اور برنٹ میں ہوا۔ میرا پوتا عمر ساتھ تھا۔ عمر پاکستان میں تین چلے بھی لگا چکا تھا۔ لندن میں بے حیائی، منی اسکرٹیں، سڑکوں پر آشنائی، شراب، حرام گوشت دیکھ کر افسوس ہوتا۔ مردوں کے لمبے لمبے بال، عورتوں کے مردانہ لباس، جہاں جاؤ عورتیں ہاتھ ملانے کو ہاتھ بڑھا دیتی ہیں میں کبھی ہاتھ نہ ملاتا۔

رائے ونڈ!

پاکستان بننے کے بعد ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایک مرکز ایسا بھی ہو جہاں دین سیکھنے اور پھیلانے کے لئے ہر وقت کچھ احباب موجود ہوں۔ چنانچہ بھائی عبدالوہاب، بھائی مشتاق صاحب اور میاں جی عبداللہ نے رائے ونڈ اسٹیشن کے پاس ہی ڈیرے ڈال لئے۔ کچھ میواتی اس علاقے میں بس گئے تھے۔ رفتہ رفتہ ایک مسجد بنی، پھر اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ حضرت مولانا یوسفؒ ہر سال پاکستان آنے لگے۔ رائے ونڈ تبلیغی مرکز بن گیا۔ ہر سال اجتماعات میں زیادہ سے زیادہ لوگ شریک ہونے لگے، تو سالانہ اجتماعات مرکز سے دور میدان میں کرنے پڑے۔ ٹاٹ جوڑ کر دن کی دھوپ اور رات کی سردی سے بچنے کے لئے ایک لمبا چوڑا سائبان سا بنا لیا جاتا۔ نالیاں کھود کر پلاسٹک بچھا کر وضو استنجے وغیرہ کا انتظام ہو جاتا تھا۔ دکانیں بھی لگ جاتیں۔ کوئٹہ پشاور کراچی سے بسیں، گاڑیوں کی قطاریں لگ جاتیں۔ ہوائی جہاز بیرونی ممالک سے چارٹر ہو کر آنے لگے۔ ترکی سے، عرب ممالک سے، ملائیشیا سے، وسطی ایشیا سے بھی مہمان کثرت سے آنے لگے۔ بعض دفعہ دس دس پندرہ پندرہ ہزار مہمان اسی نوے ممالک سے آ جاتے۔ فجر اور مغرب کے بعد بیان ہوتے۔ عربی اور انگریزی بولنے والوں کے الگ الگ حلقے لگتے۔

رائیونڈ کے اجتماعات میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں ہر خیال، ہر طبقے کے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ صدر پاکستان، وزیراعظم پاکستان، تاجر، افسر، فوجی، مزدور، جوان، بوڑھے، سب شرکت کرتے ہیں۔ بیرونی ممالک کے احباب کے لئے خاص بندوبست کیا جاتا ہے تاکہ ان کو زیادہ مشقت نہ اٹھانی پڑے۔ لاکھوں روپیہ خرچ کر کے یہ لوگ اپنے ممالک کو، آراستہ گھروں کو چھوڑ کر آتے اور رائے ونڈ کی ریت پر بستر بچھا دیتے ہیں۔ بھلا کرے اللہ تعالیٰ، نواز شریف کا انہوں نے دو طرفہ سڑکیں بنوادیں۔ رائے ونڈ سے ٹھوکر نیاز بیگ تک دونوں جانب درخت لگوادیئے۔

رائے ونڈ کے اور دیگر اجتماعات میں جتنے بیانات ہوئے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ذکر اور آخرت کا بیان ہوتا جنت کے تذکرے ہوتے۔ قرآن کریم اور احادیث کی روشنی میں علماء ہجرت اور نصرت کے فضائل بیان کرتے۔ انبیاءؑ کی زندگی کے حالات اور واقعات بیان کئے جاتے اور سارا زور تبلیغ کرنے پر دیا جاتا۔ کروڑوں آدمیوں کی زندگی بدلنے کے لئے لاکھوں کی تو ضرورت ہے۔ ہم مسلمان برائے نام مسلمان رہ گئے ہیں۔ اکثر کلمہ تک سے غافل، فرائض سے غافل، دین سے بے بہرہ ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ تبلیغ تو کافروں کو کرنی چاہئے۔ وہ شاید بھول جاتے ہیں کہ دین اسلام کے پھیلنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہم مسلمان ہی ہیں۔ نہ خود دین پر چلتے ہیں نہ دوسروں کو دعوت دینے کے اہل ہیں۔ ہماری زندگی خود غرضی کی بن کر رہ گئی ہے۔ آج مسلمان اور غیر مسلم کا طرز فکر، طرز عمل، طرز بود و باش میں فرق ہی نہیں رہا۔ مفتی زین العابدین فرماتے ہیں یہ بڑی نادانی ہے اگر ہم اپنے آپ کو آزاد تصور کریں۔ ہم تو اللہ کے بندے ہیں پھر کیسے اپنے آپ کو اور کائنات کو اللہ تعالیٰ سے پوچھے بغیر استعمال کر سکتے ہیں۔

مولانا سعید احمد خان دعوت کے کام کی برکات کھول کھول کر بیان فرماتے اور بتاتے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی کیسے مدد فرمائی۔ بھائی عبدالوہاب کا سارا بیان ایک ہی موضوع پر ہوتا تھا اور وہ یہ کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو اپنا کام بنائیں۔

تبلیغ کا کام بھی خوب کام ہے گھر کا ایک آدمی لگ جائے پھر سارے متوجہ ہو جاتے ہیں۔ پہلے تو ذرا مخالفت ہوئی پھر سب قائل اور مائل ہو جاتے ہیں۔ میری والدہ محترمہ مجھ سے زیادہ دین کے کام میں لگ گئیں۔ میرے صاحب زادے معین الحق اور عرفان الحق چلّے دینے لگے۔ میرے

داماد ونگ کمانڈر آصف حسین اور میری بیٹی بیرون ملک سے ہو کر آئے۔ میرا پوتا عمر انگلینڈ سے آ کر تین چلّے لگانے چلا گیا۔ میرے بھائی امین الحق جرمنی اور انگلینڈ میں دورے کرتے رہے۔ خاندان کے اور افراد بھی تبلیغ سے وابستہ ہو گئے۔ چھوٹے صاحبزادے عرفان الحق کو تبلیغ کا بہت شوق ہے۔ چھوٹی سی عمر میں جماعتوں میں جانا شروع کر دیا۔ گشت کر کے لوگوں کو جمع کر لیتے۔ عرفان الحق مدرسہ رائے ونڈ میں داخل ہوئے۔ جون 1988ء میں رائے ونڈ گیا اور تعلیم کے حلقے میں بیٹھا تھا کہ عرفان الحق کی موت کی خبر ملی۔ اب بھی جب رائے ونڈ جاتا ہوں تو پہلے قبر پر فاتحہ پڑھتا ہوں۔ ہم نے اس کی قدر نہ کی۔

عرفان کی قبر کے مقابل سڑک پار حاجی محمد بشیر صاحب کی بھی قبر ہے وہاں بھی حاضری دیتا ہوں۔ ان کو دلی سے جانتا تھا۔ وہ نہایت ذہین اور محنتی آدمی تھے۔ ایک مرتبہ میواتی جماعت کے ساتھ اٹھارہ میل پیدل نصرت کے لئے چلے۔

الحمدللہ! اب ہر طبقے میں دین کی محنت جاری ہے۔ صنعت کاروں میں، تاجروں میں، ڈاکٹروں میں، پہلوانوں میں، کھلاڑیوں میں، سول اور فوجی محکموں میں، سب کے اجتماعات ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ جو بھی طبقہ دین سے محروم رہے گا نقصان کا باعث بنے گا۔ آج کل زمین داروں کی جماعت خوب سرگرم عمل ہے یہ لوگ اپنی گاڑیاں وغیرہ لے کر آتے ہیں۔ 15 دن کے لئے۔ ان کے ساتھ مولانا طارق جمیل صاحب ہوتے ہیں نہایت ہی ہونہار اور ذہین، حافظ القرآن ہی نہیں بلکہ محدث بھی ہیں۔ خوب عربی بولتے ہیں۔ دین پر مر مٹنے کے جذبے کو تازہ کرتے ہیں۔ دعا میں بے حد عاجزی اور زاری ہے۔ زمینداروں کی جماعت میں ملتان کے جنرل حمزہ اور بریگیڈیئر صدیق برابر لگے رہتے ہیں۔

جب بھی رائے ونڈ جاتا ہوں۔ الزمان صاحب سے ملنے کی کوشش کرتا ہوں وہ چیف سیکریٹری آزاد کشمیر رہ چکے ہیں۔ بہت سارے ملکوں میں سفر کر چکے ہیں۔

رائے ونڈ کے اجتماع میں ہندوستان کے ممتاز علماء آتے تھے۔ مولانا عمر پالن پوری دلی سے تشریف لاتے۔ مولانا کا بیان پر اثر ہوتا۔ کئی دفعہ دیکھا کہ جب حضرت مولانا یوسفؒ یا حضرت انعام الحسن دعا مانگتے تھے تو ایک عجیب نورانی فضا پیدا ہو جاتی تھی۔ جو لوگ امت کی اصلاح کے لئے اپنی جان اور اپنا مال لگا رہے ہیں ان کے لئے سب ہی دعا کرتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں میں

ان کی محبت پیدا ہو رہی ہے۔

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کا کوئی لٹریچر نہیں ہے۔ یہ عملی کام ہے حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب فرماتے تھے کہ جو کتابیں بیٹھ کر لکھی جاتی ہیں وہ لوگ لیٹ کر پڑھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ساری امت کی اصلاح کی فکر کا ایک اہم کام پاکستان میں ہو رہا ہے۔ میں کبھی کبھی رائے ونڈ چلا جاتا ہوں۔ وہاں پہنچ کر ایک ہی فضا نظر آتی ہے۔ سیدھی سادی زندگی، اللہ کا ذکر و عبادت، کوئی فکر ہی نہیں، سب دین کے لئے محنت اور آخرت کی فکر، بھائی عبدالوہاب ہمہ وقت یہی فرماتے رہتے ہیں کہ ہماری زندگی کا مقصد دعوت الی اللہ ہے۔ ہمیں اسی لئے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔

شہاب ایک نظر میں

نام: سید مسعود حسن

تخلص: شہاب

مشہور نام: شہاب دہلوی

والد: سید منظور حسن رضوی (مصنف)

تایا: سید محمود حسن رضوی (مصنف و شاعر)

دادا: سید میر حسن رضوی (مدیر اخبار، خیر خواہ عالم مالک مطبع رضوی)

نانا: میر افضل حسن (شاعر، مصنف، ریاست بہاولپور)

برادر نانا: میر ناصر علی (مصنف، سپرنٹنڈنٹ پولیس بہاولپور)

والد نانا: میر اشرف علی (اتالیق نواب صادق محمد چہارم، میر منشی)

ولادت شہاب: ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۲ء مطابق ۲۸ صفر ۱۳۴۱ھ بروز جمعہ، بارہ بج کر پچیس منٹ، دہلی

برادران: منصور حسن، مودود حسن، ودود حسن، ظہیر حسن۔

تعلیم: ادیب فاضل، بی اے۔

شاعری میں استاد: حیدر دہلوی (شاگرد امرناتھ ساحر شاگرد مرزا غالب)

شادی: ۴ مئی ۱۹۴۷ء (دہلی کرفیو کے دوران)

زوجہ: قمر بیگم شہاب (ماموں زاد)

پسران: شہود، مشہود، شاہد، زاہد، عابد

دختران: سعیدہ، رشیدہ، غزالہ

ہجرت: اکتوبر ۱۹۴۷ء

ملازمت: آرمی ایجوکیشن انسٹرکٹر۔ (دہلی ۱۹۴۰ء) انفارمیشن آفیسر (لاہور ۱۹۵۸ء)

ادارت: الہام مئی ۱۹۴۰ء تا اگست ۱۹۴۷ء...... ۱۴ جون ۱۹۴۸ء تا ۲۹ اگست ۱۹۹۰ء (الزبیر شمارہ ۴) ۱۹۶۲ء تا شمارہ ۲۵، ۱۹۹۰ء

لوکل گورنمنٹ ریویو (قلیل مدت در ۱۹۵۸ء)

اعزازات: تمغہ خدمت (مفوضہ از ایوب) پستول لائسنس فری (مفوضہ از صدر ایوب)

امراض: گردے کا آپریشن (۷ جون ۱۹۶۷ء) دل کا دورہ (۱۲ دسمبر ۱۹۸۴ء) فالج پہلا حملہ (۲۸ اکتوبر ۱۹۸۶ء) فالج دوسرا حملہ (۱۰ اپریل ۱۹۸۹ء)

رحلت: ۲۹ اگست ۱۹۹۰ء بروز بدھ چار بجے صبح (بہاولپور وکٹوریہ ہسپتال بہاولپور)

نماز جنازہ: براقتدا مولانا فیض احمد اویسی بہ مقام فرید پارک، چوک سرائیکی بہاولپور، شام پانچ بج کر اٹھاون منٹ پر۔

تدفین: آبائی قبرستان پیر حامد چشتی عقب شیر باغ بہاولپور۔ شام چھ بج کر پینتیس منٹ پر

عمر: بہ حساب شمسی سڑسٹھ سال دس ماہ دس دن۔ بحساب قمری انہتر سال دو ماہ اٹھائیس دن۔

عملی خدمات:

میونسپل کمشنر، بہاولپور

سرپرست: انجمن ملازمین میونسپل کمیٹی۔

چیئرمین: یونین کمیٹی بہاولپور

وائس چیئرمین: بلدیہ بہاولپور

صدر: مسلم لیگ بہاولپور، پریس کلب بہاولپور۔ حلقہ ارباب ادب (مستقل) انجمن مدیران جرائد

نائب صدر: بلدیہ بہاولپور

کنوینر: تعلیمی کمیٹی، بلدیہ بہاولپور

سیکریٹری: مجلس اتحاد ملت، دہلی، انجمن مدیران جرائد، بہاولپور اردو اکیڈمی بہاولپور (تا رحلت)

بانی رکن: بہاولپور پریس کلب

رکن: آل پاکستان لیگ کونسل۔ مجلس عاملہ مسلم لیگ بہاولپور۔ پاکستام فیڈرل یونین آف جرنلسٹ۔ پریس مشاورتی کمیٹی بہاولپور۔ انجمن حزب اللہ بہاولپور۔ بورڈ آف اسٹڈیز شعبہ اردو۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور۔ امپروومنٹ ٹرسٹ بہاولپور۔ ڈویژنل کونسل بہاولپور۔ ڈسٹرکٹ کونسل بہاولپور۔ بلدیہ بہاولپور۔

نامہ نگار: جنگ، کوہستان، پاک جمہوریہ، پی پی آئی۔

مالک: مکتبہ الہام بہاولپور۔

علمی خدمات۔

(۱) موج نور (نعت منقبت)

(۲) نقوش شباب (غزلیں، نظمیں)

(۳) گل و سنگ (غزلیں، نظمیں)

(۴) جنگ نامہ (رزمیہ مثنوی)

(۵) بہاولپور کی سیاسی تاریخ (سیاسیات) مکتبہ الہام ۱۹۷۷ء

(۶) بہاولپور کی سلمیت (سیاسیات) مکتبہ الہام ۱۹۵۸ء

(۷) اولیائے بہاولپور بار دوم (تاریخ) اردو اکیڈمی ۱۹۸۴ء

(۸) خطہ پاک اوچ بار سوم (تاریخ) اردو اکیڈمی ۱۹۹۲ء

(۹) بہاولپور میں اردو (تنقید) اردو اکیڈمی ۱۹۸۲ء

(۱۰) خواجہ غلام فرید (تنقید) اردو اکیڈمی ۱۹۶۳ء

(۱۱) لطائف سیریہ (ترجمہ)

(۱۲) تکملہ سیر الاولیاء (ترجمہ)

(۱۳) مشاہیر بہاولپور (خاکہ) مکتبہ الہام ۱۹۸۴ء

(۱۴) سفر ہی سفر (سفرنامہ) اردو اکیڈمی ۱۹۸۹ء

(۱۵) وادی جمنا سے وادی ہاکڑہ تک (سوانح) مکتبہ الہام

(۱۶) سابق ریاست بہاولپور کی قدیم سرکاری اردو دستاویزات۔ مقتدرہ قومی زبان ۱۹۹۲ء

شہاب دہلوی

خاندانی پس منظر اور حالات زندگی

سید مسعود حسن شہاب دہلوی 20 اکتوبر 1922ء کو دہلی کے علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ شعر و ادب اور صحافت کا شوق انہیں ورثے میں ملا تھا۔

ددھیال

آپ کے والد سید منظور حسن رضوی اگرچہ سرکاری ملازم تھے لیکن ان کا محبوب مشغلہ تصنیف و تالیف تھا۔ آپ کے تایا سید محمود الحسن اثر ایک صاحبِ طرز ادیب اور بلند پایہ شاعر تھے۔ جبکہ دادا سید امیر حسن رضوی صرف ادیب ہی نہیں صحافی بھی تھے۔ انہوں نے 1871ء میں ’’خیر خواہ عالم‘‘ کے نام سے ایک اخبار جاری کیا جو ان کے مطبع ’’مطبع رضوی‘‘ سے شائع ہوتا تھا۔ اس میں ہفتہ بھر کی خبروں کے علاوہ ادبی مضامین اور نظمیں بھی ہوتی تھیں۔ اسی زمانے میں انہوں نے ایک مزاحیہ اخبار ’’چلتا پرزہ‘‘ کے نام سے جاری کیا۔ جس کے عملہ ادارت میں مولانا عبدالرحمن راسخ اور سید جالب دہلوی جیسے صحیفہ نگار شامل رہے۔ شہاب دہلوی کے پھوپھا نواب سعدالدین حیدر ریاست گوالیار کے وزیر قانون تھے ان کی پھوپھی بھی لکھنے لکھانے میں کمالِ مہارت رکھتی تھیں۔ ان کے تایا سید محمود الحسن جو اپنے وقت کے بلند پایہ لکھاری تھے ایک زمانہ تک نواب خیر پور کے مصاحبِ خاص رہے۔ شہاب دہلوی کے والد سید منظور حسین رضوی کے چھوٹے بھائی سید مقبول

حسین جن کا آخری وقت بھاولپور میں گزرا وہ بھی لکھنے لکھانے میں شوق رکھتے تھے۔ شہاب دہلوی کو مولانا عبدالسلام جیسے استاد سے پڑھنے کا موقع ملا اور شاعری میں خیام ہند حضرت حیدر دہلوی جیسے عظیم شاعر کی شاگردی نصیب ہوئی۔

ننھیال

ننھیال میں شہاب صاحب کے نانا میر افضل حسن جو ریاست بھاولپور میں منصف تھے اپنے وقت کے خوش فکر شاعروں میں سے تھے۔ یہ اپنے والد میر اشرف علی مرحوم جو امیر بھاولپور صادق محمد خان رابع کے اتالیق تھے کے انتقال کے بعد یہیں ملازم ہو گئے تھے ان کے چھوٹے بھائی میر ناصر علی مرحوم بھی سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے۔ نظم ونثر دونوں لکھتے تھے۔ انہوں نے ہی سب سے پہلے بھاولپور کا جغرافیہ لکھا تھا جو کافی عرصہ تک ریاست کے مدارس میں داخل نصاب رہا۔ آپ کے نانا میر افضل حسن بھاولپور کی سب سے پہلی سماجی انجمن کے بانی اور روح رواں تھے۔ ان کی غزلیں اور نظمیں وقتاً فوقتاً ریاست کے اخبار ''صادق الاخبار'' میں شائع ہوتی تھیں۔

سماجی زندگی:۔

قیام پاکستان کے بعد شہاب دہلوی مرحوم بھاولپور تشریف لائے اور ''الہام'' کا اجراء کیا۔ شہاب دہلوی انجمن مدیران جرائد دہلی کے جنرل سیکریٹری مجلس اتحاد ملت دہلی کے جنرل سیکریٹری رہے ہیں۔ 1949ء میں پہلی بار اصلاحات نافذ ہوئیں۔ بلدیہ کے انتخابات میں حصہ لیا اور میونسپل کمشنر اور وائس چیئرمین منتخب ہوئے۔ بھاولپور مسلم لیگ کی مجلس عاملہ اور آل پاکستان لیگ کونسل کے رکن رہے۔ کئی مرتبہ ڈھاکہ اجلاسوں میں جانا ہوا۔ صدر ایوب کے دور میں یونین کمیٹی کے چیئرمین اور میونسپل کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ اور اسی دور میں ڈسٹرکٹ کونسل اور ڈویژن کونسل بھاولپور کے رکن رہے۔

صدر ایوب نے سماجی خدمات کے اعتراف میں سند اور لائسنس فری پستول دیا۔ پریس کلب بھاولپور کے کئی بار بلا مقابلہ صدر منتخب ہوئے۔ بھاولپور میں اردو کانفرنس منعقد کرائی جس میں مولوی عبدالحق جیسے اکابرین نے شرکت کی۔ اردو اکیڈمی بھاولپور کے 45 سال تک روح رواں رہے۔ مہاجرین کی بھاولپور میں آبادکاری میں خصوصی دلچسپی لی۔ کچھ عرصہ سرکاری ملازمت

سے وابستہ رہے اور ایک سرکاری رسالے کے ایڈیٹر بھی رہے۔

محکمہ تعلقاتِ عامہ میں انفارمیشن آفیسر کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ملازمت ترک کر دی۔ کئی ایک اخبارات اور نیوز ایجنسیوں سے بھی وابستہ رہے۔ پریس کلب بھاولپور کے بانی ارکان میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ سٹلائیٹ ٹاؤن بھاولپور کی تعمیر کے وقت صحافیوں کے لئے پلاٹ مخصوص کرائے لیکن خود کوئی پلاٹ نہ لیا۔ بیس سے زائد کتب کے مصنف ہیں اور اپنی پچاس سالہ صحافتی زندگی میں سیکڑوں مضامین، کالم، اداریے اور نظمیں، غزلیں سپردِ قلم کیں۔ بھاولپور میں آپ کے بغیر کوئی تقریب سجتی نہیں تھی۔ دل کے مریض تھے۔ دو مرتبہ فالج کا حملہ ہوا لیکن قلم بدستور چلتا رہا آخر کار صحافت کا یہ دریا 29 اگست 1990ء کو بروز بدھ خاموش ہوگیا۔ سوگواران میں پانچ بیٹے اور تین سعادت مند بیٹیاں چھوڑیں۔ نمازِ جنازہ مولانا اویس نے پڑھائی اور انہیں آبائی قبرستان پیر حامد چشتی میں دفن کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ پچاس سال گزرنے کے باوجود اگر کہیں دہلی کی سماجی روایات، وضع داری، شان و شوکت، گفت و شنید، اخلاق و مروت دیکھنی ہے تو وہ صرف شہاب دہلوی مرحوم کے گھرانے میں ملے گی۔

شہاب دہلوی (کوچہ صحافت میں)

23 مارچ 1940ء کو منٹو پارک (اقبال پارک) لاہور میں حضرت قائداعظم کی صدارت میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب آزادی کی تحریک اپنے عروج کی طرف گامزن ہے۔ کانگریس اور مسلم لیگ اپنے اپنے نقطہ نظر کے مطابق اپنے اپنے مقاصد کی حصول کے لئے دن رات ایک کئے ہوئے ہیں لیکن مسلمان محسوس کرتے ہیں کہ ہندوؤں کا پروپیگنڈہ حکومت کو اپنے حلقے میں لئے ہوئے ہے۔ ہندو پورے پریس پر چھائے ہوئے ہیں۔ وہ اس مؤثر ترین ہتھیار کا بھرپور استعمال کر رہے ہیں اور جانبدار پریس کے اس عمل سے مسلمانوں کے مفادات بری طرح مجروح ہو رہے ہیں۔ یہی وہ موڑ ہے جب مسلمانوں کو پریس کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے یہ وہ دور تھا جب تعزیرات ہند کا زہریلا خنجر اٹھاتے ہوئے صداقت کے دعوے داروں کے ہاتھ کانپنے لگتے ہیں۔ ''الہام'' بھی اسی راستے کی ایک مضبوط کڑی ہے اگر ہم اوراق پارینہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ''الہام'' کا پہلا شمارہ مئی 1940ء اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اس کی پالیسی، وطن کی آزادی اور ادب کی خدمت یعنی دونوں مقاصد کے حصول کے راستے

پر گامزن رہی ہے۔

الہام کا اجراء

مسعود حسن شہاب دہلوی صحافت کی خارزار وادی میں اپنی آمد کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں کہ "یہ 1934ء کے اواخر کی بات ہے کہ میں نے شاہد احمد دہلوی (مرحوم) ایڈیٹر "ساقی" کو اپنی ایک غزل چھاپنے کے لئے بھیجی۔ ان کی جانب سے چندروز بعد میرے نام مع میری غزل کے اس مضمون کا خط آیا کہ "مسلکہ غزل ساقی میں شائع نہیں ہوسکتی اگر نثر کی کوئی چیز بھیجی جائے تو غور کرسکتے ہیں۔" گویا بین السطور مجھے جتلایا گیا تھا کہ میری غزل ساقی کے معیار پر پوری نہیں اترتی۔ مجھے شاہد احمد دہلوی کے خط میں مدیرانہ انانیت نظر آئی۔ اب سوچتا ہوں شاید شاہد احمد دہلوی صاحب نے یہ مشورہ ازراہ اخلاص دیا ہو لیکن اس وقت مجھے ان کی بات اچھی نہیں لگی اس ردعمل کے طور پر میں نے اپنا رسالہ نکالنے کا تہیہ کرلیا۔

الہام کا ڈیکلیئریشن

اخبار کے منصوبے کے بارے میں اپنے استاد خیام الہند، استاد حیدر دہلوی سے تذکرہ کیا تو انہوں نے ہماری سرپرستی قبول کرلی اور انہی کے مشورے سے اخبار کا نام "الہام" تجویز کیا لیکن جب ڈیکلیئریشن کے لئے ضابطوں کی تکمیل کے بعد پریس ایڈوائزر خان بہادر عبدالرحمٰن خان صاحب کے سامنے آخری منظوری کے لئے جانا ہوا تو انہوں نے سرتاپا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ کیا آپ اخبار نکال سکیں گے؟ تو میں نے عرض کیا حضور (شہاب دہلوی) آپ مجھے بچہ سمجھتے ہیں اگر آپ میرے بڑے بھائی کو دیکھیں گے تو اسے اس سے بھی زیادہ کم عمر تصور کریں گے میرا یہ جواب سن کر انہوں نے ڈیکلیئریشن دینے کی منظوری دی۔

الہام قارئین میں

مئی 1940ء میں "الہام" کا پہلا شمارہ شائع ہوکر علمی و ادبی حلقوں میں توقع سے زیادہ پذیرائی حاصل کرگیا۔ مولوی عبدالحق (بابائے اردو) جیسے بزرگوں نے مبارکباد کے خطوط لکھے۔ نئے اخبار کے لئے لکھاریوں کو لکھنے پر آمادہ کرنا بہت دشوار تھا لیکن ظہور احمد چشتی، گوپی ناتھ، امن

لکھنؤی اور حکیم آزاد انصاری جیسے حضرات کے رشحات قلم ‘‘الہام’’ کو میسر آئے۔

ابتدائی دنوں میں ‘‘الہام’’ کے بہت زیادہ قلمی معاونین پیدا ہو گئے تھے۔ ان میں بطورِ خاص خواجہ محمد شفیع ان کے والد خواجہ عبدالحمید، محمود مؤرخ، اشرف صبوحی، محمد امین شرقپوری، ظہیر الاسلام شاہ بادی، ظفر واسطی، عرش تیموری، لبیب شاہ تیموری اور پروفیسر جمیل نے ‘‘الہام’’ کو معیاری رسالہ بنانے میں تعاون کیا۔

الہام کی دو اشاعتیں

جولائی 1942ء میں ‘‘الہام’’ نے ماہنامہ کے ساتھ ساتھ ایک ہفت روزہ جاری کیا جو زیادہ تر سیاسی حالات کی عکاسی کرتا تھا جس میں زیادہ تر سیاسی مضامین، حالات حاضرہ، اداریہ اور حالات حاضرہ میں کہی گئی نظمیں ہوتی تھیں۔ ‘‘الہام’’ کا یہ ایک ایک ورق آزادی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

بہاولپور میں الہام کی آمد اور دوبارہ اشاعت

ہندوستان سے لامتناہی امتحانوں سے گزر کر شہاب دہلوی دوسرے مہاجرین کی طرح پاکستان آئے لیکن فوری اخبار کا اجراء نہ ہو سکا۔ کچھ عرصہ یونہی بھاولپور میں گزارا۔ پاکستان کی آزادی کے لئے جو کڑا سمندر عبور کیا تھا، اس کے ثمرات نہ دیکھ کر تڑپ اٹھتے۔ ریاست بھاولپور کے وزیر مالیات سید غلام میراں شاہ نے ایک میٹنگ بلائی۔ اسی میٹنگ میں شہاب دہلوی نے تقریر کی تو وزیر سمیت سارے لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

14 جون 1948ء میں آٹھ ماہ کی تاخیر کے بعد بھاولپور سے ‘‘الہام’’ کا اجراء ہوا۔ شروع شروع میں اس کے مقالے ہجرت اور مواخات کے موضوع پر شائع ہوتے تھے۔ 1949ء میں نواب آف بھاولپور کی اصلاحات کے متعلق بڑے زور شور سے اداریے لکھے۔ 1950ء میں علاقائی مسائل کے حوالے سے ‘‘الہام’’ نے جو ضابطہ اخلاق ترتیب دیا اسے بھاولپور کی تاریخ کبھی نظر انداز نہیں کر سکتی۔ 1956ء میں ‘‘الہام’’ میں ون یونٹ کی زبردست حمایت کی گئی لیکن ون یونٹ توڑ کر صوبے بحال کئے گئے اور بھاولپور ریاست کو پنجاب میں شامل کیا گیا تو ‘‘الہام’’ نے اس کی بھرپور مخالفت کی۔ سقوط ڈھاکہ اور بھٹو دور کے ‘‘الہام’’ کے شمارے سفینہ صحافت میں ایک

خاص مقام رکھتے ہیں۔ اسی دور میں ''الہام'' کا مزاج تبدیل ہوگیا اور اس پر مذہبی رنگ غالب آنا شروع ہوگیا۔ بھاولپور میں عوامی شعور پیدا کرنے' سماجی خدمات پر لوگوں کو آمادہ کرنے' بھاولپور کی تعمیر و ترقی پاکستان کے استحکام و بقا کے سلسلے میں ''الہام'' نے ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔

''الہام'' کی ادبی خدمات کے لئے ایک مکمل کتاب کی ضرورت ہے۔ ''الہام'' نے جس طرح ادبی اور صحافتی خدمات انجام دیں وہ اسے منفرد مقام عطا کرتی ہیں اپنے ہم عصروں میں ''الہام'' کے شماروں میں ایسے لکھنے والوں کے نام بھی سامنے آتے ہیں جنہیں آسمانِ ادب و صحافت کے ستارے کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

''الہام'' کی مذہبی خدمات کے سلسلہ میں ایک الگ دفتر درکار ہے۔ ''الہام'' ایک راسخ العقیدہ اور نظریہ پاکستان کا اخبار رہا۔ شہاب دہلوی نے ''الہام'' کو اولیاء اللہ کی تعلیمات کے فروغ کے لئے وقف کر دیا۔

مارشل لاء دور میں ''الہام'' میں تحریر کی گئی نگارشات اپنی اہمیت کے لحاظ سے ہمیشہ اہلِ قلم حضرات کی توجہ کا باعث رہیں گی۔

شہاب دہلوی اور تحریک پاکستان

کسی بھی تحریک کو چلانے یا سیاستدان کے لئے سیاسی ذہن درکار ہوتا ہے۔ اسی طرح سیاسی شعور پیدا کرنے کے لئے کسی نہ کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے اس میں خواہ سیاسی اخبار ہو یا سیاسی ادارے یا سیاسی راہنما۔ یہ ساری باتیں مسلمانوں میں نہیں تھیں۔ اسی لئے ابتدائی دور میں مسلم صحافت رائے عامہ کی تشکیل دینے کے لئے ناکام رہی۔ لیکن آہستہ آہستہ ایسے ایسے لوگ ابھرتے آئے جن کی وجہ سے مسلم صحافت کو پوری دنیا میں روشناس کرنے کے علاوہ اچھے اچھے سیاستدان مبلغ اور کہنہ مشق اور بے باک صحافی پیدا ہوئے جنہوں نے آگے چل کر تحریکِ پاکستان کو منزلِ مقصود تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔

الہام کے اجراء کے مقاصد اور پالیسی

بظاہر تو ''الہام'' کا آغاز شاہد احمد دہلوی ایڈیٹر ''ساقی'' کی ضد میں ہوا کیونکہ شہاب کو نظم کی

بجائے نثر بھیجنے کا مشورہ دیا تھا۔ ''الہام'' کی سرپرستی بھی دہلی کے ایک معروف ادیب وشاعر استاد حیدر دہلوی نے کی۔ شروع میں اس پر ادبی رنگ غالب تھا۔ شہاب دہلوی کا ذہن سیاسی تھا وہ ذہنی طور پر مسلم لیگی تھے۔ اس لئے ''الہام'' کا مقصد ادبی خدمات کے ساتھ ساتھ عوام کی سیاسی راہنمائی بھی ٹھہرا۔ ''الہام'' اگرچہ بنیادی طور پر ایک خالص ادبی رسالہ تھا لیکن آزادی کی تحریک اور حصولِ پاکستان کی جدوجہد سے یہ خود کو دور نہیں رکھ سکا۔ اس نے اپنے دوسرے شمارے سے ہی ایسے مضامین کی اشاعت کا آغاز کیا جو سیاسی نوعیت کے تھے۔ تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت کے لئے ہفتہ وار ایڈیشن کا آغاز کیا چنانچہ مئی 1940ء سے لے کر اگست 1947ء تک اس مقصد کے لئے اپنا کردار ادا کیا اور مخالفین پاکستان کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین اور ادارتی نوٹ مسلم لیگی نظریات کے حامل تھے۔

''تحریک پاکستان'' الہام کے اداریوں کی روشنی میں

''الہام'' نے اپنی ابتدا ہی مسلم لیگی ارگن کے طور پر کی ''الہام'' نوائے وقت کی طرح مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت سمجھتا تھا۔ اس لئے اس جماعت کے نظریات کو اداریوں میں پیش کیا جاتا اور اس کے مخالفین کی خوب خبر لی جاتی۔

تحریک پاکستان اور الہام کے منطقی اداریے

''الہام'' کے منطقی اداریے جن میں سنجیدگی کا عنصر غالب ہوتا تھا اور جن کا لب ولہجہ دھیما ہوتا تھا۔ مدیر الہام شہاب دہلوی جب تحریک پاکستان کے حق میں اپنا موقف پیش کرتے تو ان اداریوں کی زبان منطقی اور دلائل پر مشتمل ہوتی تھی۔ ان اداریوں میں ہندوستانی لیڈروں کو سنجیدگی اختیار کرنے کے مشورے دیئے جاتے تھے۔

الہام کے تند و تیز اداریے اور تحریک پاکستان

''الہام'' نے تحریک پاکستان کے حق میں منطقی اداریوں کے ساتھ ساتھ تند و تیز اداریے بھی لکھے۔ وقت کے تقاضوں کے پیش نظر لکھے گئے یہ اداریے مسلم لیگ اور مسلم لیگی مقاصد سے گہری وابستگی کا مظہر ہیں۔ جب بھی کوئی غیر مسلم لیگی قائدین پر حملہ آور ہوا ''الہام'' نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

جس مسلم شخصیت نے مسلمانانِ ہند کے مفادات کے خلاف کام کیا ''الہام'' نے اسے ہرگز معاف نہیں کیا۔ ان اداریوں میں جذباتیت کے ساتھ ساتھ دلالت سے بھی کام لیا گیا۔ کسی شخص کی پگڑی نہیں اچھالی گی۔ ہمیشہ شائستگی کے دامن کو تھامے رکھا۔

تحریک پاکستان اور الہام کے کالم

''الہام'' میں زوردار اداریوں کے ساتھ ساتھ کالم بھی لکھے گئے۔ جن میں اسلامیانِ ہند کی جدوجہد آزادی کو بیان کیا جاتا تھا اور ان کی آزمائشوں اور ابتلاء کو بھی بیان کیا جاتا تھا۔ ماہنامہ الہام میں ایک مستقل کالم ''اشارات وکنائیات'' شائع ہوتا تھا۔ جس میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد وسائل پر ہلکے پھلکے انداز میں گفتگو کی جاتی تھی۔ یہ کالم علامہ رازی کے قلمی نام سے چھپتا تھا۔

تحریک پاکستان اور الہام کے مضامین

''الہام'' میں بہت کم سیاسی مضامین لکھے گئے اور جو مضامین لکھے گئے ان میں دوقومی نظریہ اور تصور پاکستان کی بھرپور حمایت کی گئی۔ ان مضامین میں مسلم لیگ کا موقف مؤثر انداز میں پیش کیا گیا جو کہ تحریک پاکستان میں مسلم صحافت کا ایک درخشاں پہلو ہے۔

تحریک پاکستان اور الہام میں نظمیں

''الہام'' میں تحریک پاکستان کے سلسلے میں بہت سی نظمیں اور قطعات بھی لکھے گئے لیکن چونکہ الہام کی بیشتر فائلیں نقلِ وطن کے وقت فسادت کی نذر ہوگئیں لیکن جو فائلیں دستیاب ہیں ان میں حصولِ پاکستان کی طرف خوب ابھارا گیا ہے۔

شہاب دہلوی (شخصیت اور صحافت کے مختلف پہلو)

سہ ماہی ''الزبیر'' کا اجراء

بھاولپور میں اردو زبان وادب کے سلسلے میں کی جانے والی خدمات کا پس منظر بہت وسیع ہے لیکن یہ سب کوششیں افرادی سطح پر انجام دی جاتی رہی ہیں۔ اردو ادب وزبان کی خدمت کے

سلسلے میں کی جانے والی منتشر کوششوں کو پہلی بار 1959ء میں اس وقت منظّم کیا گیا جب یہاں کے کمشنر مسرت حسین زبیریؒ جیسے علم دوست اور علم پرور شخصیت نے پہلی بار اردو اکیڈمی کی بنیاد رکھی۔ اکیڈمی کی طرف سے ایک سہ ماہی علمی و ادبی مجلّہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس وقت کے کمشنر بھاولپور کے نام کی رعایت سے پرچے کا نام ”الزبیر“ تجویز ہوا۔ اس کے پہلے مدیرِ اعلیٰ علامہ شبیر بخاری مقرر ہوئے۔ الزبیر کا پہلا پرچہ جنوری 1961ء میں شائع ہوا۔ 1963ء میں سید مسعود حسن شہاب دہلوی ”الزبیر“ کے مدیرِ اعلیٰ مقرر ہوئے اور یہ حقیقت ہے کہ شہاب دہلوی کی شبانہ روز محنت نے اس معمولی پرچے کو ہندوپاک کا ایک اہم علمی مجلّہ بنا دیا۔ الزبیر کے خاص نمبر دنیائے ادب میں ہمیشہ قابلِ فخر رہیں گے۔

الزبیر کا خاص نمبر

چولستان نمبر، بھاولپور نمبر، افسانہ نمبر، مشائخ نمبر، کتب خانہ نمبر، قائداعظم نمبر، علامہ اقبال نمبر، میلاد نمبر، احمد رضا بریلی نمبر قابل ذکر ہیں۔

شہاب دہلوی کی اداریہ نویسی

خارزارِ صحافت میں شہاب دہلوی صاحب کی آبلہ پائی ایک مکمل تاریخ کا درجہ رکھتی ہے اور اس باب میں اداریہ نویسی کو سب سے زیادہ بلند و ارفع مقام حاصل ہے۔ طویل صحافتی زندگی میں انہوں نے بے شمار اداریے سپردِ قلم کیے جس میں سے ہر اداریہ وقت کی نبض پیمائی کرتا ہے۔

مارشل لاء دور میں قلم اٹھانا دل گردے کا کام تھا۔ ایک طرف سنسر کی تلوار تو دوسری طرف آمرانہ ذہن، مارشل لاء دور میں لکھے گئے شہاب صاحب کے اداریے سرزمین بھاولپور کے لئے فخر و ناز ہیں۔ انہوں نے بھاولپور ڈویژن کی ترقی اور مسائل کے حل کے لئے اداریے لکھے۔ بعد میں ان کے اداریوں پہ تصوف، مشائخ اور اولیاء اللہ کی تعلیمات کا اثر بڑھتا گیا۔

شہاب دہلوی کی کالم نویسی

شہاب دہلوی نے تحریک پاکستان کے حوالے سے جو کالم لکھے وہ دشتِ صحافت میں ایک قندیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد کے ان کے کالموں کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

1981ء سے 1983ء تک ''آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے'' کے عنوان سے کالم لکھے اس سے پہلے ''گفتی نہ گفتی'' کے عنوان سے بھی کالم لکھے۔ ان کالموں میں ان کا نام شائع نہیں ہوتا تھا۔ مارشل لاء دور میں جب مظالم ڈھائے جا رہے تھے' قدغنوں نے بدصورتی کی فضاء پیدا کر دی تھی۔ شہاب دہلوی نے نامساعد حالات کے باوجود اچھی قدروں کو متعارف کرایا ان کے کالموں کی ایک خوبی ان کا تمثیلی انداز ہے۔ ان کے کالم پڑھ کر دل بوجھل نہیں ہوتا بلکہ تازگی کا احساس ہوتا ہے۔

شہاب دہلوی کی ریڈیائی فیچر نگاری

بھاولپور میں ریڈیو اسٹیشن نے 1975ء کے وسط میں کام شروع کیا۔ اس نوزائیدہ اسٹیشن کو فعال بنانے کے لئے صحافیوں اور ادیبوں سے رابطہ کیا گیا۔ شہاب دہلوی کا انتخاب پروڈیوسر بطور خاص کرتے تھے۔ شہاب دہلوی بھاولپور کے چند لکھنے والوں میں سے تھے جو ریڈیو کے سامعین کے مزاج شناس تھے۔ وہ نشریاتی صنف میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ اپنے عرصہ حیات میں ریڈیو کے لئے اہم فیچرز بالخصوص مذہبی فیچر انہوں نے ہی لکھے۔

شہاب دہلوی کی دیگر اداروں سے وابستگی

شہاب مرحوم کی تحریروں کی اشاعت کا آغاز دہلی سے ہو گیا تھا اور دہلی کے ''بنات' آستانہ پیام مشرق' البلاغ'' جیسے معروف ادبی رسائل میں ان کی غزلیں اور مضامین چھپتے تھے۔

شہاب مرحوم 1975ء تک ''پنجاب لوکل ریویو' لاہور (اردو' انگریزی) کے ایڈیٹر بھی رہے۔

''کوہستان'' کے میگزین میں بھاولپور کی تاریخ کے حوالے سے ایک عرصہ تک مضامین لکھتے رہے۔ اس کے علاوہ جنگ' کوہستان' پاک جمہوریہ کے بھی نامہ نگار رہے اور پی پی آئی سے بھی ان کی وابستگی رہی۔

شہاب دہلوی ہم عصر صحافیوں اور دانشوروں کی نظر میں

☆ **پروفیسر دلشاد کلانچوی** (سابق پرنسپل' محقق' ادیب' شاعر' ماہر اقتصادیات اور سرائیکی ادب کے محقق)

بھاولپور سے شہاب دہلوی کی محبت و لگن کا اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ یہیں رہنے بسنے آئے

ہیں۔ وہ بھاولپور کے اجڑے شہر کو پہلے سے زیادہ بارونق بنانا چاہتے ہیں۔

☆ **ولی اللہ احمد** (پچاس سالہ صحافتی خدمات، قید و بند کی صعوبتیں، پنجاب اسمبلی کے سابق اپوزیشن لیڈر، علامہ ارشد کے بھائی)

مسعود حسن شہاب صرف لفظوں میں ہی مسعود شہاب نہیں تھے بلکہ حقیقت ہی میں وہ شہاب تھے۔ جانے والوں کی جدائی میں بالخصوص شہاب کے لئے جتنے آنسو میری قلم سے ٹپکے ہیں کسی اور کے قلم سے نہیں۔

☆ **ڈاکٹر انور سدید** (صحافی، ادیب، استاد اور روزنامہ خبریں کے کالم نگار)

شہاب دہلوی صلح جو، کم گو اور خاموش طبع تھے۔ دہلویت کی پہچان، بیان کی سادگی اور لہجے کی تاثیر شہاب کے ہاں ہر رنگ میں جھلکتی تھی۔

☆ **ڈاکٹر جمیل جالبی** (ادیب، صحافی، متعدد کتابوں کے مصنف اور مقتدرہ قومی زبان کے روح رواں)

جناب شہاب دہلوی ایک بلند پایہ شاعر، ایک سلجھے ہوئے نقاد، مؤرخ اور بزرگ صحافی تھے انہوں نے علم و ادب کی دنیا میں اپنا لوہا منوایا۔

☆ **علامہ شاہ احمد نورانی** (قائد اہلِ سنت، مرکزی قائد جمعیت علمائے پاکستان)

شہاب دہلوی کی دینی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اہلِ سنت ان کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

☆ **پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان** (سائنسدان اور اسلامیہ یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر)

نادر ہستیوں کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ ان کی زندگی ہی میں ان کو شہرت ملتی ہے۔ اور ان کے رخصت ہونے کے بعد ان کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔

مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن

آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا قیام تحریک پاکستان کے پیش نظر عمل میں آیا۔ مسلم

اسٹوڈینٹس فیڈریشن کا تحریک پاکستان میں کردار ایک اٹل حقیقت ہے کہ اس کے نوجوان کارکنوں نے قائداعظم اور دیگر عمائدین مسلم لیگ کے حکم پر کسی بھی قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہ کیا۔ ایم ایس ایف نے پاک و ہند کے مسلم طلباء کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر کے تحریک پاکستان کا جزو بنا دیا۔ ایم ایس ایف کے رہنما عبدالمالک تحریک پاکستان میں سب سے پہلے اپنے خون کا نذرانہ پیش کر کے شہادت کے رتبہ پر فائز ہو گئے۔ اس وقت سے اب تک مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے ہزاروں قائداعظم کے سپاہی شہادت کی منزل پا چکے ہیں۔ اکثر ذہنوں میں یہ تاثر عام ہے کہ ایم ایس ایف قیام پاکستان کے لئے وجود میں آئی تھی۔ اب جبکہ اس نے اپنی منزل پالی ہے تو اس کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ دراصل یہ بات سو فیصد درست ہے کیونکہ پاکستان بننے کے بعد بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے طلبہ کے ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان کا قیام عمل میں آ چکا ہے لہٰذا طلباء کا اب سیاست میں کوئی کام نہیں۔ لہٰذا وہ اپنی بیرکوں میں واپس چلے جائیں۔ چنانچہ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کو ختم کر دیا گیا۔

لیکن جب محب وطن طلباء جن کے آباؤ اجداد نے اس ملک عظیم کے لئے بے پناہ قربانیاں دی تھیں نے دیکھا کہ ایک خاص تنظیم جس نے پاکستان کی مخالفت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی کہ ذیلی طلبا تنظیم تعلیمی اداروں میں اپنا تسلط قائم کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور پاکستان کی ٹھیکیدار بن جانا چاہتی ہے اور جب ہمارے سابق عمائدین اور کارکنان ایم ایس ایف نے دیکھا کہ مشرقی پاکستان ہم سے جدا ہو گیا ہے۔ کیونکہ نوجوان طبقہ میں نظریہ پاکستان فروغ نہیں پا رہا ہے تو مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کو از سر نو منظم کر کے پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت اور استحکام کا بیڑا اٹھایا۔

یاد رفتگاں

11 فروری کو سرخیل صحافت اور قائداعظم محمد علی جناح کے معتمد ساتھی مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے بانی سیکریٹری پروفیسر عبدالسلام خورشید انتقال کر گئے۔ آپ کا شمار تحریک پاکستان کے ان چند طالب علم رہنماؤں میں ہوتا ہے جنہیں بانی پاکستان کی قیادت اور رہنمائی میں پاکستان کے لئے کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ قیام پاکستان کی جدوجہد میں پنجاب کے جاگیردار آزادی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ قائداعظم نے ان جاگیرداروں کو للکارا۔ ان کے مقابلے میں طلبہ کو منظم کیا۔ تحریک پاکستان کے اس سیل رواں میں جاگیردار خس و خاشاک کی طرح

بہہ گئے۔ پاکستان دشمنوں کے خلاف جو نوجوان ڈٹے عبدالسلام خورشید اس کارواں کے سالار تھے۔

پروفیسر عبدالسلام خورشید کا تحریک پاکستان سے گہرا تعلق رہا ہے۔ بحیثیت جنرل سیکریٹری مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن اسلامیہ کالج انہوں نے اس انقلابی تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ تحریک پاکستان کے بہت سے واقعات میں یا تو وہ خود شریک رہے یا ان کی نظر سے گزرے۔ تحریکی کارکن کی حیثیت سے قائداعظم کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

علامہ اقبال کے ایماء پر حمید نظامی مرحوم نے اپنے ساتھیوں سمیت مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی 1937ء میں بنیاد رکھی تو عبدالسلام خورشید نے ایم ایس ایف کی نیو اٹھانے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ عبدالسلام خورشید نے دیگر طلبہ لیڈروں کی طرح آزاد اسلامی ریاست کے قیام کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ قائداعظم کے فکر ونظر نے آپ کے ذہن و دماغ میں انقلاب برپا کردیا۔ علامہ اقبال اور قائداعظم خورشید کے سفینہ فکر کے ہیرو تھے۔ وہ دردمند مخلص اور ہوش مند انسان تھے انہیں سیاست میں گہری بصیرت حاصل تھی۔ وہ مضامین لکھنے کے لئے کسی مخصوص ماحول یا تنہائی کے محتاج نہ تھے۔ ساری زندگی صحافت کے میدان سے وابستہ رہے۔ صحافت پر بے شمار کتب تصنیف کیں۔ ان کی تحریروں میں قلمی فسوں کاری کی جگہ حقیقت اور تحقیق مضمر ہے۔ انہوں نے صحافت کے فروغ کے لئے نئی راہیں تلاش کیں۔ صحافت ان کے لئے مقدس مشن کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس مشن کو انہوں نے کبھی فراموش نہیں کیا۔

پروفیسر عبدالسلام خورشید نے حضرت قائداعظم سے کیا ہوا عہد ساری عمر نبھایا۔ صحت میں کمی آنے دی لیکن محنت میں کمی نہ آنے دی۔ مسلسل تحقیق اور شبانہ روز محنت نے آپ کی قیادت میں جامعہ پنجاب میں صحافت کی عظیم الشان دانش گاہ قائم کردی جس سے فارغ التحصیل لکھاری علم وحکمت کی آتش روانیاں بکھیر رہے ہیں۔ ان کی جوانی آج کے طلبہ لیڈروں کے لئے مشعل راہ ہے۔ ان کی زندگی صحافیوں کے لئے درخشندہ مثال ہے۔

صحافت اور سیاست کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس باہمی تعلق کے باعث ہم ایسے لوگوں کو جانتے ہیں جنہوں نے علم وادب کو ذریعہ معاش بنایا لیکن پروفیسر صاحب نے اپنے قلم کو حصول جاہ اور مال متاع کی بجائے قلم کو رشد وہدایت‘ مقصدیت اور صحافت کے شعبے میں تحقیق کے لئے استعمال کیا۔ ہماری قومی تاریخ ایسے صحافیوں سے بھری پڑی ہے جن کا قلم ہمیشہ

ملک وقوم کی تعمیر کے لئے استعمال ہوا۔ ایسے ارباب فکر کے سالار عبدالسلام خورشید نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی موت انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہے۔ وہ اپنی ذات میں اک ادارہ تھے۔ ان کی موت ایک خاندان کا نہیں بلکہ پوری قوم بالخصوص صحافت کا نقصان ہے۔ کون سی آنکھ ہے جو قائد صحافت کی موت پر پرنم نہیں کون سا دل ہے جو بے قرار نہیں؟ کسی نے ان کی موت پر اظہار افسوس کیا، کسی نے اعلیٰ خدمات پر خراج تحسین پیش کیا لیکن صحافت نے اپنے سہاگ کے لٹ جانے کا دکھڑا سنایا۔ وہ محض ایک استاد اور صحافی نہ تھے بلکہ طلبہ کے ہم نوا غریب پرور اور صحافت کی ترقی کے خواہش مند تھے۔ وہ ہمارا قومی اثاثہ تھے، صحافت کے محافظ تھے، سچ کی ڈھال اور تلوار تھے۔ **ان کی موت** نے ہم سے پروفیسر عبدالسلام خورشید کو جدا نہیں کیا بلکہ نظریہ پاکستان کے امین کو ہم سے چھین لیا ہے۔ صحافت کے طلبہ کو بے آسرا کر دیا۔ وہ عظیم باپ کے باوقار بیٹے تھے ان کی موت پر ہر طبقہ تعزیت کر رہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

پاکستان کے سیاسی اتحاد، ایک جائزہ

اس وقت جنرل مشرف حکومت کے خلاف سیاسی جماعتوں کے مختلف اتحاد مصروفِ عمل ہیں جن میں سیاسی بھی ہیں اور دینی بھی۔ ان تمام اتحادوں کا مقصد موجودہ فوجی حکومت کا خاتمہ اور اقتدار کا حصول ہے۔ بعض سیاسی و مذہبی جماعتوں نے ایسی مخالف نظریات جماعتوں سے اتحاد کر رکھا ہے کہ جن کے ساتھ عام زندگی میں ایک صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بھی مکروہ سمجھتے ہیں، تاہم پاکستان کی سیاسی تاریخ کے اتحادوں پر روشنی ڈالنے کا بنیادی مقصد ہماری مروجہ سیاست اور سیاست کاروں کی ذہنی وفکری ساخت کا مطالعہ ہے۔

پاکستان کے قیام کے بعد سیاسی اتحادوں کا آغاز مشرقی پاکستان سے ہوا۔ 1954ء میں صوبائی انتخابات کے لئے ’’جگتو فرنٹ‘‘ کے نام سے مسلم لیگ کے خلاف انتخابی اتحاد ہوا اس وقت مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ جمہوری روایات سے انحراف کی وجہ سے نفرت وحقارت کی علامت بنی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے 1951ء میں عوامی مسلم لیگ اور جناح مسلم لیگ نے پہلا صوبائی سطح کا متحدہ محاذ قائم کیا جسے پاکستان کا پہلا سیاسی اتحاد کہا جا سکتا ہے۔ عوامی مسلم لیگ اور جناح مسلم لیگ نے بعد میں انضمام کی صورت اختیار کر لی جس کا نام جناح عوامی مسلم لیگ رکھا گیا۔

مشرقی پاکستان کا ''جگتو فرنٹ'' نظریاتی لحاظ سے کمیونسٹ اتحاد تھا جس کا ایمان و یقین نیشنلزم اور سیکولرازم پر تھا یہ اسلامی اور فلاحی ریاست کے نظریہ کی ضد تھا۔ جگتو فرنٹ میں فضل الحق، شہید سہروردی، بھاشانی اور ابو الہاشم جیسی قد آور شخصیات تھیں جس نے مسلم لیگی رہنماؤں کو بنگال میں خوف زدہ کر دیا تھا۔ الیکشن میں اس محاذ نے مسلم لیگ کو عبرت ناک شکست دی حتیٰ کہ نور الامین کابینہ کے تمام وزراء شکست کھا گئے خود نور الامین کو ایک طالب علم عبدالخالق کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانا پڑی۔

قیام پاکستان سے 1950ء تک پاکستان سیاسی بحرانوں اور اقتصادی بدعنوانیوں کا شکار رہا صوبوں کے درمیان دوریاں بڑھنا شروع ہو گئیں۔ آئین سازی جیسا اہم کام معرض التواء میں ڈال دیا گیا۔ ایوب خان نے جب اقتدار سنبھالا تو اس وقت ملک کی حالت انتہائی ناگفتہ تھی لیکن ایوب خان اپنے ابتدا کے چند سالوں کے علاوہ ملک وملت کے لئے کوئی اہم کارنامہ سرانجام نہ دے سکے ان کی توجہ تعمیر وترقی سے ہٹ کر انتقامی کارروائیوں پر مذکور ہوگئی اور یوں ملک سیاسی سازشوں کی آماجگاہ بن گیا۔ سیاستدان ''ایبڈو'' کی نذر ہوئے سیاسی سرگرمیوں پر پہرے بٹھا دیئے گئے۔ ایوب خان نے قائد کے پاکستان کو نت نئے زخم دیئے اور اس دور میں ایوب کے حاشیہ داروں نے چالاکی اور مکاری سے ملک لوٹنے کی قبیح رسموں کا آغاز کیا۔

ایوب خان کے خلاف قومی جمہوری محاذ 1962ء میں سیاسی جماعتوں کی بحالی سے معرض وجود میں آیا چار اکتوبر 1962ء کو حسین شہید سہروردی نے ''قومی جمہوری محاذ'' کا باقاعدہ اعلان کیا اس اتحاد کو مولانا سید مودودی، یوسف خٹک، سردار بہادر، فضل الرحمان، میاں ممتاز دولتانہ، زیڈ ایچ لاری، غلام علی تالپور، ایوب کھوڑو، ایوب حسین سرکار نے ''قومی جمہوری محاذ'' کی حمایت کا اعلان کیا۔ اس محاذ نے آئین کو جمہوری بنانے کا ایک نکاتی منشور اپنایا یہ محاذ اپنے قیام ہی سے بحرانوں کا شکار رہا۔ پانچ دسمبر 1963ء کو حسین شہید سہروردی کی رحلت کے بعد یہ اتحاد اپنے انجام کو پہنچ گیا لیکن یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ 1964-65ء کے صدارتی انتخابات میں اسی بطن سے سی او پی نے جنم لیا اور اس اتحاد نے ملکی سیاست پر ایسے واضح نقوش مرتب کئے کہ جس کو مدتوں محسوس کیا جاتا رہے گا۔

ایوب خان کے دور حکومت میں سیاسی محرومیوں اور انتقامی کارروائیوں کے نتیجے میں ''سی

اوپی'' کا قیام 21 جولائی 1964ء کو خواجہ ناظم الدین کے گھر سے ہوا۔ خواجہ ناظم الدین کی رہائش گاہ پر ہونے والے اس اجلاس میں عوامی لیگ' نظام اسلام پارٹی' کونسل مسلم لیگ اور جماعت اسلامی شامل تھیں اسی اجلاس کے بعد سی او پی کے قیام کا اعلان کر دیا گیا لیکن اس اتحاد میں نیشنل جمہوری محاذ کو شامل نہ کیا گیا۔

''سی او پی'' کا دو نکاتی منشور خواجہ ناظم الدین' مولانا بھاشانی' نصر اللہ خان' چوہدری محمد علی اور مولانا مودودی نے ترتیب دیا۔ جمہوریت' آئین کا نفاذ' تشکیل عدلیہ کی آزادی' قانون کی بالادستی' سیاسی آزادی' معاشی مساوات' علاقائی مسائل کا حل' اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ' کشمیر کے تنازع کا حل' آزاد خارجہ پالیسی جیسے وعدے اور دعوے اس منشور میں شامل تھے۔

سی او پی اور ایوبی حکومت کے درمیان باقاعدہ محاذ آرائی نومبر 1964ء کے صدارتی انتخابات میں ہوئی۔ حکومتی جماعت نے غیر جمہوری ہتھکنڈوں سے محاذ کے اراکین کی گرفتاریاں کیں ایوب خان کے خلاف عوامی جذبات واحساسات میں شدت آئی۔ سی او پی کو اس وقت عوامی پزیرائی زیادہ حاصل ہوئی جب عدالت عالیہ نے جماعت اسلامی پر پابندی لگائی۔ پوری قوم نے ان انتخابات میں مادر ملت کو ہر جگہ خوش آمدید کہا اور پشاور سے کراچی تک حکومت کی نااہلیوں اور بے بصیرتی کی وجہ سے ''سی او پی'' کے تن مردہ میں جان آئی۔ 1964ء کے انتخابات دراصل دو نظام کے درمیان تصادم تھا۔ شخصی آمریت بمقابلہ جمہوریت' ایوب خان نے پاکستان کی سیاسی تاریخ کی بدترین دھاندلی کر کے صدارتی انتخابات جیت لیا لیکن ملک میں ایسی گھناؤنی رسم کی نیو اٹھائی کہ بعد میں آنے والے حکمران ان کے نقش پا پر چلتے رہے۔

''سی او پی'' کی شروع سے ہی بدنصیبی رہی کہ اس کو کوئی قومی سطح کا قائد نہ مل سکا۔ اس محاذ میں شامل جماعتوں کے درمیان بعض سیاسی مسائل پر اتفاق رائے نہیں تھا۔ بعض جماعتیں سیکولر مزاج اور بعض انتہا پسند اسلامی رجحان رکھنے والی جماعتیں اور شخصیات تھیں بظاہر یہ اتحاد بحران و تحلیل کا شکار ہوا لیکن اسی اتحاد نے ایوبی سیاست کے زوال پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ ایوب خان کے خلاف 1968-69ء کی عوامی تحریک کا تسلسل یہی اتحاد تھا۔

مئی 1967ء میں ''پی ڈی ایم'' پاکستان جمہوری تحریک کے نام پر پانچ سیاسی جماعتوں کا اتحاد عمل میں آیا۔ اس اتحاد نے ملک کے دونوں حصوں میں زبردست عوامی رابطہ کیا۔ کرپشن

اسمگلنگ کا خاتمہ اور پارلیمانی نظام حکومت کی بحالی کے مطالبات پیش کئے۔ حکومت نے اس تحریک کو دبانے کی کوشش کی، یوں حکومت اور اتحاد کے راہنماؤں کے درمیان خلیج وسیع تر ہوتی گئی۔ سیاسی محرومی کا احساس ابھرنے لگا۔ ادھر طلبہ بھی ایوبی پالیسیوں سے نالاں ہو کر سڑکوں پر نکل آئے۔ ملک کے بعض نامور سیاستدانوں، جرنیلوں اور ریٹائرڈ ججوں نے اپوزیشن میں شمولیت اختیار کی تو ایوبی حکومت کی چولیں ہل گئیں ادھر بھٹو اور ایئر مارشل اصغر خان سیاست میں رونما ہو چکے تھے۔ عالمی سامراجوں کو بھی اب ایوب خان کی زیادہ ضرورت نہیں تھی۔

ایوب خان کے خلاف تحریک اپنے عروج پر تھی کہ 1969ء کے ابتدائی ایام میں قومی جمہوری محاذ کے صدر نور الامین کے بنگلے پر ڈھاکہ میں آٹھ جنوری 1969ء کو جمہوری مجلس عمل آٹھ سیاسی جماعتوں کے اشتراک سے معرض وجود میں آیا۔ ''جمہوری مجلس عمل'' کو مشرقی پاکستان میں بے پناہ پزیرائی ملی، طلبہ کی انتخابی سیاست اور نوجوانوں کی ہلاکت نے اس محاذ کو بہت تقویت دی، ادھر مغربی پاکستان میں بھی ایوب کے خلاف نفرت کا طوفان زور پکڑنے لگا۔ ایوب خان کی ہمت جواب دے چکی تھی۔ 25 مارچ 1969ء کو ایوب خان نے اقتدار سے دستبرداری کا اعلان کیا اور یحیٰی خان نے ملک میں مارشل لاء لگا کر اندھیروں کو مزید گہرا کر دیا۔

دسمبر 1971ء میں پیپلز پارٹی نے اقتدار سنبھالا تو اپوزیشن نے قومی اسمبلی میں خان عبدالولی خان کو اپنا قائد منتخب کیا۔ ذوالفقار علی بھٹو بنیادی طور پر ایک چالاک اور مکار سیاستدان تھے ان کے مزاج میں ڈکٹیٹر شپ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے پہلے دور حکومت میں اپوزیشن کو دبانے کے لئے سیاسی گرفتاریاں شروع کر دیں۔ جن میں ممتاز عالم دین علامہ احسان الٰہی ظہیر، جماعت اسلامی کے محمد افضل بدر، جان محمد عباسی، گلزار ملنگی صحافیوں میں ندائے ملت کے ایڈیٹر محمد اقبال کو ڈی پی آر کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ مولانا عبدالستار نیازی اور اصغر خان پر تشدد آمیز حملے ہوئے۔ ذوالفقار علی بھٹو کی آمرانہ کارروائیوں کے ردعمل کے طور پر چھ جون 1973ء کو لاہور میں متحدہ جمہوری محاذ قائم ہو چکا تھا۔ جس کے راہنماؤں پیر پگاڑا، ولی خان، مولانا مفتی محمود، نواب زادہ نصر اللہ خان، میاں طفیل محمد، مولانا شاہ احمد نورانی، ملک محمد قاسم، چوہدری ظہور الٰہی پر مقدمے اور حملے ہوئے۔ بلوچستان میں عطاء اللہ مینگل اور سرحد سے مفتی محمود کی حکومت ختم کی گئی۔ قتل و غارت گری اپنے عروج پر تھی۔ بھٹو کے سرکردہ ساتھی ان کا ساتھ چھوڑ

رہے تھے۔ سیاسی رہنماء اور کارکن گرفتاریاں پیش کر رہے تھے۔ مارچ 1975ء میں نیشنل عوامی پارٹی پر پابندی عائد کردی گئی۔ اس پابندی کے ساتھ ''متحدہ جمہوری محاذ'' انتشار کا شکار ہوگیا۔ اس محاذ میں شامل جماعتوں کے نظریات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ یہ محاذ منظّم نہ ہونے کی وجہ سے عوامی پزیرائی سے محروم رہا۔

ذوالفقار علی بھٹو تقریباً ساڑھے پانچ سال تک بلاشرکت غیرے حکومت کرتے رہے۔ حزب اختلاف کو دبانے' ذرائع ابلاغ پر کنٹرول حاصل کرنے اندرونی سیاسی محاذ آرائی پر انہیں کافی فخر تھا۔ 1975ء کے آخر تک حزب اختلاف کی جماعتیں اپنے آپ کو منظّم کر چکی تھیں۔ عام انتخابات میں سیاسی جماعتوں نے پرزور انداز میں قوم کے سامنے دلائل رکھے کہ بھٹو نے جمہوری اداروں کا غلط استعمال' امن وامان کی پامالی' پانچ ہزار سے زیادہ سیاسی لوگوں کی جیلوں میں حالت زار' ڈی پی آر کا غلط استعمال اس طرح دیگر ایشوز پر پوری قوم میں بھٹو کے خلاف اضطراب پیدا ہوا۔ بھٹو نے حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے جنوری 1977ء میں عام انتخابات کی تاریخ کے لئے قومی اسمبلی کو گرین سگنل دے دیا۔ دس جنوری 1977ء کو پارلیمنٹ رسمی طور پر ختم کردی۔ قومی اسمبلی کے لئے سات مارچ 1977ء اور چاروں صوبائی اسمبلیوں کے لئے دس مارچ 1977ء کی بالترتیب تاریخوں کا اعلان کیا۔

حزب اختلاف بھٹو کے رویے کو اچھی طرح محسوس کررہی تھی اور خوف زدہ تھی کہ آئندہ الیکشن میں بھٹو کامیاب ہوگیا تو وہ ملک کو یک جماعتی ریاست میں تبدیل کردے گا۔ ان خدشات کے پیش نظر گیارہ جنوری 1977ء کو حزب اختلاف کی نو جماعتوں نے پاکستان قومی اتحاد کے نام سے ایک اتحاد تشکیل دیا' اس اتحاد میں مسلم لیگ (پگاڑا) جمعیت علمائے اسلام' جمعیت علمائے پاکستان' تحریک استقلال' پاکستان جمہوری پارٹی' خاکسار تحریک' مسلم کانفرنس' جماعت اسلامی اور نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی شامل تھیں۔ اتحاد کے صدر مفتی محمود اور رفیق باجوہ سیکریٹری جنرل منتخب ہوئے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے افسر شاہی کے زور پر الیکشن میں زبردست دھاندلی کی۔ الیکشن سے پہلے ہی کئی حلقوں میں جعلی طور پر پی پی کے لوگ کامیاب کرائے گئے' مولانا جان محمد عباسی کو کاغذات نامزدگی داخل کرنے سے روکا گیا اور سرکاری مشینری کا استعمال کیا گیا۔ سرکاری ذرائع ابلاغ نے پی پی کے راہنماؤں کو گرفتار کرنا شروع کیا۔ پی پی نے قومی اسمبلی کے الیکشن میں

200 نشستوں میں سے 155 پر کامیابی حاصل کی تو پاکستان قومی اتحاد نے ان انتخابات کو ڈھونگ قرار دیتے ہوئے قومی اسمبلی کے انتخابات دوبارہ کرانے کا مطالبہ کر دیا اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا قطعی بائیکاٹ کر دیا۔ قومی اتحاد نے دھاندلیوں کے خلاف ملک گیر تحریک چلانے کا اعلان کر دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف پورے ملک میں احتجاجی مظاہرے شروع ہو گئے۔ اتحاد نے تین نکاتی پروگرام پیش کیا کہ وزیراعظم بھٹو مستعفی ہو جائیں نیا الیکشن کمیشن مقرر کیا جائے، انتخابات کا دوبارہ انعقاد کیا جائے۔ 26 مارچ 1977ء کی عوامی ہڑتال کو ناکام بنانے کے لئے فوج طلب کر لی گئی۔ اتحاد کی اپیل پر زندگی معطل ہو کر رہ گئی۔ اتحاد نے گیارہ اپریل 1977ء کو ملک گیر ''سول نافرمانی کی تحریک'' کا آغاز کر دیا۔ بڑے شہروں میں مظاہروں کو روکنے کے لئے مارشل لاء کا بھی نفاذ کیا گیا۔ بھٹو حکومت کے آخری دنوں میں مذاکرات شروع ہوئے، امید تھی کہ حکومت اور اپوزیشن کے درمیان کوئی درمیانی راستہ نکل آئے گا لیکن پانچ جولائی 1977ء کو بری فوج کے سربراہ جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔

پاکستان کی جمہوری سیاست کا یہ المیہ ہے کہ جب سیاستدان حکومت چلانے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو فوج کو مداخلت کا جواز مل جاتا ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے اپنے دور اقتدار میں شاطر سیاستدانوں کو اس انداز میں استعمال کیا کہ انہیں خود اپنی حیثیت کا اندازہ نہ رہا۔ بھٹو اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے۔ قومی اتحاد میں اختلافات کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ ہو گئی تھی۔ اس لئے انہیں کوئی متحدہ موقف اختیار کرنے کی جرأت ہی نہ ہوئی اس کے علاوہ نامور سیاستدانوں اور ان کے کاسہ لیسوں نے مارشل لاء کی چھتری تلے پناہ لی۔

پانچ، چھ جنوری 1981ء کو زیادہ تر بائیں بازو کی جماعتوں پر مشتمل ایک اتحاد تشکیل دیا گیا جس کا نام ''ایم آر ڈی'' رکھا گیا۔ جنرل ضیاء الحق کے خلاف یہ پہلا باقاعدہ محاذ تھا جس کی قیادت پیپلز پارٹی کے پاس تھی۔ اس محاذ نے 73ء کے آئین کی بنیاد پر الیکشن کرانے کا مطالبہ کیا ''ایم آر ڈی'' میں پاکستان پیپلز پارٹی، تحریک استقلال، نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی، ری پبلکن پارٹی، علمائے پاکستان کانفرنس، مسلم لیگ (ضیاء مخالف) کشمیر مسلم کانفرنس، نیشنل لبریشن فرنٹ، مزدور کسان پارٹی شامل تھیں۔ ان جماعتوں کا ابتدائی سال تو سیاسی عداوتوں کو ختم کرنے میں ہی گزر گیا۔ ایم آر ڈی کی تشکیل کو ابھی ایک ماہ ہی گزرا تھا کہ دو مارچ 1981ء کو جنرل ضیاء الحق نے

وفاقی مجلس شوریٰ قائم کی تو اس میں سب نامور سیاستدان اور وڈیرے جاگیردار گدی نشین شامل ہوگئے۔ یہی صورت حال صوبائی مجالس شوریٰ کی تھی۔ پانچ جولائی 1983ء کو ایم ارڈی نے یوم سیاہ منانے کا اعلان کیا اور چودہ اگست 1983ء میں سول نافرمانی کی تحریک کا اعلان کیا جس کا نام بعد میں سول نافرمانی کی تحریک رکھ دیا گیا۔ جیالوں نے خودسوزیاں کیں ریل کی پٹریاں اکھاڑ دیں، جیلوں پر حملے کیے لیکن یہ اتحاد جنرل ضیاء الحق کے خلاف خاطر خواہ کارروائی کرنے میں ناکام رہا۔ جنرل ضیاء الحق نے جیالوں پر اس قدر سخت گیر کارروائیاں کیں کہ سن کر روح تک کانپ جاتی ہے۔ کوڑے، پھانسیاں، جیلیں، پی پی کارکنوں کا مقدر بنیں جبکہ ایم آر ڈی کی تحریک تین ماہ ہی میں سرد پڑ گئی اور جلد ہی تحریک تھکن کا شکار ہوگئی۔

ایم آر ڈی تحریک کا مختصر جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایم آر ڈی نے اندرا گاندھی کی بے جا حمایت اور پشت پناہی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ تحریک کا مقصد اقتدار حاصل کرنا تھا۔ تحریک تشدد میں بدل گئی، جرائم پیشہ لوگ اس میں شامل ہوگئے۔ تحریک قبل از وقت تھی اس میں مختلف نظریات کی حامل جماعتیں تھیں، ممتاز بھٹو کا کنفیڈریشن کا نعرہ ان تمام عوامل نے ''ایم آر ڈی'' کو ناکام کر دیا۔ بلدیاتی انتخابات اور 84ء کے ریفرنڈم میں ''ایم آر ڈی'' اپنی حیثیت منوانے میں ناکام رہی۔ 1986ء میں ''ایم آر ڈی'' تحلیل ہوگئی۔ دس اپریل 1986ء کو بے نظیر بھٹو وطن واپس آئیں تو ان کا فقید المثال استقبال کیا گیا۔ 17 اگست 1988ء کو جنرل محمد ضیاء الحق ایک فضائی حادثے میں جاں بحق ہوگئے۔ قائم مقام صدارت سینیٹ کے چیئرمین غلام اسحاق خان کے پاس چلی گئی۔ جنرل ضیاء الحق کا دور مجموعی طور پر شریفانہ رہا ملکی ترقی ہوئی سپر پاور بکھرے ہوئی۔ نفاذ اسلام کے لئے کچھ کوششیں ہوئیں۔

16 نومبر 1988ء کو جماعتی بنیادوں پر عام انتخابات ہوئے انتخابات میں پیپلز پارٹی کو معمولی عددی اکثریت حاصل ہوئی۔ پنجاب میں اسلامی جمہوری اتحاد، بلوچستان میں نواب اکبر بگٹی اور دیگر دو صوبوں میں پی پی کی حکومت بنی۔ 1988ء کے الیکشن سے پہلے پاکستان میں متعدد انتخابی و سیاسی اتحاد بنے۔ ان میں اسلامی جمہوری اتحاد (آئی جے آئی) پاکستان عوامی اتحاد، لفٹ اینڈ ڈیموکریٹک فرنٹ پاکستان، نیشنل ڈیموکریٹک الائنس این پی پی (کھر گروپ) کا جماعت اہل سنت کے ساتھ اتحاد ہوا۔

پیپلز پارٹی نے اگرچہ کسی اتحاد میں شمولیت اختیار نہیں کی لیکن جمعیت علمائے اسلام (فضل الرحمان گروپ) اور ارباب جہانگیر گروپ سے خفیہ اتحاد قائم کیا۔ عوامی نیشنل پارٹی اور سندھ بلوچ پختون فرنٹ کا انتخابی اتحاد تھا۔ بلوچستان نیشنل الائنس پنجاب پختون اتحاد۔

اسلامی جمہوری اتحاد کی تشکیل ڈاکٹر سرفراز میر کی رہائش گاہ اسلام آباد میں ہوئی۔ ابتدائی اجلاس میں پروفیسر غفور، پروفیسر غورشید احمد اور چوہدری رحمت علی نے شرکت کی۔ دوسرے اجلاس میں مسلم لیگ فدا گروپ کے صدر فدا محمد خان جنرل سیکریٹری میاں نواز شریف سرحد مسلم لیگ کے فضل حق، سندھ مسلم لیگ اختر علی قاضی، بلوچستان کے وزیر اعلیٰ ظفر اللہ جمالی نگران وزیر دفاع محمود ہارون، نگران وزیر داخلہ نسیم احمد آہیر نگران وزیر پیداوار میر افضل خان این پی پی کے غلام مصطفیٰ جتوئی، ضیاء عباسی حنیف خان اور ایس ایم ظفر حزب جہاد کے آغا مرتضیٰ پویا نظام مصطفیٰ گروپ کی قمر النساء قمر (درخواستی گروپ جے یو پی) کے سمیع الحق، آزاد گروپ کے محمد امام اور جاوید ہاشمی نے شرکت کی۔ پانچ اکتوبر 1988ء کو آٹھ سیاسی جماعتوں اور سیاسی تنظیموں پر مشتمل باضابطہ انتخابی اتحاد ''اسلامی جمہوری اتحاد'' معرض وجود میں آیا۔ غلام مصطفیٰ جتوئی صدر اور پروفیسر غفور سیکریٹری جنرل مقرر ہوئے۔ اسلامی جمہوری اتحاد میں پہلے ٹکٹوں کی تقسیم پر بدمزگی ہوئی لیکن بعد میں ایسے افراد کو ٹکٹ دیئے گئے جن کی کامیابی کے امکانات روشن تھے۔

پاکستان عوامی اتحاد آٹھ اکتوبر 1988ء کو قائم ہوا۔ اس اتحاد کے داعی محمد خان جونیجو تھے جو بعد میں نواز شریف میں ضم ہو گئے۔ اس اتحاد کے قیام میں اصغر خان نے نمایاں کوشش کی تھی اور یہ پانچ سال کے لئے قائم ہوا تھا۔ لیکن اپنی مدت پوری نہ کر سکا۔

لفٹ ہینڈ ڈیموکریٹک فرنٹ آٹھ اکتوبر 1988ء کو ملک کی چھ بائیں بازو کی سیاسی جماعتوں کے درمیان انتخابی اتحاد تھا۔ اس اتحاد میں معراج محمد خان، غلام نبی کلو، جام ساقی، اختر حسین، عابد حسین منٹو شامل تھے۔ یہ اتحاد انتخابی نتائج پر اثر انداز نہیں ہوا لیکن ہم خیال لوگوں کی اس نے حمایت جاری رکھی۔

الیکشن 88ء میں پی پی اور مسلم لیگ آمنے سامنے تھے۔ انتخابی مہم زیادہ تر ان دو سیاسی دھڑوں کے درمیان چلی، مرکز میں پی پی کو کامیابی ملی، صوبوں میں بعض قد آور شخصیات کامیاب ہوئیں۔ وہاں بہت ساری شخصیات کو ناکامی کا بھی منہ دیکھنا پڑا۔ بعض سیاسی راہنماؤں کا خیال

ہے کہ اسلامی جمہوری اتحاد کی تشکیل میں خفیہ اداروں کا ہاتھ ہے۔

بے نظیر بھٹو جب وزیراعظم منتخب ہوئیں تو پسماندہ طبقات کا خیال تھا کہ اب ان کی حالت سنورے گی لیکن یہ خیال کچھ ہی عرصے میں ریت کی طرح بہہ گیا۔ بینظیر بھٹو کا زیادہ وقت پنجاب سے محاذ آرائی اور آصف زرداری کی کرپشن کی کلیئرنس کرنے میں گزرا۔ بے نظیر مسائل کو حوصلے اور تدبر سے حل نہ کرسکیں، کشمیر اور خارجہ امور پر معذرت خواہانہ رویہ اپنایا گیا، قومی خزانہ کوریوڑیوں کی طرح بانٹا، پاکستان کی تاریخ کی بھاری کابینہ بنائی گئی۔ ملک میں لاقانونیت بڑھ گئی۔ سندھ کے حالات خراب سے خراب تر ہوگئے۔ یوں ان الزامات کو بنیاد بنا کر صدر غلام اسحاق خان نے چھ اگست 1990ء کو آئین کی دفعہ 58(2)بی کے تحت قومی اسمبلی برخاست کردی۔ بعض صوبائی گورنر بھی برخاست کردیئے۔ غلام مصطفیٰ جتوئی کی قیادت میں نگران حکومت قائم ہوئی۔

الیکشن 90ء میں اصل مقابلہ اسلامی جمہوری اتحاد اور پی ڈی اے کے درمیان تھا۔ ان دونوں اتحادوں نے زبردست انتخابی مہم چلائی۔ اس الیکشن میں اسلامی جمہوری اتحاد کی ایم کیوایم، جمہوری وطن پارٹی، عوامی نیشنل پارٹی اور سپاہ صحابہ ہمنوا بن گئیں۔ 24 اکتوبر 1990ء کو الیکشن ہوئے جس میں اسلامی جمہوری اتحاد کو کامیابی نصیب ہوئی اور نواز شریف وزیراعظم پاکستان بنے۔ اس الیکشن میں پی ڈی اے نے بھی مختلف جماعتوں سے انتخابی اتحاد کیا جبکہ اس کا دعویٰ ملک گیر شناخت کا تھا۔ پی پی کی ساکھ گزشتہ بیس ماہ میں متاثر ہوئی تھی۔ اس لئے اس نے پی پی کے نام کی بجائے پی ڈی اے کے نام سے الیکشن میں حصہ لیا۔ یہ اتحاد دس ستمبر 1990ء کو معرض وجود میں آیا۔ اس اتحاد میں پیپلز پارٹی تحریک استقلال تحریک نفاذ فقہ جعفریہ اور مسلم لیگ (قاسم گروپ) شامل تھے۔ خورشید محمود قصوری اس اتحاد کے جنرل سیکریٹری بنے۔

ڈاکٹر طاہر القادری جو پہلے نواز شریف کی مسجد کے خطیب تھے۔ انہوں نے عوامی تحریک کے نام سے تیسری قوت کا دعویٰ شروع کردیا۔ عوامی تحریک کا کوئی امیدوار پاکستان میں کہیں کامیاب نہیں ہوا۔

1993ء میں غلام اسحاق خان نے نواز شریف کو بدعنوانیوں کے الزام میں اقتدار سے ہٹادیا۔ نواز شریف کا پہلا دور حکومت کوئی آئیڈیل دور نہیں کہا جاسکتا انہیں اسمبلی میں واضح اکثریت حاصل تھی لیکن انہوں نے ملک وقوم کے لئے کوئی خاطر خواہ کام نہیں کیا۔ اس دور میں بے

روزگاری بڑھی اور بدامنی کو فروغ ملا۔

93ء کا الیکشن کئی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔ ایک تو مسلم لیگ میں گروپ بندی ہوئی۔ چٹھہ اور وٹو کے چھوڑ جانے سے نواز شریف گروپ کو بہت نقصان ہوا‘ دوسری طرف اسلامی جمہوری اتحاد کی بڑی حلیف جماعت جماعت اسلامی نے تنہا الیکشن لڑنے کا اعلان کر دیا۔ اس الیکشن میں پی پی کامیاب ہوئی۔ اس کو صرف چند ووٹوں سے مرکز میں اکثریت حاصل تھی۔ پنجاب کی وزارت اعلیٰ میاں منظور وٹو کے پاس گئی۔ قاضی حسین احمد کے اسلامک فرنٹ کا بہت برا حشر ہوا۔ قاضی حسین احمد سمیت اسلامک فرنٹ پورے ملک میں ناکام ہوگیا۔ نہ صرف ناکام ہوا بلکہ نواز شریف کو لے ڈوبا۔ وزارت عظمیٰ کا تاج ایک مرتبہ پھر بے نظیر بھٹو کے سر پر سجا۔ لیکن بھٹو خاندان کا المیہ ہے کہ اقتدار میں آ کر ان کا دماغ خراب ہوجاتا ہے۔ بے نظیر کے پورے دور حکومت میں نواز شریف کی تحریک نجات چلتی رہی‘ اراکین اسمبلی پر قرضوں پلاٹوں پرمٹوں اور کوٹھیوں کی بارش ہوتی رہی۔ سلامتی کونسل میں کشمیر کے سلسلہ پر حکومت کی سبکی ہوئی۔ آصف زرداری کے حوالے سے کرپشن کی داستانیں زبان زد عام تھیں۔ پی پی کے جیالے صدر فاروق احمد لغاری نے اپنی ہی حکومت‘ کرپشن بدعنوانی اختیارات کے ناجائز استعمال جیسے الزامات لگا کر برخاست کر دی۔ تین فروری 1997ء میں الیکشن ہوئے‘ اب اصل مقابلہ پی پی اور مسلم لیگ کے درمیان تھا۔ مسلم لیگ کا انتخابی اتحاد اے این پی جمعیت علمائے اسلام نیازی گروپ‘ جمعیت اہل حدیث لکھنوی اور ساجد میر گروپ کے ساتھ تھا۔ پیپلز پارٹی نے بھی بعض سیاسی جماعتوں کے ساتھ انتخابی ایڈجسٹمنٹ کی لیکن اب کی بار نواز شریف نے الیکشن جیت کر 1986ء کی یاد تازہ کر دی۔ مسلم لیگ کو مرکز میں دو تہائی سے زیادہ اکثریت ملی۔ نواز شریف کا دوسرا دور حکومت اپوزیشن کا مقابلہ کرنے‘ جس میں بے نظیر بھٹو‘ قاضی حسین احمد‘ طاہر القادری‘ فضل الرحمان قابل ذکر ہیں میں گزرا۔ گو نواز شریف نے اپنے دوسرے دور حکومت میں بے نظیر سطح کی کرپشن نہیں کی لیکن عوام کے لئے بھی کوئی خاطر خواہ کام نہیں کیا۔ 12 اکتوبر 99ء میں جنرل پرویز مشرف نے حکومت کا تختہ الٹ کر اقتدار سنبھال لیا۔ اس وقت نواز شریف پابند سلاسل ہیں۔ ان کے خلاف مشہور زمانہ طیارہ سازش کیس عدالت میں زیر سماعت ہے۔ نواز شریف کی رہائی کی جنگ ان کے کچھ وفادار مسلم لیگی اور ان کی بیوی کلثوم نواز لڑ رہی ہیں۔ ادھر پی پی کی چیئرپرسن بے نظیر بھٹو ملک سے باہر ہیں۔ بعض امور پر نواز شریف کی مسلم لیگ اور پی پی میں پرویز مشرف حکومت کے خلاف

ذہنی ہم آہنگی بڑھ رہی ہے۔ جی ڈی اے میں شامل بعض سیاسی جماعتیں مسلم لیگ کی شمولیت پر اپنی خوشی کا اظہار کر رہی ہیں۔ ادھر مسلم لیگ میں ہم خیال گروپ جس میں فخر امام، چوہدری شجاعت، میاں اظہر، اعجاز الحق جیسے قدآور لیڈر شامل ہیں جی ڈی اے سے اتحاد کے مخالف ہیں۔

موجودہ حکومت نے سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگا رکھی ہے۔ اور اس کے علاوہ موجودہ حکومت کا ایک سال بھی کوئی قابل تقلید نہیں صرف ایک سال میں درجن سے زائد حکومتی اہلکار مستعفی ہو چکے ہیں۔ آنے والا وقت ہی ثابت کرے گا کہ جنرل مشرف کے خلاف کس نوعیت کا اتحاد قائم ہوگا اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوں گے۔

پاکستان کے سیاسی اتحادوں کا دیانتداری سے تجزیہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب بھی کوئی سیاسی اتحاد اپنی منزل مقصود پر پہنچا یا تو سیاسی وڈیرے اور اجارہ دار سیاست شیدائیوں نے اغوا کر لیا یا سیاسی مہم جو نے سبوتاژ کر دیا۔ پاکستان کے سیاسی اتحادوں نے ہمیشہ عوام کو کیا ہے، بے حسی و جمود کو توڑا ہے۔ سیاسی اداروں کی بحالی واستحکام کے لئے جدوجہد کی ہے لوگوں کو سیاسی تربیت گاہ ملی لیکن نظام میں کوئی نمایاں تبدیلی رونما نہیں ہوئی کیونکہ ہر اتحاد سیاست دانوں کی غلط کاریوں کی وجہ سے مارشل لاء کے عتاب میں آ گیا۔

جنوبی پنجاب میں الیکشن 97ء۔ ایک تجزیہ

حالیہ انتخابات میں کئی سیاسی خاندانوں کے افراد نے ایک دوسرے کے خلاف الیکشن لڑا اور انہی خاندانوں میں سیاسی رسہ کشی کے باعث کئی حلقوں میں دلچسپ مقابلے ہوئے اور ایک ایسی صورتحال سامنے آئی کہ چچا بھتیجا، کزن، بھائی بھائی اور دیگر قریبی رشتے داروں کے درمیان کانٹے دار مقابلے ہوئے۔ جنوبی پنجاب کے تینوں ڈویژنوں نے ہمیشہ مرکز میں اقتدار کے لحاظ سے کلیدی رول ادا کیا ہے۔ جنوبی پنجاب کی 37 نشستوں میں سے مسلم لیگ (ن) نے 33 نشستیں حاصل کیں جبکہ دو حلقوں میں سپاہ صحابہ کے مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی کے اچانک قتل کی وجہ سے انتخابات ملتوی کر دیئے گئے اور دو نشستوں پر سردار نصر اللہ دریشک اور سردار جعفر خان لغاری آزاد حیثیت سے کامیاب ہوئے۔ سرائیکی پٹی میں نواز شریف نے جو نمایاں کامیابی حاصل کی اس نے 1946ء کے انتخابات کی یاد تازہ کر دی۔ شیر کی بڑھک اور عوامی احتساب کی لہر مخالفین کو بہا

کر لے گئی۔ ووٹروں نے پی بی اور پی پی سے بیزاری کا مظاہرہ کر کے عوامی احتساب کا بھرپور حق ادا کیا۔ جنوبی پنجاب میں مسلم لیگ بہت نمایاں فرق سے کامیاب ہوئی۔ اس طرح پی پی کا ووٹ بینک جو گزشتہ کئی انتخابات سے ایک مقام پر قائم تھا اس میں نمایاں کمی واقع ہوئی جبکہ مسلم لیگ کے ووٹ بینک میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ جنوبی پنجاب میں پی پی کے جو سابق وزراء جنہوں نے انتخابات میں حصہ لیا ان کی زیادہ تر توجہ کرپشن کے الزامات کو دھونے پر مرکوز رہی۔ بینظیر بھٹو نے اپنے دور اقتدار میں ان علاقوں کو دل کھول کر لاتعداد وزارتیں دیں۔ لیکن مہنگائی بیروزگاری فرقہ واریت اور لاقانونیت نے ان علاقوں میں پی پی کی مقبولیت میں زبردست کمی کی۔ بینظیر بھٹو کا دور حکومت پاکستان کی سیاسی تاریخ کا ایک سیاہ ترین دور تھا۔ اس دور میں جنوبی پنجاب میں ہارس ٹریڈنگ وسیع پیمانے پر ہوئی اور مخالفین پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے۔ قومی دولت کو یتیم کا مال سمجھ کر لوٹا گیا۔ اراکین اسمبلی کے عزیز رشتہ داروں میں عہدوں کی بندر بانٹ ہوئی۔ اس لئے جب صدر سردار فاروق احمد خان لغاری نے بینظیر بھٹو کو رخصت کیا تو پورے ''وسیب'' میں زبردست خوشی اور مسرت کا اظہار کیا گیا۔ فروری 1997ء کے انتخابات کے نتیجے میں جنوبی پنجاب کے روایتی خاندانوں کو شکست ہوئی۔ ملتان سے سید یوسف رضا گیلانی اپنے پرانے حریف حاجی سکندر حیات بوسن سے شکست کھا گئے جبکہ مبصرین انتخابات سے پہلے یوسف رضا گیلانی کی نشست کو کافی محفوظ خیال کرتے تھے۔ کیونکہ اسی حلقے سے وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کو 1988ء میں شکست ہوئی تھی۔ سید یوسف رضا گیلانی نے اپنے دور میں بہت سے ترقیاتی کام کئے، نوکریاں تقسیم کیں لیکن یہ نوکریاں صرف مراعات یافتہ لوگوں کو دی گئیں اور یہ بڑے لوگ عوام کا رخ موڑنے میں ناکام ہوئے۔ سابق اسپیکر کی ناکامی میں کرپشن کے الزامات نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ ملتان کی دوسری نشستوں پر شیخ طاہر رشید اور حاجی محمد بوٹا بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ یہ دونوں اراکین پی پی دور مین پابند سلاسل رہے۔ ملتان کی لوکل آبادی کے علاوہ مہاجروں اور آبادکاروں نے مسلم لیگ کے حق میں فیصلہ سنایا، ضلع لودھراں بھی اس دفعہ کافی اہمیت کا حامل تھا کیونکہ سابق وزیر خارجہ میاں نواز شریف کے دست راست 93ء کے عام انتخابات میں مرزا ناصر بیگ سے شکست کھا گئے تھے اور اب پھر دونوں پرانے حریف آمنے سامنے تھے۔ گزشتہ انتخابات میں صدیق خان کانجو ناکام رہے، صدیق خان کانجو نے ناکامی کے بعد تین سال تک عوام سے رابطہ رکھا اور وہ روٹھے دوستوں کو مناتے رہے یوں صدیق کانجو اور رانا ممتاز

نون بھاری اکثریت سے نہ صرف خود کامیاب ہوئے بلکہ اپنے صوبائی امیدواروں کو بھی منتخب کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان راہنماؤں کی کامیابی میں کہروڑ پکا کے مہاجر ووٹوں کو پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا۔ ضلع خانیوال کی ایک نشست جس پر سید فخر امام کا مقابلہ اقبال ہراج سے تھا ضیاء الرحمٰن فاروقی کی ہلاکت کے باعث یہاں الیکشن روک دیئے گئے جبکہ سابق طالب علم رہنما اور وفاقی وزیر مخدوم جاوید ہاشمی نے سابق گورنر مخدوم سجاد حسین قریشی کے فرزند مخدوم شاہ محمود قریشی کو شکست دی۔ شاہ محمود قریشی کا خاندان ایک عرصہ تک مسلم لیگ سے وابستہ رہا ہے۔

ملک غلام مصطفیٰ کھر جنوبی پنجاب کی قد آور شخصیت ہیں۔ مظفر گڑھ اور کوٹ ادو سے کھر خاندان اور اس کے حمایت یافتگان کے جیتنے کے علاوہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ جلاوطنی کے بعد جب غلام مصطفیٰ کھر واپس اپنے علاقہ میں آئے تو لوگوں نے اپنی آنکھیں فرش راہ کر دیں۔ ملک غلام مصطفیٰ کھر نے بطور وزیر پانی و بجلی سرکاری وسائل کو بے پناہ ذاتی ضروریات پر ترجیح دے کر استعمال کیا۔ پنجاب کے مختلف علاقوں میں سیکڑوں ایکڑ اراضی خریدی' ملک صاحب نے الیکشن سے قبل اعلان کیا کہ یہ ان کا آخری الیکشن ہے اس کے بعد وہ سیاست سے دستبردار ہو جائیں گے لیکن لوگ ان سے دور دور ہی رہے۔ انہوں نے لوگوں کی منت سماجت کی' ہاتھ جوڑے لیکن وہ خود اور ان کا حامی گروپ اپنے اپنے حلقوں میں ناکام ہو گیا جس کی بناء پر کوٹ ادو اور ضلع مظفر گڑھ میں ان کی چالیس سالہ سیاسی بالادستی عملاً ختم ہو چکی ہے۔ یوں جمیل بخاری کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔ ویسے تو اس علاقے کی جتوئی فیملی خاص اہمیت کی حامل ہے لیکن سیاسی وفاداریاں بدلنے میں ان کا بھی جواب نہیں۔ اسی وجہ سے لوگوں میں ان کی رپورٹ خراب ہو چکی ہے۔ اسی علاقے سے جمیل بخاری کے علاوہ 25 سالہ صاحبزادے باسط بخاری کو بھی کامیابی ہوئی ہے جو کہ پنجاب اسمبلی کے سب سے کم عمر ایم پی اے منتخب ہو چکے ہیں۔ ڈیرہ غازی خان میں صدر فاروق لغاری کے خاندان اور ذوالفقار کھوسہ خاندان کے درمیان کانٹے دار مقابلہ ہوا۔ ان خاندانوں کے ایک سے زائد افراد رکن اسمبلی منتخب ہوئے ہیں۔ صدر فاروق لغاری کے صاحبزادے سردار جمال لغاری بے پناہ سرکاری وسائل کے باوجود سردار ذوالفقار کھوسہ کے ہاتھوں شکست کھا گئے جبکہ صدر کے دوسرے صاحبزادے سردار اویس لغاری نے راجن پور سے مسلم لیگ پنجاب کے نائب صدر جاوید اقبال گورجانی کو شکست دی۔ صدر فاروق لغاری کے کزن منصور لغاری کو سردار امجد فاروق کھوسہ کے ہاتھوں شکست کا سامنا ہوا جبکہ سردار ذوالفقار کھوسہ کے جواں سال بیٹے سیف الدین

کھوسہ کو اپنے حریف سے ناکامی ہوئی۔ آزاد امیدوار سردار نصر اللہ دریشک 93ء کے الیکشن میں میر بلخ شیر مزاری سے ہار گئے تھے لیکن اس مرتبہ سردار نصر اللہ دریشک نے میر بلخ شیر مزاری کو شکست دے کر حساب کتاب چکا دیا۔ سردار نصر اللہ دریشک مرحوم غلام حیدر وائیں کے خلاف عدم اعتماد کے وقت وٹو سے جا ملے تھے۔

ضلع رحیم یار خان جنوبی پنجاب کا آخری ضلع ہے یہاں ساری قومی سیٹیں مسلم لیگ نے جیتی ہیں۔ مخدوم حسن محمود کے صاحبزادے مخدوم احمد محمود نے ایک سیٹ پر صدر فاروق لغاری کے قرابت دار سردار رفیق حیدر لغاری کو شکست دی اور ضلع رحیم یار خان کی تحصیل لیاقت پور سے پی پی کے سدا بہار ایم این اے مخدوم احمد عالم انور کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ پی پی ضلع رحیم یار خان سے دو صوبائی سیٹیں جیتنے میں کامیاب ہوگئی جو کہ پوری پنجاب اسمبلی میں پی پی کی یہ دو ہی نشستیں ہیں۔ مخدوم سید احمد محمود کی معاونت لیگی صوبائی امیدوار چوہدری مسعود اور پی پی کے سابق میاں سراج احمد دین پوری نے کی۔ رحیم یار خان شہری سیٹ پر چوہدری جعفر اقبال گجر مسلم لیگ کی ٹکٹ پر دوسری مرتبہ کامیاب ہو گئے ہیں اس مرتبہ انہوں نے پی پی کے ظفر وڑائچ کو بھاری اکثریت سے ہرایا ہے۔ اسی سیٹ پر میاں امتیاز نے دوسری مرتبہ اپنے حریف کو شکست دی۔ رحیم یار خان میں آباد کاروں کی اکثریت کے ووٹ مسلم لیگ کو ملے۔

بہاولپور این اے 141 پر نواب صلاح الدین عباسی مسلسل چار مرتبہ اور مجموعی طور پر پانچویں مرتبہ ایم این اے منتخب ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے مدمقابل اپنے چچا شہزادہ سعید الرشید کو 50 ہزار ووٹوں سے شکست دی ہے۔ شہزادہ سعید الرشید بھٹو کی کابینہ میں سائنس و ٹیکنالوجی کے وزیر رہے ہیں۔ احمد پور شرقیہ اور اس کے گرد و نواح میں نواب صلاح الدین عباسی کو بڑی عقیدت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ان کے بارے میں مشہور ہے کہ اگر وہ کانگریس کا ٹکٹ بھی لے آئیں تو ان کو کامیابی ہوگی۔ بہاولپور شہر میں صورت حال بہت دلچسپ رہی۔ صوبائی ٹکٹ پہلے سمیع اللہ چوہدری کو شیخ رشید کے بے پناہ اصرار اور دباؤ کی وجہ سے دے دیا گیا لیکن بعد میں یہ ٹکٹ واپس لے کر اپنے اپوزیشن لیڈر سید تابش الوری کو دے دیا گیا تو لیگی حلقوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ آخری دنوں میں میاں نواز شریف نے یہ ٹکٹ دوبارہ سمیع اللہ جوہدری کو دے دیا۔ دوسری طرف سید تابش الوری نے بھی آزاد حیثیت سے الیکشن لڑنے کا اعلان کر دیا۔ شہر میں ایک تاثر عام

تھا کہ مہاجروں کے 38 ہزار ووٹ اب مسلم لیگ کو نہیں ملیں گے اور وہ تابش الوری کو ٹکٹ نہ ملنے کی وجہ سے مسلم لیگ کے قائد سے نالاں ہیں۔ اس تاثر کو اس وقت تقویت ملی جب میاں نواز شریف بہاولپور جلسہ کرنے کے لئے آئے تو اس جلسہ میں صرف چند ہزار افراد تھے۔ جلسہ کو دیکھ کر ہر شہری خوفزدہ تھا کہ کہیں مسلم لیگ یہ سیٹ لوز نہ کر جائے لیکن نتائج حیران کن تھے نہ صرف سمیع اللہ چوہدری کو کامیابی ہوئی بلکہ سید تابش الوری کی ضمانت تک ضبط ہوگئی اور پی پی کے امیدوار ملک حبیب اللہ صرف سات ہزار ووٹ لینے میں کامیاب ہوئے۔ قومی اسمبلی بہاولپور کی نشست صاحبزادہ فاروق انور عباسی اور جونیجو لیگ کے چوہدری ممتاز ججہ کے درمیان مقابلہ تھا۔ چوہدری ممتاز ججہ سردار عارف نکئی کے قریبی عزیز ہیں اور بطور چیف گیم وارڈن خدمات انجام دے چکے ہیں، اسی نشست سے پہلے طارق بشیر چیمہ ناکام ہو چکے ہیں اس لئے انہوں نے یہ سیٹ چھوڑ کر صوبائی سطح پر لڑنے کا فیصلہ کیا۔ طارق بشیر چیمہ سابق صوبائی وزیر زراعت ممتاز ججہ کو قومی سیٹ پر آگے لانے کے ساتھ ساتھ خود بھی ناکام ہوگئے اور ممتاز ججہ کو بھی ناکام کیا۔ اس مرتبہ پھر فاروق انور عباسی نے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ہیٹ ٹرک مکمل کر لی۔ کہا جاتا ہے کہ ممتاز ججہ کو اپنی شکست کا یقین تھا لیکن انہوں نے الیکشن لڑنے کا فیصلہ اس لئے کیا کہ کہیں وہ سیاسی منظر سے غائب نہ ہو جائیں۔ قومی حلقہ این اے 143 بہاولپور پر سید تسنیم نواز گردیزی سابق وفاقی وزیر صحت اور پی پی کے میاں ریاض پیرزادہ کے درمیان مقابلہ تھا لیکن مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی کی اچانک موت سے یہاں انتخابی عمل روکنا پڑا۔ ویسے مسلم لیگی امیدوار سید تسنیم نواز گردیزی خاصے مضبوط امیدوار ہیں، ضمنی الیکشن میں ان کی کامیابی یقینی ہے۔

مختصر سوانح حیات

☆ ڈاکٹر اے۔ کیو خان۔ نشان امتیاز (دوبار)، ہلال امتیاز

جوں جوں وقت آگے کی سمت کو سفر کرتا ہے، قدرت کی توجہ غیر معمولی فکری اور تخلیقی صلاحیتوں سے مالا مال انسانوں کو وجود بخشنے پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ یہی وہ انسان ہوتے ہیں جو اپنے اچھے اعمال کے سبب احکام خداوندی بجا لاتے ہیں۔

جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

”میں نے انسان کو بہترین شکل میں پیدا کیا۔“ القرآن: سورۃ ۹۵، آیت ۰۴)

یہ لوگ پیغمبر نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے اعمال اور افعال سے خود کو ہستی مطلق کی منشاء سے ماوراء ظاہر کر دکھاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو قوموں کے ارتقائی عمل میں ایک تاریخ رقم کرنے پر وقف اور مامور ہیں۔ ایسی ہی ایک شخصیت بھوپال میں یکم اپریل 1936ء کو پیدا ہونے والے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی ہے۔ ہجری اعتبار سے یہ 1355 بمطابق 15 رجب بروز جمعرات ہے۔ جوں جوں وقت نے خود کو آشکار کیا ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ان کے والد جناب عبدالغفور خان کے نام ”قدیر“ اور ”غفور“ کے الفاظ میں پنہاں خدائی صفات کی علامت بنتے چلے گئے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ان کے والد محترم جناب عبدالغفور خان نے پاکستانی قوم کو اعلیٰ ٹیکنالوجی میں نئی بلندیوں تک پہنچا دیا۔

اپنی ابتدائی تعلیم بھوپال میں حاصل کرنے کے بعد ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے 1960ء میں یونیورسٹی آف کراچی سے بیچلر آف سائنس کی ڈگری حاصل کی۔ یہیں سے ان کی شخصیت میں پائی جانے والی ذہانت اور دانشوری کے بھید کھلنا شروع ہوئے۔ بعدازاں انہوں نے برلن، جرمنی میں تعلیم حاصل کی اور میٹلرجیکل انجینئرنگ کے متعدد کورسز میں شرکت کر کے اعلیٰ ترین قابلیت واہلیت حاصل کی۔ انہوں نے 1967ء میں ڈیلفٹ ٹیکنولوجیکل یونیورسٹی، ہالینڈ سے ماسٹر آف سائنس (ٹیکنالوجی) اور 1972ء میں یونیورسٹی آف لیووین، بیلجیئم سے ڈاکٹر آف انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی بے قرار طبیعت انہیں یورپ کی کئی لیبارٹریوں تک لے گئی جن میں ہالینڈ کا افزودگی یورینیم پلانٹ بھی شامل ہے۔ یہ میٹلرجیکل اور نیوکلیئر سائنس میں اعلیٰ درجے کے علمی کارناموں سے جلا پانے والی شخصیت ہی کا خاصہ تھا کہ ان کا رجحان اور ہستی دونوں ہمیشہ پاکستان کی فلاح پر ہی مرکوز رہے۔ 1976ء میں انہوں نے انجینئرنگ ریسرچ لیبارٹری (ERL) پاکستان میں شمولیت اختیار کی اور یورینیم کی افزودگی کا ایک صنعتی پلانٹ قائم کیا۔ پاکستان کی سلامتی کے لئے ان کی خدمات کو خراج عقیدت کے طور پر یکم مئی 1981ء کو اس وقت کے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے انجینئرنگ ریسرچ لیبارٹریز، کہوٹہ کا نام تبدیل کر کے اسے عبدالقدیر خان ریسرچ لیبارٹریز (KRL) رکھ دیا۔ یہ لیبارٹریاں پرامن مقاصد کے لئے نیوکلیئر ٹیکنالوجی کے استعمال کی غرض سے یورینیم افزودہ کئے جانے کے خیال کے پیش نظر

بلا سازوسامان کی حالت سے نکال کر کسی حد تک آراستہ ولیس کی گئی تھیں۔ گزرتے برسوں میں یہ لیبارٹریاں ان سائنسدانوں، انجینئرز اور تکنیک کاروں کی توجہ کا مرکز بن گئیں، جنہیں ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے خود اپنے گرد اکٹھا کیا تھا اور ایسے فریضوں کے لئے ان کی رہنمائی کی تھی جو سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدانوں میں بے مثال ترقیوں کی نوید تھے۔ یہ سارا کام نہایت ہی سخت آزمائشی اور کٹھن حالات میں جاری تھا۔ اور صرف ان ہی کی ہمت، لگن، پختہ عزم اور ثابت قدمی تھی جو ان کے لئے، ان کے رفقائے کار کے لئے اور یقیناً پوری قوم کے لئے کامرانی لے کر آئی۔

ڈاکٹر قدیر خان کی سائنسی خدمات کا اعتراف مختلف انداز میں کیا گیا۔ ایک فعال سائنسدان اور ٹیکنالوجسٹ کی حیثیت میں انہوں نے اعلیٰ شہرت کے حامل بین الاقوامی جریدوں میں 192 سے زائد سائنٹفک ریسرچ پیپرز شائع کروائے۔ وہ میٹلر جی، ایڈوانس اور فیز ٹرانسفورمیشن کے موضوعات پر کتابوں کی ایک کثیر تعداد کے ایڈیٹر رہے ہیں۔ ان کو علمی اور اعلیٰ تعلیمی سرگرمیوں نے کئی ملکوں تعداد کو اپنی سمت متوجہ کیا۔ جہاں انہوں نے 100 سے زیادہ لیکچرز دیئے۔ نیوکلیئر ٹیکنالوجی کے پرامن استعمال کی غرض سے صنعتی یورینیم افزودگی پلانٹ پر ان کا کام میٹلر جی اور میٹیریلز سائنس کے شعبے میں ایک نمایاں اور اہم پیش رفت ہے۔

یہ صرف اور صرف انہیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ یورینیم کی افزودگی کی کامیابی کے ساتھ پاکستان میں تکمیل ہوئی۔ یہ اہم پیش رفت آخر کار 28 اور 30 مئی 1998ء کو چھ نیوکلر کلیائی بموں کے تاریخی دھماکوں کی صورت میں انجام پزیر ہوئی۔ نہ صرف یہ بلکہ ایک نمایاں ترقی اس وقت بھی دیکھنے میں آئی جب 6 اپریل 1998ء کو غوری 1, 14 اپریل 1999ء کو غوری 11 درمیانی رینج والے بیلیسٹک میزائلوں کو بھیجنے کا کامیاب تجربہ کیا ہے۔

ڈاکٹر خان کی لاتعداد ایسی خدمات ہیں جن کی بدولت پاکستان کی دفاعی صلاحیتیں مضبوط ہوئیں۔ ان میں دوسروں کے علاوہ جدید ترین آلات مثلاً سطح سے فضا (میں مار کرنے والے) شولڈر فائرڈ رینٹی ایئر کرافٹ ANZA (MK-1 اور MK-11) اور مسلح افواج کے لئے بکتر شکن اینٹی ٹینک گائنڈ ڈ میزائل کی تیاری شامل ہے۔

ڈاکٹر خان نے 1993ء میں یونیورسٹی آف کراچی، 11 دسمبر 1998ء کو بقائی میڈیکل یونیورسٹی 6 مارچ 1999ء کو ہمدرد یونیورسٹی کراچی، 16 اپریل 1999ء کو گومل یونیورسٹی ڈیرہ

اسمٰعیل خان، صوبہ سرحد 9 دسمبر 2000ء کو یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور، 25 مارچ 2001ء کو سرسید یونیورسٹی انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، کراچی سے ڈاکٹر آف سائنس کی ڈگریاں حاصل کیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ان کی قابل ذکر خدمات کے علاوہ ڈاکٹر خان پاکستان میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کے پرجوش حامی ہیں۔ جی آئی کے انسٹیٹیوٹ برائے سائنس اور ٹیکنالوجی کے پروجیکٹ ڈائریکٹر کی حیثیت میں اس ادارے کو ایک مثالی اعلیٰ ٹیکنالوجی ادارہ بنانے میں انہوں نے اپنی قوتوں کو بے دریغ صرف کیا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں ان کی اہم اور امتیازی خدمات کے اعتراف میں صدرِ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی طرف سے انہیں 14 اگست 1996ء اور 14 اگست 1998ء میں نشان امتیاز سے نوازا گیا۔ انہیں ہلال امتیاز بھی مل چکا ہے۔ ڈاکٹر قدیر خان اعلیٰ ترین سول اعزاز ''نشان امتیاز'' دو مرتبہ حاصل کرنے والے واحد پاکستانی ہیں۔

ان کی خدمات اور کارناموں کا اس مختصر سی تحریر میں احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ وہ اپنی قابل تحقیقات، اعلیٰ تدبر، توانا شخصیت اور غیر متزلزل انہماک کے ذریعے پاکستان اور مسلم امہ کے نصب العین کی خدمت کے جذبے سے سرشار ایک شخصیت ہیں۔ ان کی خدمات اتنی بے شمار ہیں کہ معاشرے کے ہر ایک طبقے نے مختلف انداز سے انہیں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ انہیں متفرق قومی اداروں اور تنظیموں کی جانب سے 46 گولڈ میڈلز عطا کئے گئے۔ انہیں سونے کے 3 عدد تاج بھی پیش کئے گئے۔ ڈاکٹر خان کازخ نیشنل اکیڈمی آف سائنسز کے فیلو ہیں اور اس اعزاز کے ساتھ پہلے ایشیائی سائنسدان ہیں، اسلامک اکیڈمی آف سائنسز کے منتخب فیلو اور کورین اکیڈمی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے اعزازی ممبر ہیں۔ انہیں 17 اکتوبر 2000ء کو جدہ، سعودی عرب میں واقع آئی ڈی بی کے ہیڈ کوارٹر پر اسلامی ترقیاتی بینک کے ایڈوائزری پینل برائے سائنس اور ٹیکنالوجی کے بالکل پہلے اجلاس میں اس پینل کا چیئرمین بھی منتخب کیا جا چکا ہے۔ پاکستان اکیڈمی آف سائنسز کے فیلو کی حیثیت میں 1997ء میں وہ بلا مقابلہ اکیڈمی کے صدر منتخب ہوئے اور بدستور اس عہدے پر قائم ہیں۔ علاوہ ازیں وہ ایک بڑی تعداد میں قومی اور بین الاقوامی پیشہ ور تنظیموں کے ممبر ہیں جن میں پاکستان انسٹیٹیوٹ آف میٹلرجیکل انجینئرز، پاکستان انسٹیٹیوٹ آف سنٹرل اینڈ ویسٹ ایشین اسٹڈیز شامل ہیں۔ وہ انسٹیٹیوٹ آف میٹیریلز، لندن، امریکن سوسائٹی آف میٹل (ASM) دی میٹلرجیکل سوسائٹی آف دی امریکن انسٹیٹیوٹ۔ آف میٹلرجیکل مائننگ

اینڈ پیٹرولیم انجینئرنگ (TMS) کینیڈین انسٹیٹیوٹ آف میٹلز (CIM) اور جاپان انسٹیٹیوٹ آف میٹلز (JIM) کے ممبر ہیں۔

وہ اعلیٰ تعلیم کے پرجوش حامی ہیں، اور متعدد یونیورسٹیوں اور انسٹیٹیوٹ کے بورڈ آف گورنرز اور سنڈیکیٹس پر تشریف فرما ہوتے ہیں۔ دیگر یونیورسٹیوں کے علاوہ وہ جی آئی کے انسٹیٹیوٹ آف انجینئرنگ کی ایگزیکٹو کمیٹی کے ممبر ٹوپی، ہمدرد یونیورسٹی، سرسید یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی بورڈ آف گورنرز کے ممبر، قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد کے ممبر سنڈیکیٹ ممبر ہونے کے ساتھ ساتھ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد کے بورڈ آف گورنرز کے رکن بھی ہیں۔

انہوں نے پاکستان میں تعلیمی اور ریسرچ اداروں کے قیام کے لئے جانفشانی کے ساتھ اپنا کردار ادا کیا ہے جن میں کئی کالج، اسکولز، انسٹیٹیوٹ اور اکادمیوں کا قیام شامل ہے۔ ان کی سرگرمیوں کا دائرہ کار اس قدر وسیع ہے کہ 11 مساجد، 1 مزار مناسب تعداد میں ڈسپنسریاں اور کمیونٹی ہیلتھ سینٹر کی تعمیر بھی ان کی خدمات کا ایک حصہ ہیں۔

یہ بہت کم دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی نے اپنی ایک زندگی میں اتنا کچھ حاصل کیا ہو۔ یہ صرف وہ افراد باکمال ہوتے ہیں جنہیں خدائے بزرگ و برتر نے خصوصی صلاحیتوں سے نوازا ہوتا ہے اور جو سخت محنت اور جاں نثاری کے ساتھ انسانیت کی خدمت کے عظیم مشن کے لئے خود کو تیار کرتے ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سوانحی خاکہ

☆ پروفیسر عطاالرحمان، ہلال امتیاز، تمغہ امتیاز، نشان امتیاز

وفاقی وزیر برائے سائنس اور ٹیکنالوجی اور ڈائریکٹر، ایچ۔ ای۔ جے ریسرچ انسٹیٹیوٹ آف کمسٹری یونیورسٹی آف کراچی

پروفیسر عطاالرحمان، اوورسیز اسکول سرٹیفیکیٹ (کیمبرج یونیورسٹی، 1958ء) اوورسیز ہائر اسکول سرٹیفیکیٹ (کیمبرج یونیورسٹی 1960ء) اور ایم ایس سی (نامیاتی کیمسٹری، کراچی یونیورسٹی، 1964ء) امتحانات میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشنوں کے ساتھ ایک غیر معمولی تعلیمی کیریئر کے حامل رہے ہیں۔ پروفیسر عطاالرحمان نے اپنی پی ایچ ڈی کیمبرج یونیورسٹی سے (1968) میں حاصل کی اور بعد ازاں انہیں کنگز کالج، کیمبرج کے ڈین کی حیثیت میں (1969-1973) تقرری کا خصوصی شرف حاصل ہوا۔ اس کے علاوہ پروفیسر عبدالسلام مرحوم (نوبل اعزاز یافتہ) کے بعد پاکستان کے وہ واحد سائنسدان ہیں جنہیں کیمبرج یونیورسٹی نے قابل تعظیم ڈاکٹر آف سائنس (Sc.D) ڈگری سے نوازا ہے۔

پروفیسر عطاالرحمان نیچرل پروڈکٹ کیمسٹری کے میدان میں بین الاقوامی شہرت رکھتے ہیں۔ انہوں نے 63 کتابیں تصنیف یا مرتب کی ہیں، جن میں سے اکثر یورپ، امریکا اور جاپان میں شائع ہوئیں۔ نمایاں بین الاقوامی سائنسی جرائد میں 479 ریسرچ پیپرز بھی انہوں نے شائع کئے۔ ان کی خاص\نمایاں نگرانی میں 56 طلباء نے پی ایچ ڈی ڈگریاں مکمل کیں۔ نامیاتی کیمسٹری کے میدان میں ان کی امتیازی خدمات کے اعتراف میں حکومت پاکستان نے ان کو

نشان امتیاز (2002)، ہلال امتیاز (1998)، ستارہ امتیاز (2001)، اور تمغہ امتیاز (1983) پر مشتمل چار سول ایوارڈز عطا کئے۔ پروفیسر عطاالرحمان نے کئی قومی اور بین الاقوامی انعامات بھی جیتے ہیں۔ انہوں نے باوقار یونیسکو سائنس پرائز حاصل کیا (1999)۔ ایوارڈ کی 30 سالہ تاریخ میں وہ اسے حاصل کرنے والے اسلامی دنیا کے پہلے سائنسدان ہیں۔ انہوں نے ای سی او پرائز (2000)، ISECO پرائز (2001) سمیت کثیر تعداد میں قومی اور بین الاقوامی انعامات واعزازات جیتے ہیں۔ انہیں یونیورسٹی آف کیمبرج کی طرف سے ڈاکٹریٹ آف سائنس (Sc.D) ڈگری، ایف پی سی سی آئی پرائز برائے ٹیکنالوجیکل انوویشن (1985)، حکومت پاکستان کے ''سال کے بہترین سائنسدان'' ایوارڈ (1986)، حکومت کویت کی جانب سے اسلامک آرگنائزیشن پرائز (1988)، ایرانی صدر کی جانب سے چھٹے الخوارزمی فیسٹیول کے موقع پر پہلے انعام (1993)، وزیراعظم کے گولڈ میڈل اور سائنس میں پاکستان اکادمی سائنسز۔ اتفاق فاؤنڈیشن پرائز (1995) اور اس کے علاوہ فیڈرشن آف ایشین کیمیکل سوسائٹیز ایوارڈ (ہروشیما، جاپان، 1997) سے نوازا گیا۔

پروفیسر عطاالرحمان کو یونیورسٹی آف کیمبرج کی جانب سے 1987ء میں ڈاکٹر آف سائنس (Sc.D) کی تکریمی ڈگری سے بھی نوازا گیا۔ وہ تین اہم اور نمایاں بین الاقوامی سائنسی اکادمیوں (تھرڈ ورلڈ آکیڈمی آف سائنسز، اسلامی اکیڈمی سائنسز اور پاکستان اکیڈمی آف سائن   ) کے فیلو ہیں۔

آج کل پروفیسر عطاالرحمان چھ بین الاقوامی جریدوں، نیچرل پروڈکٹ لیٹرز (سوئٹزرلینڈ)، کرنٹ میڈیسنل کیمسٹری (یو۔ایس۔اے)، کرنٹ فارماسیوٹیکل ڈیزائن (یو۔ایس۔اے)، کرنٹ آرگینک کیمسٹری (یو۔ایس۔اے)، کامبی نیٹوریل کیمسٹری اینڈ ہائی تھروپٹ اسکریننگ (یو۔ایس۔اے) اور منی ریویوزان میڈیکل کیمسٹری (نیدرلینڈز) کے ایڈیٹر انچیف\ ایگزیکٹو ایڈیٹر ہیں۔ وہ نیچرل پروڈکٹ کیمسٹری کے موضوع پر انسائیکلوپیڈیا سلسلے کی کتابوں ''اسٹڈیز ان نیچرل پروڈکٹ کیمسٹری'' کے ایڈیٹر بھی ہیں جس کی 27 جلدیں ان کی زیر ادارت گزشتہ 12 سال میں شائع ہوچکی ہیں۔ وہ ایچ .ای. جے ریسرچ انسٹیٹیوٹ آف کیمسٹری، کراچی یونیورسٹی کے ڈائریکٹر ہیں۔ پروفیسر عطاالرحمان کی کوششوں کی بدولت بین الاقوامی مقابلے کے

بعد ایچ. ای. جے ریسرچ انسٹیٹیوٹ آف کیمسٹری' یونیورسٹی آف کراچی کو کیمیکل سائنسز میں تیسری دنیا کے مرکز برائے سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے طور پر منتخب کیا گیا اور انسٹیٹیوٹ نے جرمنی' جاپان' یو کے' یو ایس اے اور فرانس سے اپنی ترقیاتی سرگرمیوں کے باعث 40 ملین یو ایس ڈالرز سے زائد مالیت کے پروجیکٹ حاصل کئے ہیں۔ چنانچہ یہ انسٹیٹیوٹ نیچرل پروڈکٹس کیمسٹری کے میدان میں دنیا کے طاقتور ترین مراکز میں سے ایک بن گیا ہے۔ پروفیسر عطاالرحمان کو صدر پاکستان کی طرف سے 57 او آئی سی ممبر ممالک کے 57 وزراء برائے سائنس اور ٹیکنالوجی پر مشتمل ایک او آئی سی وزارتی کمیٹی کومسٹیک کا کوآرڈینیٹر جنرل بھی مقرر کیا گیا۔ پروفیسر عطاالرحمان 14 مارچ 2000 سے لے کر 20 نومبر 2002 تک وفاقی وزیر برائے سائنس اور ٹیکنالوجی رہے۔ آج کل وہ وفاقی وزیر کے منصب کے ساتھ ہائر ایجوکیشن کمیشن کے چیئرمین ہیں۔

عطائی کیوں؟

موجودہ مشینی دور میں زندگی اتنی مصروف ہو چکی ہے کہ ہر شخص اپنے مسائل میں ایسا گھرا اور الجھا ہوا ہے کہ اسے کسی دوسرے کی فکر ہی نہیں' انسان غم دوراں سے لے کر غم روزگار تک ایسے ایسے مصائب میں غرق ہے اپنی ذات کے سوا اسے کچھ ہوش نہیں۔ لیکن اپنی اپنی دنیا میں مست کچھ ایسے لوگ ہیں کہ کراچی تا خیبر' کشمیر تا گوادر گاڑیوں' بسوں' ویگنوں' چوک' چوراہوں' بازاروں' کھلی شاہراؤں اور مصروف چوکوں میں بیماریوں کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں۔ لیکن کتنی بدقسمتی کی بات ہے کہ ایک عام آدمی سے لے کر ارباب بست وکشاد تک کسی کو بھی اتنی ساعت نہیں کہ ان وقت کے ماروں کے بارے میں کچھ کر سکیں۔

چہرے پر بظاہر خوشی' ہشاشت بشاشت' ذہن ودماغ میں تفکرات کا سمندر لئے گاڑیوں' بسوں اور ویگنوں اور شاہراؤں کے کناروں پر ادویات بیچتے ہیں۔ ہم انہیں عام فہم زبان میں مجمع والا' مداری' نیم حکیم وغیرہ وغیرہ کہتے ہیں۔ آپ صادق آباد سے گاڑی میں لاہور کے لئے سوار ہوں تو سارے سفر' سارے راستے' آپ کو بہت سے ایسے حافظان صحت ملیں گے۔ کوئی منجن فروخت کرنے آتا ہے تو کوئی کمزوری اور دردوں پر لیکچر دیتا ہے' ہمارا پڑھا لکھا طبقہ ان کو ''عطائی'' کہتا ہے ایک غیر مصدقہ اعداد وشمار کے مطابق ان کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ ان میں کچھ رسمی تعلیم حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں تو کوئی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں اور وہ کچھ طبی کالجوں سے باقاعدہ

فارغ التحصیل بھی۔ پاکستان کی دیگر تنظیموں کی طرح یہ لوگ بھی بہت منظم ہیں۔ ان میں اتحاد مثالی ہے۔ اگر کوئی نوجوان اس پیشے کو اختیار کرنا چاہے تو اس کو باقاعدہ استاد بنانا پڑتا ہے اور استاد کو پگ پہنانا پڑتی ہے۔ اور ایک باقاعدہ رسم کے مطابق اس شاگرد کی دستار بندی بھی ہوتی ہے اور شاگردی میں لیتے وقت اس کو نمک کھلایا جاتا ہے تاکہ یہ ہمیشہ نمک حلال رہے۔ اس کے بعد پھر وہ کہیں مجمع لگا سکتا ہے اور ادویات فروخت کر سکتا ہے۔

اکثر و بیشتر ہمارے قومی اخبارات میں مضامین چھپتے رہتے ہیں اور ڈاکٹروں کے سیمیناروں کی کارروائیاں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ جس میں مطالبہ کیا جاتا ہے کہ عطائیت اور عطائیوں پر پابندی عائد کی جائے لیکن آج تک کسی نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ آخر یہ کون لوگ ہیں جن کے بارے میں اتنی آواز احتجاج بلند ہو رہی ہے اور ان کی زندگی کے مقاصد کیا ہیں۔ کیوں یہ شہر شہر پھرتے ہیں، ان کی خواہشات کیا ہیں۔ آخر ان کے بھی تو خواب ہوں گے۔ نہیں تو ہماری کوئی آرزو نہیں، ہماری کوئی خوائش نہیں جس کی تکمیل نہ ہوئی ہو اس ذات کریم کا بے حد شکر ہے کہ دو وقت کی روٹی مل جاتی ہے۔

حکیم عبدالستار نامی ایک صاحب نے جو مختلف شہروں میں مجمع لگاتے ہیں۔ انہوں نے اپنے بیگ کو چومتے ہوئے ایک غمگین آواز میں کہا۔

باؤجی! میری زندگی اچھی گزرے یا بری آپ کیا کر سکتے ہیں؟ ہم جیسی بھی زندگی گزاریں، ن بڑی بڑی کار والوں کی صحت پر کیا فرق پڑے گا۔

ایک حکیم پروفیسر اسد اللہ خان کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا ایک علمی گھرانے سے تعلق ہے۔ ان کے والد اپنے دور کے ممتاز قانون دان تھے۔ ننھیال گھرانہ بقول ان کے کئی صدیوں سے طب کے پیشے سے منسلک رہے وہ بھی بڑے بڑے شہروں میں مجمع لگاتے ہیں اس شعبے کی دنیا میں پیر استاد تصور کیے جاتے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ بہت سے لوگ آپ کو عطائی کہتے ہیں اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

بڑے ہی پراعتماد انداز میں بولے کہ کسی کی زبان تو نہیں پکڑی جا سکتی۔ لیکن ایک بات میں ان سے ضرور پوچھوں گا کہ اگر کوئی قرشی، ہمدرد اور اجمل دواخانہ والوں کی ادویات فروخت کرے تو وہ حکیم ہوئے اور اگر کوئی اپنی بنی ہوئی ادویات فروخت کرے، وہ عطائی! یہ کہاں کا انصاف ہے۔

دواسازی کی ان کی اور ہماری بنیاد تو ایک ہی ہے۔ کیا قرشی والوں کے پاس الہامی نسخے ہیں۔ صرف ان لوگوں کو حکیم اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کی دکانیں ہیں اور ان کے پاس پیسہ ہے۔ اور شان وشوکت والے ہیں اور ہم بے یار ومددگار ہیں۔

میں نے سوال کیا کہ آپ جب دوائی تیار کرتے ہیں تو کیا دواسازی کے تمام اصولوں کو مدنظر رکھتے ہیں۔ تو کہنے لگے۔

ہم مسلمان ہیں، ہمیں بھی خدا کو جان دینی ہے ہم لوگ پوری کوشش کرتے ہیں کہ دوائی ایسے طریقے سے بنائی جائے کہ مریض کو اس سے افاقہ ہو۔ اگر کوئی غلط طریقہ اور حربہ استعمال کرتا ہے تو وہ اس کا ذاتی فعل ہے۔ اس مقدس پیشے کا کوئی قصور نہیں۔ یہ بدقسمتی سے کچھ جاہل لوگ اس پیشے میں داخل ہو رہے ہیں جو صرف اور صرف ایک لیکچر رٹ لیتے ہیں۔ جبکہ بیماری اور بیمار کے بارے میں ان کی معلومات صفر ہوتی ہیں۔ ایسے لوگ اس پیشے پر بدنما داغ اور کلنک کا ٹیکہ ہیں۔ ملتان کے ایک نامی گرامی مجمع لگانے والے حکیم قصور حیدری سے دریافت کیا کہ آپ کے کیا مسائل ہیں؟

تو وہ گلوگیر آواز میں بولے۔ صاحب ہمارے ہاں تو مسائل کے جنرل اسٹور کھلے ہوئے ہیں۔ کسی کو ہماری پرواہی نہیں۔ میں اپنے ارباب اقتدار سے صرف یہ کہوں گا کہ آپ ہمارے مسائل اور مطالبات کو سنیں۔ اگر ان میں کوئی بھی بات غلط اور ناجائز ہو تو آپ اسے رد کر دیں۔ اور جائز مطالبات کو پورا کریں۔ میں اپنے معاشرے سے بھی یہی کہوں گا کہ وہ اپنے افراد کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھنے کی بجائے محبت وپیار سے دیکھیں۔

ایک مجاہد کا عزم

ماحول سوگوار تھا، ہچکیوں اور سسکیوں نے مجھ پر غم کی چادر تانی ہوئی تھی۔ آنکھوں سے ساون کی بارش کی طرح آنسو بہہ رہے تھے، فکرو خیال کے دیے روشن کئے جا رہے تھے۔ کڑیل جوانیاں جہاد کے پرعزم نعروں میں انگڑائیاں لے رہی تھیں۔ غیور نوجوان الجہاد الجہاد کی جذباتی فضاؤں میں ست چشمے تصور میں ''فردوس بریں'' کو شہداء کا استقبال کرتے دیکھ رہے تھے۔

یہ کیسے نوجوان تھے نہ ان کی گاڑیاں پرشکوہ عمارتوں کے آگے پارک ہوتی تھیں نہ یہ بنے سنورے شہزادے تھے، نہ ان کے اٹھتے قدموں کی منزل آراستہ و پیراستہ کلب تھے، نہ ان کے استقبال کے لئے سرخ قالینوں کا فرش سجتا تھا، نہ ہٹو بچو کا شور غوغا ہوتا۔

ہاں یہ وہی نوجوان تھے جنہیں شہادت کی موت زندگی کی تمام رعنائیوں سے محبوب تھی یہ موت کی وحدت کے لئے اپنے قائد کے سامنے سر جھکائے بلند و بالا چنار وادیوں، گنگناتی ندیوں، پھولوں اور پھلوں کی سرزمین کشمیر میں لٹتی عصمتوں، کمسن بچیوں کے دل ہلا دینے والے بین سن رہے تھے، ہر ایک کا جذبہ گردن کٹوانے کا تھا، شہادت کے علاوہ ان کا کوئی مقصود نہ تھا، عالم رنگ و بو کی ساری روشنیاں انہیں پست اور بے معنی دکھائی دے رہی تھیں۔ یہ واقعی نگاہ بلند، سخن دل نواز جان پرسوز جیسی صفات کے علاوہ کوئی اور متاع نہیں رکھتے تھے۔ جہاد کانفرنس کا بروسیر نوجوان زیرک ذی فہم دور اندیش، شجاع و صابر تھا انہیں دوسروں کے احتساب سے زیادہ اپنے گناہوں کا خیال تھا۔ قیادت کی بجائے اطاعت پر ایمان رکھتے تھے ان کا احساس زندہ تھا، ان کا شعور بیدار تھا،

ان کے سینے میں درد رکھنے والا دل تھا، کشمیر و فلسطین، چیچنیا اور بوسنیا کے مظلوموں کی آہیں انہیں بے چین کئے ہوئے تھیں۔

شب بیداریوں میں اپنے رب کے سامنے آہ وزاری کرنے والے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے والے، جبر کے اندھیروں کو روندنے والے جو نیوز ویک اور ٹائم بھی پڑھنا نہیں جانتے انٹرنیٹ سے بھی ناآشنا، میریٹ اور کانٹی نینٹل کے دروازے بھی ان پر بند لیکن پھر بھی عالمِ کفر اُن سے خوفزدہ ہے۔ فقر و فاقہ ان کا اوڑھنا بچھونا مگر ان کی ہیبت سے یہود و ہنود مدتوں سے بے نیند ہیں۔

مائیک کی طرف ہاتھ بڑھتا ہے۔ شرکائے جہاد کانفرنس پر سکوت طاری ہو جاتا ہے پرسوز آواز میں جذبات ساز انداز میں قرآن کو پڑھتا ہے محسوس کرنے والوں نے اپنے دل کے دریچوں سے رحمت کو آسمان سے اترتے محسوس کیا۔

وہ بولتا ہے اور بولتا ہی چلا جاتا ہے، پنڈال کی مشرقی سمت پردہ میں بیٹھی ہوئی عفت مآب خواتین سے مخاطب ہوتا ہے۔ بے اختیار منہ سے ماں نکلتا ہے لفظ ماں کی مٹھاس اس کے لب ولہجہ سے ٹپک رہی تھی، پورے ایقان کے ساتھ کہتا ہے ماں تو ایک عورت ہے دنیا نے تجھے نگاہ غلط انداز سے دیکھا، اہل مشرق نے دامن تقدس کا داغ تجھے گردانا، روما نے صرف گھر کا اثاثہ سمجھا اہل یونان نے تجھے شیطانی روپ سے تعبیر کیا۔ کلیسائی تہذیب نے باغ انسانیت کا کانٹا تصور کیا لیکن میرے مرشدی، مولائی سرکار مدینہ نے تجھے سب سے الگ زاویہ نگاہ سے دیکھا، تیری ذات کے بارے میں اسلام کا اعلیٰ وارفع نظریہ پیش کیا کہ عورت نسیم اخلاق کی نکہت اور وجہٗ انسانیت کا غازہ ہے۔

رک رک کر بولتا ہے، بولتے بولتے رکتا ہے اے ماں، اے حوا کی بیٹی، اے عصر حاضر کی عورت سن کسی کی نہ سن افسانہ ہائے پارینہ میں وہ اپنی سعی و کوشش کی تاریخ جو سنہرے لفظوں میں زندہ ہے اوراق گزشتہ پلٹ کر دیکھ حقیقت آشکار ہو جائے گی کہ یہ نازک اندام عورت حضورؐ سرور کونین کے دور میں عاشقانہ نبوت کے لئے ان کے ماتھے کا حسین جھومر تھی سن...... جتنے بھی کارنامے انجام دیئے اعلیٰ کارنامہ، کارنامہ جہاد تھا وہ دیکھ احد کی گھمسان جنگ میں حضرت عمارہؓ رسول کائناتؐ کے لئے تلواروں اور نیزوں کی ڈھال ہے، یرموک کی لڑائی میں حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ ام وہاں، ام حکم اور ام المومنین حضرت جویریہؓ نے دلیری اور جانثاری کی ایسی تاریخ رقم کی کہ

تاریخ انسانیت تا قیامت ان عظیم مستورات پر فخر کرتی رہے گی۔

نوجوان پرنم آنکھوں کے ساتھ دل سوز آواز میں مخاطب ہے اے دور حاضر کی ماؤ' بہنو' بیٹیو! تم ان صحابیات کی عزم و ہمت کے فلک بوس عزائم کو بھول چکی ہو جنہوں نے کفر کے ایوانوں میں لرزہ طاری کیا' تمہارے وہ جواں ہمت بھائی بیٹے کہاں گئے جنہوں نے کل گنگا و جمنا کے کنارے وضو کیا تھا' جنہوں نے سومنات کی اینٹ سے اینٹ بجائی تھی' کیا تمہیں اسماءؓ بنت ابی بکر کے وہ الفاظ یاد نہیں کہ بیٹے عبداللہ بن زبیر سے کہے ہوئے بھول گئے ہیں کہ اے بیٹے میری تو صرف ایک آرزو ہے کہ تم لڑو قتل ہو اور صبر کرو یا تم کامیاب ہو میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

لیکن آج کی اے ماں بہن تیری تخلیق بھی اسی خاک سے ہوئی ہے مگر تجھے کیا ہوا؟ تیرے گردش کرتے ہوئے خون کیوں سرد پڑ گئے ہیں تو کیوں سکوں کا لبادہ اوڑھ کر سو رہی ہے' تیرے بلند حوصلے کیوں پست ہو گئے ہیں۔

ان بیٹوں کی طرف دیکھو جو کشمیر میں خاک اور خون سے کھیل رہے ہیں ان کی پیاس بجھا' کتنے لعل بھوکے مار دیئے گئے ہیں تیری ممتا کیوں سو گئی ہے اے بہن تیرے بھائیوں کے سروں پر کیل ٹھونکے جا رہے ہیں تو جاگ۔

تیرے ان کنگنوں کا کیا فائدہ جب تو اپنے بھائیوں کو کفن نہ دے سکی جہاد بالسیف کرنے والے کے ساتھ جہاد بالمال کر خدارا جاگ جب تو جاگے گی کعبے کے رب کی قسم تو آتش کدہ فارس کی طرح کفر کو بجھنا ہوگا مرنا ہوگا موت کو گلے لگانا ہوگا۔

''طلبہ اور سیاست''

طلبہ ہمارے معاشرے کا ایک حقیقی حصہ ہیں اور طلبہ کا ہمارے معاشرے میں ایک قومی کردار ہوتا ہے۔ بحیثیت طالب علم ان کا اولین فریضہ کیا ہے اور معاشرے میں ان کا قومی کردار کیا ہونا چاہیے؟ ان سوالات پر اگر ہم غور کریں تو شاید ہم ایک طالب علم کا صحیح رول متعین کر سکیں۔

جہاں تک سیاست کا تعلق ہے تو اگر نظریاتی اور علمی لحاظ سے دیکھا جائے تو قومی شعور اور قومی و ملی مسائل کو جاننے ان کا تجزیہ کرنے' ان کا ممکن حل پیش کرنے کی کوشش کرنے اور ان مسائل پر سوچ بچار کرنے کا نام سیاست ہے۔

اب اگر سیاست کا مندرجہ بالا تعریف کے تناظر میں جائزہ لیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سیاست تو علم، شعور اور آگہی کا نام ہے جو کہ طالب علم کے فرائض میں شامل ہے تو کیوں خواہ مخواہ طالب علم کے لئے اس چیز کو شجر ممنوعہ قرار دیا جائے جو اس کو سیکھنی چاہیے اور جن مسائل سے اس کو کل عہدہ برآ ہونا ہے۔

اس لحاظ سے ہم یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ طلبہ سیاست کا تھوڑا سا تاریخی پس منظر میں جائزہ لیں۔ برصغیر پاک و ہند میں ہماری تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جتنی احیائی اصلاحی اور سیاسی تحریک چلی ہیں ان سب کا ہراول دستہ طالب علم رہے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ نے جس فکری اور احیائی تحریک کی بنیاد رکھی بعد میں ان کے شاگردوں یعنی دینی مدارس کے طلبہ کی اکثریت نے اس تحریک کو زندہ رکھا اور اس کو پروان چڑھایا۔

برصغیر کی تاریخ میں انیسویں صدی میں ایک عظیم اصلاحی اور جہادی تحریک چلی جس کے روح رواں حضرت سید احمد شہیدؒ تھے۔ دینی مدارس کے طلبہ کا تازہ خون اور اللہ کی راہ میں جہاد کا سرفروشانہ جذبہ اس تحریک کا متاع تھے۔ یہ وہ دور تھا جب مغلوں کے زوال کے بعد اکثر دینی مدارس کا سلسلہ تقریباً ختم ہو گیا تھا اور چند گنے چنے ادارے سارے برصغیر میں موجود تھے جو طلب علم کے متلاشیوں کی پیاس بجھانے کے لئے اپنے وسائل کے مطابق کوششیں کر رہے تھے۔

بیسویں صدی میں ہم دیکھتے ہیں کہ علی گڑھ کالج کا جدید ادارہ مسلمانوں کی علمی اور فکری احیاء میں ناقابل فراموش کردار ادا کرتا ہے اور ساتھ ساتھ علی گڑھ کالج کے طلبہ کی سیاسی خدمات سے بھی کوئی مؤرخ انکار نہیں کر سکتا۔ مسلمان طلبہ کا جدوجہد آزادی میں حصہ، تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔ تحریک خلافت و ہجرت میں بھی مسلمان طلبہ کی جدوجہد اور قربانیاں کسی سے کم نہیں تھیں۔

خود قیام پاکستان کے بعد تحریک ختم نبوت ہو، تحریک حقوق طلبہ، بنگلہ دیش نامنظور تحریک ہو یا تحریک نظام مصطفیٰﷺ ایوبی آمریت کے خلاف جدوجہد ہو یا بھٹو کی فسطائیت کے خلاف توانا آواز، ہر جگہ طلبہ کی قوت اور طلبہ کی توانائیوں نے اپنا کام دکھایا ہے۔

اب ذرا اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ سید احمد شہید کی تحریک سے لے کر آج تک طلبہ نے قومی سیاست میں جو کردار ادا کیا ہے کیا وہ ٹھیک ہے اور کیا طلبہ کو آئندہ بھی ہر سیاسی و ملی تحریک کا ہراول دستہ بننا چاہیے یا نہیں؟ میں خود (یعنی راقم الحروف نے اپنے دورِ طالب علمی میں زندگی کے

10 سال ایک طلبہ تنظیم سے منسلک رہ کر گزارے ہیں اور طلبہ سیاست میں فعال کردار ادا کیا ہے) چونکہ طلبہ سیاست میں ایک فعال کارکن رہا ہوں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ہم نے جتنی بھی تحریکوں میں حصہ لیا ہے تو ہم نے ایک قومی اور ملی فرض پورا کیا ہے۔ اور آئندہ بھی اگر ایک مثبت تحریک قومی اور ملّی بنیادوں پر اٹھتی ہے تو طلبہ کو ضرور اس میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنا چاہیئے۔

اس مرحلے پر ہم طلبہ اور نوجوانوں کی نفسیات‘ رجحانات اور جذبات بھی نظر انداز نہیں کرسکتے۔ عمر کے اس تابناک دور میں جب انسان کے اندر توانائیاں اپنے عروج پر ہوتی ہیں انسان چٹان سے ٹکر لینے کا عزم اور ولولہ رکھتا ہے۔ تو وہ خاموشی سے زندگی کے کسی واقعہ کو نظر انداز نہیں کرسکتا ہے خواہ اس واقعے کا تعلق اس کی ذاتی زندگی سے ہو یا اس کی اجتماعی زندگی سے۔ غیر معمولی فعالیت رکھنے والا زندگی کا یہ دور جس میں طالب علم کچھ کر گزرنے اور اپنا نام پیدا کرنے کی ایک قدرتی تمنا اور آرزو رکھتا ہے۔ جذبات کے تلاطم اور ہیجان خیزی کے اس دور میں اگر طالب علم پر ہر طرف سے پابندیاں عائد ہوں تو اس کی ابھرنے اور نمو پانے والی صلاحیتیں دب جاتی ہیں۔ اس لئے طلباء کو ایسا ماحول فراہم کرنا معاشرے اور حکومت کی ذمہ داری ہے جس میں وہ اپنی قائدانہ صلاحیتوں کو بھرپور طریقے سے نشوونما دے سکیں۔ چنانچہ اس بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ طلباء کا قومی زندگی میں ایک مثبت فعال نظریاتی اور قائدانہ رول ہونا چاہئے۔ لیکن یہاں فوراً یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ طلباء کے اس رول کے تعین کے بعد تو یہ بات لازمی ہو جاتی ہے کہ وہ یہ رول تب ادا کرسکتے ہیں جب وہ پہلے اپنے کو علم وعمل کی بہترین قوتوں اور صلاحیتوں سے بہرہ ور کریں۔ یہ رول کوئی ایسا آسان رول نہیں ہے کہ اجتماعی ذہن رکھنے والا ایک Mediocre نام نہاد قسم کا طالب علم کلاشنکوف ہاتھ میں تھام کر طلبہ حقوق کا چیمپئن بن کر کھڑا ہو جائے۔ ریاست وحکومت کو للکار کر طلبہ کو بغاوت پر آمادہ کرے۔ پرنسپل کی پٹائی کرکے کالج کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرے اور انتظامیہ سے ٹکر لے۔ چند طلباء کو زخمی کروائے اور ایک دو کی افسوسناک ہلاکت پر سارا مسئلہ ختم کرتے ہوئے خود بھی جیل پہنچ جائے۔ یہ رجحان انتہائی خطرناک ہے اور ہمارے حکمرانوں‘ ماہرین تعلیم اور طلبہ کا بنیادی فرض بنتا ہے کہ باہم مل جل کر طلباء کے مسائل خوش اسلوبی سے حل کریں اور طلباء کو احتجاجی سیاست اپنانے سے روکیں۔ دراصل احتجاجی طرز سیاست اپنانے کی راہ جو ہمارے طلباء نے اپنائی ہے اس کی بنیادی وجہ ہمارا مروجہ سیاسی کلچر‘ طبقاتی نظام تعلیم اور جاگیرداری اور وڈیرہ شاہی ہے۔ ایچی سن کالج اور صادق پبلک اسکول میں بہترین سہولتیں

ہوتی ہیں اور حکومتی تعلیمی اداروں میں چاک تک میسّر نہیں ہوتا۔ بہرحال احتجاجی سیاست اور کلاشنکوف کلچر کا رجحان طلبہ کے مستقبل اور تعلیمی فضا کے لئے انتہائی مہلک ہے اور اس کی بیخ کنی کے لئے ہر ممکن اقدام کرنا چاہئے۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں جو سیاسی کلچر پروان چڑھا ہے، جاگیرداری، وڈیرہ شاہی اور کرپٹ حکمرانوں کی کارگزاریوں نے جس طریقہ سے سارے معاشرے کی ہیئت تبدیل کی ہے۔ اس طرح طلبہ سیاست اور طلبہ مزاج بھی اس سے متاثر ہوا ہے۔ طلبہ برادری اس معاشرے کا حصہ ہے اور جیسا ہمارا معاشرہ ہے طلبہ کے اخلاق و کردار کا عکس بھی ظاہر ہے، تقریباً وہی ہے اس لئے طلبہ کے لئے ایک مثالی اور بااخلاق کردار کے تعین کے ساتھ ساتھ ہمیں معاشرے میں ذہنی اور فکری تبدیلی اور اخلاقی انقلاب لانے کی سعی کرنی چاہئے۔ (طلبہ تنظیم کے سیمینار میں پڑھا گیا)

یادگار سفر!

تعلیم کے ساتھ ساتھ تفریح بھی اشد ضروری ہے۔ کیونکہ تفریحی سرگرمیاں انسانی ذہنوں کو جلا بخشتی ہیں اس سے ذہن تازہ اور تیز ہو جاتا ہے، تفریحی سرگرمیاں معلومات میں اضافے کا سبب بھی بنتی ہیں۔ جہاں یہ معلومات کا باعث ہوتی ہیں، وہاں یہ زمانہ طالبعلمی کی خوب صورت یادیں بھی ہوتی ہیں انسان جب خودغرضی اور خوشامد کے ماحول سے گھبرا جاتا ہے تو وہ ماضی کی ان خوبصورت یادوں میں ہی پناہ لیتا ہے اور اس طرح وہ سکون حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

گزشتہ دنوں اسلامیہ یونیورسٹی شعبہ ابلاغیات (پریوس) کے طلبہ و طالبات نے بھی ایک تفریحی دورے کا اہتمام کیا ٹرپ کے انچارج شعبہ ہذا کے پروفیسر ریحان جاوید صاحب تھے۔ کئی دنوں سے قلعہ دڑاوڑ ٹور کے جانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ طلباء کے مختلف گروہ ٹور سے لطف اندوز ہونے کی پلاننگ کر رہے تھے ٹور کے اہتمام میں چوہدری نثار نے کلیدی رول ادا کیا۔ ورنہ یہ ٹور فرد فرد ہی رہ جاتا۔ صبح چھ بجے نیو کیمپس سے گاڑی کو روانہ ہونا تھا۔ قریبی علاقوں سے آنے والے طلباء کو ہاسٹلوں میں رکھا گیا تا کہ صبح پہنچنے میں دیر نہ ہو جائے ساری رات طلباء تیاری میں مصروف رہے، کھانے پینے کی اشیاء کا انتظام ہوتا رہا۔ جلدی میں طالبات نے مہنگے داموں کیمروں کی فلمیں خریدیں۔ جوں جوں جانے کا وقت قریب آ رہا تھا طلبہ و طالبات کے دلوں میں سفر کا شوق بڑھ رہا تھا۔ طلبہ و طالبات خوبصورت لباسوں میں ملبوس ایک دوسرے سے گپیں ہانک رہے تھے۔ چیئرمین شعبہ ہذا میاں ذوالقرنین گوروں کے لباس میں ملبوس طلباء سے داد تحسین

وصول کر رہے تھے خیر بس چل پڑی تو راستے میں اعلان ہوا کہ اب بریک قلعہ دڑاوڑ ہی جا کر لگے گی خدا آج ہمیں زیادہ آزمانے کے موڈ میں تھا کیونکہ بس میں رانا عابد اور احتشام شامی بھی موجود تھے طالبات کا جوش وخروش قابل دید تھا اپنی فیملی کے ہمراہ تو سب ہی گھومتے ہیں مگر دوستوں کے ساتھ بات ہی کچھ اور ہوتی ہے راستہ طویل تھا ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا دو گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد بس رکی اور ڈرائیور نے خوشخبری سنائی کہ غلط راستے پر آ گئے ہیں۔ مقامی لوگوں سے صحیح سڑک کے بارے میں پوچھا جائے۔ راستہ بھولنے کا سن کر طالبات کی جان نکل گئی۔ ہر کوئی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگا۔ پروفیسر ریحان بس سے اترے اور ساتھ ہی نہر کنارے بیٹھے ہوئے ایک دور روہیلے سے سرائیکی زبان اور پنجابی لہجہ میں راستہ پوچھا۔ اس نوجوان نے ڈرتے ڈرتے راستہ بتایا کافی دیر کے بعد بس چلی طلباء کی جان میں جان آئی اور خزاں رسیدہ چہروں پر خوشیوں کی بہار چھا گئی۔

دوران سفر طلبہ وطالبات نے وقت کو قیمتی بنانے کے لئے محفل موسیقی سے ماحول کو خوب صورت بنا دیا طلبہ وطالبات نے دونوں طرف سے علاقائی اور قومی زبان میں گانے سنائے مقابلہ خوب خوب ہوا کیونکہ دونوں طرف سے ناک کا مسئلہ تھا میاں صاحب نے چوری کئے ہوئے اشعار سنائے۔ طلبا وطالبات نے گانوں کی وہ ٹانگیں توڑیں کہ بے چارے شاعروں کی روح تڑپ اٹھی گلوکار خود موجود ہوتے تو گانا سن کر آئندہ گانا گانے سے توبہ کر لیتے۔ اس مقابلے کی خاصیت یہ تھی کہ چیئرمین میاں ذوالقرنین پوری آب وتاب سے شریک تھے۔ احتشام نے خاکے اور لطائف پیش کئے بس شگفتہ منجن شاید ناقص کوالٹی کی وجہ سے فروخت نہ ہو سکا گانے چلائے گئے جو طلبہ نے اپنے مزاج اور ماحول کے مطابق کیسٹوں میں ریکارڈ کرائے تھے۔ گانوں کی پیروڈی بشریٰ انصاری کے انداز میں (نون غنہ) کرتے ہوئے مس مصباح نے پیش کیں جن کو دونوں فریقوں نے تالیوں کی گونج میں سراہا۔

موسم کچھ گرم تھا صحرائی گرمی کی وجہ سے ریحان صاحب کا مزاج بھی گرم تھا لیکن نثار کی بچوں جیسی حرکات اور باتیں ریحان صاحب کو ٹھنڈا کر دیتیں خدا خدا کر کے قلعہ دڑاوڑ پہنچے' کافی دیر ہو چکی تھی طالبعلموں نے اپنا سامان قلعہ دڑاوڑ کے قریب ریسٹ ہاؤس میں رکھا اور کرسیوں' چارپائیوں پر ایسے گرے جیسے پیدل فوج کسی معرکے کے بعد خیموں میں گرتی ہے۔

کچھ دیر کے بعد کھانا شروع ہوا سب نے مل کر کھانا کھایا۔ شہناز نے آدھی درجن کے قریب پلیٹیں اڑائیں ایسا کیوں نہ کرتے بیچارے نے پچھلے کئی روز سے بھوک ہڑتال کر رکھی تھی' کھانا کھلانے کے لئے حسین بخاری کو تعینات کیا گیا تھا آج سرائیکی کی مثال ان پر صادق آرہی تھی کہ وہ اندھا کرے خریٔت دل ول ڈیوے لپنٹیاں کوں'' وسیم محی الدین نے دونوں ہاتھوں اسپائس کریم کو ایسے کھایا جیسے انگریزوں نے بے رحمی سے سو سال تک ہندوستانیوں کا مال کھایا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد سارے کلاس فیلو قلعے کی جانب روانہ ہوئے' خوش گپیاں عروج پر تھیں طلباء بقیہ وقت کو غنیمت جان کر فکر و غم سے آزاد ادھر ادھر گھومنے لگے اور حسین مناظر کیمرے کی آنکھوں میں محفوظ کرنے میں مصروف ہو گئے' تاریخی قلعہ دڑاوڑ سے طلبہ و طالبات خوب محظوظ ہوئے کوئی بدذوق ہی ایسے عظیم الشان ورثے کو دیکھ کر آرام سے بیٹھ سکتا تھا۔ قلعہ میں وڈیو فلم بنائی گئی قلعہ میں گھومتے سب تھک چکے تھے پانی کی شدید پیاس محسوس ہو رہی تھی مگر بوتل صرف ایک ہی تھی وہ بھی ریحان کے پاس انہوں نے آج پانی نہ دینے کی قسم کھا رکھی تھی۔ خود پانی پیتے رہے اور طلباء کو ترساتے رہے۔ کہتے ہیں تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے آج کربلا کی تاریخ دہرائی جا رہی تھی۔

ساری کلاس ریحان صاحب کی معیت میں ایک خوفناک سرنگ میں داخل ہوئی کافی اندھیرا تھا اور سرنگ کی حالت بھی خستہ تھی سب ڈر ڈر کر گزر رہے تھے طالبات کو جتنی بھی قرآنی آیات یاد تھیں سب بلند آواز میں پڑھ ڈالیں۔ قلعے میں ڈاکٹر کی طرح طلباء توپوں اور گولوں کا معائنہ کرنے لگے اس وقت محمود ایاز کی طرح ہم نے بھی فرق مٹایا ہوا تھا طلباء کے ساتھ ساتھ اساتذہ بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔ مصباح یوں چیخ رہی تھی جیسے بشریٰ رحمٰن پنجاب اسمبلی میں چیختی تھیں۔

آج میاں ذوالقرنین صاحب کا بس چلتا تو وہ ریورنگ کی کلاسیں یہیں لے لیتے اتنی فوٹو گرافی تو امریکا سے خاتون اول کی آمد پر بھی نہیں ہوئی تھی قلعہ کے بعد سب نے مسجد دیکھی لیکن جمعہ نماز پڑھنے کی کسی نے بھی زحمت گوارا نہ کی شاید سب کا قضا نمازوں کا پروگرام تھا۔

واپسی کا نقارہ بجا کبھی راستہ بھولے کبھی گاڑی کو ریت میں دھنسنے کی وجہ سے دھکا لگانا پڑا میاں شکیل گاڑی کو دھکا نہیں لگا رہے تھے بلکہ گاڑی پر رسماً ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ کلاس جی آر شازیہ اور کلاس کی ہونہار طلبہ فوزیہ پر خاموشی کے طویل بادل چھائے ہوئے تھے۔ شاید دونوں تصور ہی تصور

میں جلوا ایڈونچر لینڈ کی سیر کر رہی تھیں۔

موم بتیاں جلائی گئیں، تالیاں اور مائیکل جیکسن کے جان نشینوں نے بھی ہاتھ دکھایا۔ ہیڈ راجکاں اسٹاپ پر سب نے چائے پی۔ کچھ لوگ چھپتے چھپاتے ایک سائیڈ پر اندھیرے میں بوتلیں پینے میں مصروف تھے انہیں ڈر تھا کہ کہیں دیگر کلاس فیلوز چھ چھ روپے کے نقصان کا موجب نہ بن جائیں۔

خدا کا کرم ہوا بس پھر سے روانہ ہوئی۔ بے وقت نیو کیمپس پہنچے اس مرتبہ ٹور کی جو انفرادیت تھی وہ یہ رہی کہ راستے میں بس اتفاقاً خراب نہیں ہوئی، اس طرح یہ خوب صورت سفر اپنی خوشگوار اور خوبصورت یادیں لئے گزر گیا۔

ملحوظ لازم: ایسے قارئین کے لئے جو قلعہ دڑاوڑ کے نام سے واقف نہیں واضح رہے کہ ریاست بہاولپور کے صدر مقام بہاولپور سے تقریباً ۷۰ کلومیٹر دور صحرائے چولستان میں ایک عظیم پرشکوہ عمارت اور قابل دید تاریخی مسجد ہے یہ عظیم تاریخی عمارت قلعہ دڑاوڑ کے نام سے مشہور ہے۔

ایس ایچ ہاشمی اور پاکستان

وہ نفسانفسی کے آسیب زدہ ماحول میں اپنائیتوں کی جنتیں آباد کرنے کے خواہش مند ہیں۔ پاکستان کے لئے سوچتے ہیں اور پاکستان کے خوبصورت مستقبل کے لئے قریہ قریہ محبتوں کی خیرات بانٹتے ہیں۔ ایس ایچ ہاشمی زندگی کے کینوس پر ایک نظریاتی سوچ کا نام ہے۔ قدرت نے کوثر وتسنیم میں ڈھلا لب ولہجہ عطا کیا ہے۔ مدیر تکبیر مولانا صلاح الدین اور شہید پاکستان حکیم محمد سعید کے بعد ان کا وجود اہلیان پاکستان کے لئے نعمت عظمیٰ سے کم نہیں۔ ان کی فکر کا محور پاکستان، ان کا منہاج یگانگت پاکستان ہے، عظیم بطل حریت حافظ عبدالقدوس ہاشمی کا یہ فرزند جلیل زندگی کے نقشے پر ایک ایسے سفر کا نام ہے جو سراسر ماحول سے کٹ کر ہے۔ زمانے کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں، وقت کے ساتھ نہیں چلتا، ہواؤں کا رخ دیکھ کر اپنے راستوں کو نہیں بدلتا۔

محترم ایس ایچ ہاشمی میری بانجھ صحافت کا اکلوتا فخر ہیں۔ جو خدشات کی بینائیوں پر جنون کی اندھی پٹیاں کس کر گمنامیوں کے طویل دشت میں کھوئے جوانوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ وہ ایڈورٹائزنگ ہی نہیں زندگی کے بہت سے شعبوں کے سالار کارواں ہیں۔ ایس ایچ ہاشمی کے نزدیک مقاصد کے سفر میں رکنا اور رک کر آنکھ بھر کے دیکھنا صداقتوں کی توہین ہے۔ وہ صحافت کے محسن ہیں جس نے ہر کڑے دور میں پاکستانی صحافت کی ڈوبتی نبضوں کو زندگی کی خیرات دی ہے۔ خودغرضیوں کی کالی اندھیری راتوں میں محبت وطن کا چراغ روشن کئے ہوئے ہیں۔ وہ سچائی کے سفر کے سرخیل ہیں۔ انہیں نقوش منزل کی بھی بھرپور شناخت ہے۔ وہ جوانی ہی سے قوم کے

لئے محبت، دوستی، امن اور بھائی چارے کے راستے تراش رہے ہیں۔ اس پیرانہ سالی تک منزل کی جستجو میں حوصلوں کے چراغ جلا رہے ہیں۔ وہ صحیح معنوں میں اپنے عہد کے تاریخی، سماجی، صحافتی، نظریاتی اور فکری شعور کے عکاس ہیں۔

جناب ایس ایچ ہاشمی دنیائے صحافت کے ایک ایسے سچے ہیرو ہیں جو اپنے ہم وطنوں کی رہنمائی کے لئے اغیار سے لفظوں کا پیراہن مستعار نہیں لیتے۔ وہ اپنی ذات میں کائنات ہیں، وہ عہد حاضر کے قلم سے ٹپکتی ہوئی روشنائی ہی نہیں بلکہ زندہ سچ بھی ہیں۔ وہ آدم کے بجائے آدمیت کے قائل ہیں۔ وہ ذہن کے بجائے ذہنیت کے قائل ہیں۔ اردو یونیورسٹی کا قیام ان کا خواب بھی ہے اور ان کی پر رونق آنکھوں کا اثاثہ بھی!

وہ اپنے عہد کی جہالتوں کے خلاف روشنی کے علمبردار ہیں۔ وہ اپنے وطن کی ویران بستیوں کی کچی مٹی کو اپنے لہو سے سیراب کرنا چاہتے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ جہالت اور ناانصافی کی آندھیاں اس عظیم شخصیت کی وطن پرستی کی ذہنی مشقت اور فکری ریاضت کی شاخ شاداب کو کبھی بے ثمر نہیں کرسکتیں کیونکہ وہ پاکستان کے لئے جیتے ہیں۔ ان کی ساری سماعتیں، ساری بصارتیں اور سبھی بصیرتیں اس وطن سے عبارت ہیں۔ مالک کائنات نے جب عاجزی وانکساری تقسیم کی تو ایس ایچ ہاشمی کو وافر مقدار میں حصہ ملا۔ ہاشمی صاحب سے ملاقات کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ خواب دیکھتے ہیں۔ خوشحال پاکستان کا خواب، اپنی مٹی کے لئے خواب دیکھنا ان کی خواہش کی اساس بھی ہے اور ان کی فکری تربیت کا ورثہ بھی۔ وہ جانتے ہیں کہ جب وطن کے لئے خواب دیکھنا چھوڑ دیں گے، زندگی سولی ہو جائے گی، خالی نیند اور رائگاں خواب ان کے نزدیک موت ہے۔

جناب ایس ایچ ہاشمی اس قبیلے کے فرد ہیں جو ہجرت کے کرب سے آشنا ہیں۔ خدا جانے جن حالات میں وہ پاکستان ہجرت کر کے آئے، لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ انہوں نے ایک عام انسان کی حیثیت سے اورینٹ کا آغاز کیا اور شبانہ روز محنت سے اسے بام عروج تک پہنچا دیا۔ آج سیکڑوں گھروں کے چولہوں کی حدت اورینٹ کے دم سے ہے۔ انکا تعلق اس نسل سے ہے جنہوں نے خوبصورت پاکستان کا خواب دیکھا تھا، جس کے چہرے کو آج ہم نے اپنی کوتاہیوں سے مسخ کر دیا ہے، لیکن وہ اچھے دنوں کے آنے سے بالکل مایوس نہیں۔ وہ بڑھاپے میں

بھی جوانوں کی طرح کام کرتے ہیں۔ ان کی روزمرہ زندگی پر بانی پاکستان کا قول کام' کام اور کام صادق آتا ہے۔ ان کی زندگی کا مشن اور مقصد انا کی دیواریں گرانا ور محبتوں کے پل تعمیر کرنا ہے۔ وہ ایسا پاکستان دیکھنا چاہتے ہیں جو اسلامی تہذیب و ثقافت کا ماڈل ہو۔ وہ عریاں افکار کو سچائی کی قبا پہنانا چاہتے ہیں۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق کے بعد اردو کی ترویج و اشاعت کا عشق پاکستان میں صرف ایس ایچ ہاشمی ہی کی ذات میں دیکھا جاسکتا ہے۔ وہ فرائض سے غافل انسان نہیں۔ آخرت کی فکر نے ایمان کی سلامتی کی فکر نے اور اللہ کے سامنے جواب دہی کے احساس نے انہیں قدس صفت انسان کے روپ میں ڈھال دیا ہے۔

کراچی کیا ملک کے کسی بھی حصے میں جب نفرتوں کی آگ بھڑکتی ہے تو ان کا دل مسلی ہوئی کلی کی طرح ہوتا ہے۔ وہ کدورتوں کی آگ میں جلتے جھلستے جنگلوں کے اس پار زیتون کی وہ شاخ ہیں جس کی خوشبو کا دوسرا نام قومی سلامتی اعلیٰ وارفع روایات اور امن ومحبت ہے۔

اسلام آباد کے ایک اجلاس میں انہوں نے اپنے خطاب میں سامعین کو بڑے سوز وگداز سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ رزق حلال کی فکر سے آج ہم غافل ہو چکے ہیں جبکہ کفن کی کوئی جیب نہیں ہوتی۔ ایس ایچ ہاشمی کے والد محترم مولانا عبدالقدوس ہاشمی اپنے وقت کے عالم بے بدل تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں سیکڑوں مقالات کے علاوہ 36 سے زائد کتب تصنیف کیں۔ ایس ایچ ہاشمی کے والد محترم کی پاکیزہ حیات کا مطالعہ کرنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ یہ پھل کسی اچھے درخت کا اعجاز ہے۔

اورینٹ کے ملازمین کے لئے وہ باس ہی نہیں بلکہ ایک شفیق باپ کی مانند ہیں۔ ان کے لفظوں سے محبت' خلوص' ایثار' وفا اور مروت کے دودھیا چشمے پھوٹتے ہیں۔ ایک دانشور کے بقول ایس ایچ ہاشمی کا نام آتے ہی دل و دماغ شفقت کے بیکراں سمندر میں ڈوب جاتے ہیں۔

میرے مرحوم والد محترم کے ہاشمی صاحب کے والد محترم حافظ عبدالقدوس ہاشمی سے نیاز مندانہ مراسم تھے۔ جب بھی ہاشمی کے خاندان کا ذکر ہوتا ہے تو یوں لگتا ہے کہ میں زندگی کے صحرا میں اپنے فگار پاؤں کے آبلوں سے پھوٹتے لہو اور جسم پر صدیوں کی تھکن اوڑھے' مجروح اعصاب پر مسافتوں کی قبا زیب تن کئے اک شجر سایہ دار تلے آ گیا ہوں۔ ایس ایچ ہاشمی کا تذکرہ میرے کرب کی حدت کو کم کر دیتا ہے۔ ان کی زندگی کا ایک ایک ثانیہ وفا سرشتی اور عظمت کی دلیل

ہے۔ ان کے والد کے تذکرے سے آج بھی روح قلب میں سکون محسوس کرتا ہوں۔

صدر پاکستان سے لے کر محترم ڈاکٹر عبدالقدیر خان تک سب کے ساتھ ان کے قریبی مراسم ہیں، لیکن اپنی ذات کے لئے کبھی کچھ نہیں مانگا۔ مانگتے ہیں تو صرف پاکستان کے کروڑوں عوام کے لئے۔ ایس ایچ ہاشمی کو پاکستان کے مختلف صحافتی ادارے اور سماجی انجمنیں، تعلیمی مجالس ایوارڈ دیتی ہیں۔ گزشتہ دنوں انہیں ملک وملت بالخصوص صحافت کے لئے خدمات پر ملینیم ایوارڈ دیا گیا۔

جناب ایس ایچ ہاشمی کا ایوارڈ ملنا اہل صحافت کے لئے اعزاز ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایوارڈ ایس ایچ ہاشمی کے لئے شاید کم اعزاز ہو در اصل یہ سب کچھ ایوارڈز کی عزت افزائی ہے۔

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور نے 28 اپریل کو انہیں اعلیٰ، علمی، ادبی، سماجی اور صحافتی خدمات کے اعتراف میں سنچری ایوارڈ دینے کا فیصلہ کیا ہے اور شعبہ ابلاغیات اسلامیہ یونیورسٹی نے اپنی لائبریری کو ایس ایچ ہاشمی لائبریری کے نام سے منسوب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یونیورسٹی ہذا نے ایس ایچ ہاشمی پر پی ایچ ڈی کرانے کا بھی اعلان کیا ہے۔ ایس ایچ ہاشمی عشق ومحبت، علم وعرفان کی سرزمین بہاولپور سے خصوصی لگاؤ رکھتے ہیں کیونکہ یہ وہ شہر ہے جس میں ان کے والد محترم حافظ عبدالقدوس ہاشمی جیسے مدبر اور مفکر سانسوں کی لڑیاں جڑتے رہے۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے ایس ایچ ہاشمی کے والد محترم کے تمام علمی ذخیرے کو محفوظ تر بنانے کا خصوصی اہتمام کیا ہے، تاکہ ان کی ذات پر بھی ایم فل یا پی ایچ ڈی کی سطح کا کام ہو سکے۔

ایس ایچ ہاشمی مادی وسائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ زندگی کو اعتدال وتوازن سے ہمکنار کرنے کے لئے فنون لطیفہ کی بقا اور اخلاقیات سے مرصع سوچوں کے ذریعے نجات پانے پر یقین رکھتے ہیں۔ اس بطل جلیل کی وجہ سے پاکستان میں سیکڑوں لوگوں نے ناسازگار ماحول کے باوجود ان کی ذات کے عوامل سے حوصلہ پا کر رخت سفر باندھ لیا ہے۔ اس دشت پرخار میں مجھ جیسے کچھ اور بھی برہنہ پا ہیں جو اس مٹی کو اپنے خون کی نمی بخش کر زرخیز بنانے پر کمربستہ ہیں۔ میری مزید خوش قسمتی ہے کہ مجھے ایس ایچ ہاشمی صاحب کی سرپرستی حاصل ہے کہ جن کا نصب العین ہی قرابت ویگانگت اور ایثار وتعاون کو بنیاد بنا کر فلاحی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ علم وادب اور تہذیب ثقافت کی اعلیٰ اقدار کو ارتقاء کی منزل سے ہمکنار کرنا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت ایس ایچ ہاشمی کو بلند عزائم کے ساتھ مدتوں زندہ رکھے تاکہ پاکستانیت کا پرچم کبھی سرنگوں نہ ہونے پائے اور صحافت کی آبیاری کا عمل جاری وساری رہے۔

تاریخ ساز شخصیت

تاریخ عالم کی داستان دیرینہ بھی ہے اور پارینہ بھی۔ ہر خطہ ایک مخصوص ورثہ‘ تہذیب وتمدن اور زوال وعروج رکھتا ہے۔ انہی داستانوں میں داستان بہاولپور ایک زریں اور نمایاں کردار ہے۔ بہاولپور کیا ہے؟ قلم رک گیا‘ سانس ٹھہر گئی۔ بلکہ عالم تخیل میں نظام حیات اس داستان کو پلٹنے کے لئے کوشاں اور سرگرداں ہے۔

بہاولپور کیا ہے؟ کیا میں اسے عظیم شاعر خواجہ غلام فریدؒ کی سرزمین کہوں‘ کیا میں اسے عباسیان بہاولپور کی سرزمین کہوں‘ اس سرزمین کی مٹی کچھ اس طرح زرخیز بھی ہے کہ یہاں وہ بطل حریت سانسوں کی لڑیاں جھڑتے رہے جن کے نام تاریخ کے صفحات کبھی فراموش نہیں کریں گے۔ میں جب اس کے تہذیبی‘ اخلاقی اور تعلیمی ورثے کی طرف بہ نظر غائر دیکھتا ہوں تو میری نظر انتخاب سب سے پہلے جامعہ اسلامیہ بہاولپور کی طرف جاتی ہے۔ تحقیق وتدقیق کا یہ علمی مے خانہ شب وروز ایسے فیوضات نچھاور کر رہا ہے جس کی بو بوئے گل کی طرح چار دانگ عالم میں پھیل رہی ہے۔ جامعہ اسلامیہ پاکستان کے تعلیمی میدان بالخصوص جنوبی پنجاب کی ایسی سرزمین ہے جو سرائیکی بیلٹ میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل بھی ہے اور نمائندہ بھی اور اس میدان میں موجود دیگر اداروں کی رہنما بھی یہ جامعہ پورے پاکستان میں اپنے مخصوص کلچر کے حوالے سے اپنی شہرت رکھتی ہے اس وقت علم وحکمت کا یہ مے خانہ اپنے موجودہ وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کی زیرسرپرستی تعمیر وترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے 1965ء میں پنجاب

یونیورسٹی سے بی ایس سی آنرز کیا گورنمنٹ کالج لاہور سے رولز آف آنر کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ بعدازاں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم ایس سی کرنے کے بعد فیصل آباد کی ایک شوگر مل میں بحیثیت کیمسٹ 1967ء میں اپنے کیریئر کا آغاز کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے انگلینڈ چلے گئے۔ جہاں انہوں نے امپیریل کالج آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی لندن سے ڈی آئی سی کی ڈگری لی اور بعد میں 1970ء میں لندن یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لینے کے بعد لندن ہی سے ”رائل سوسائٹی کمیسٹری“ اور رائل انسٹیٹیوٹ آف کمیسٹری“ میں تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ یورپ سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد تعلیم کے شعبے سے ہی وابستہ ہوگئے۔ 1974ء میں گومل یونیورسٹی ڈیرہ غازی خان میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر ان کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ جہاں وہ 1976ء تک علم کے موتی بکھیرتے رہے۔ اس کے بعد بہاولپور میں تشریف لائے اور انہیں 1989ء میں اسلامیہ یونیورسٹی میں ایسوسی ایٹ پروفیسر بنادیا گیا۔ اور ستمبر 1990ء میں انہیں پروفیسر بنایا گیا۔ ان کی شبانہ روز محنت نے شعبہ کیمیا کو پورے پاکستان میں امتیازی مقام تک پہنچایا۔ انہی کی زیر سرپرستی شعبہ فارمیسی تعمیر و ترقی کے راستے پر محوسفر ہو کر وطن عزیز میں نہایت ممتاز مقام حاصل کرچکا ہے۔ 14 اگست 1997ء پاکستان کی گولڈن جوبلی کے موقع پر خالصتاً میرٹ پر میاں شہباز شریف وزیراعلیٰ پنجاب نے انہیں اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کا وائس چانسلر مقرر کیا۔ آپ کیمیا سے متعلق قومی اور بین الاقوامی اداروں کے ممبر ہیں۔ آپ کا شمار اسلامیہ یونیورسٹی کے سینئر ترین اساتذہ میں ہوتا ہے اور ملکی و بین الاقوامی سطح پر ایک مستند سائنسداں کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ پروفیسر محمد شفیق خان نے نہایت اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کی بدولت یونیورسٹی کی تعمیر و ترقی میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ بغداد الجدید کیمپس (نیو کیمپس) کی منصوبہ بندی ہو یا پھر جدید شعبہ جات کا اجراء ہر مرحلے میں ان کا کردار مثالی رہا ہے۔ وہ مختلف ادوار میں کلیہ علوم سائنس، علوم اسلامیہ اور علوم فنون کے ڈین (Dean) بھی رہے ہیں۔ مقامی فرد ہونے کی بناء پر یونیورسٹی کے ساتھ گہری وابستگی رکھتے ہیں اور ہر قسم کے تعصبات سے بالاتر ہیں۔ جب سے پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق اسلامیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر بنے ہیں۔ یونیورسٹی کی مکدر سیاسی فضاء آلودگی سے پاک ہونا شروع ہوگئی ہے۔ سچائی اور خلوص نیت سے انہوں نے انقلابی اقدامات کا آغاز کردیا ہے۔ ایسے پرہول دور میں اس طرح کے باکردار لوگوں کا درس گاہوں میں آنا نعمت عظمیٰ سے کم نہیں۔

مولانا غلام محمد گھوٹویؒ (پہلے شیخ الجامعہ) مولانا ابوبکر غزنویؒ اور مولانا سید احمد سعید کاظمی نے قومی سطح پر اس درس گاہ کا جو تشخص قائم کیا اور جس طریقے سے اس گلشن کو اپنے خون سے سینچا اس کے تشخص کی بحالی اور اس دانش گاہ میں دینی علوم کی ترویج اشاعت کے لئے تاریخ ساز فیصلے کئے ہیں۔ بلاشبہ ڈاکٹر محمد شفیق خان کی اسلام سے یہ گہری کمٹمنٹ ہے کہ انہوں نے اس نوعیت کے اہم فیصلے کئے۔ علوم اسلامیہ کے دیگر شعبوں میں جدید تعلیم وتدریس کی منصوبہ بندی کی جارہی ہے۔ یونیورسٹی میں داخلوں اور امتحانات کو سوفیصد صاف اور شفاف بنادیا گیا ہے۔ اساتذہ طلبہ اور ملازمین کے درمیان خوشگوار مثالی تعلقات پیدا کرنے کے لئے اعلیٰ کردار کے حامل اساتذہ پر مشتمل ٹیم کا انتخاب کیا گیا ہے۔

موجودہ دور سائنس وٹیکنالوجی کا دور ہے۔ ترقی کی دوڑ میں وہی اقوام صف اول رہتی ہیں جو بدلتے حالات کے تقاضوں کو سمجھ کر منصوبہ بندی کرتی ہیں۔ چنانچہ قومی اور بین الاقوامی تقاضوں کو محسوس کرتے ہوئے سائنس کے شعبوں کو بالخصوص ایم بی اے اور کمپیوٹر سائنس کے شعبہ جات کو جدید تر بنایا جارہا ہے۔ شعبہ کمپیوٹر سائنس کو انٹرنیٹ سے منسلک کرنے کے لئے ابتدائی کام کا آغاز ہو چکا ہے۔

یونیورسٹی میں وسیع گنجائش کا حامل آڈیٹوریم اور کانووکیشن کے انعقاد کے لئے فنڈز کے حصول کے لئے مقامی اراکین پارلیمنٹ کی توجہ مبذول کروائی جارہی ہے۔ خواجہ غلام فرید کی روہی پر تحقیق کی غرض سے 1983ء میں اسلامیہ یونیورسٹی میں ''چولستان انسٹی ٹیوٹ آف ڈیزرٹ اسٹڈیز'' کے نام سے ایک تحقیقی ادارہ قائم کیا گیا۔ اس ادارے کو فعال بنانے اور تحقیقی سرگرمیوں کو اجاگر کرنے کے لئے اس کے ڈھانچے کو سائنسی بنیادوں پر استوار کیا جارہا ہے اور ملکی زرعی سائنسی اداروں کی خدمات حاصل کی جارہی ہیں۔

تجربہ کار افراد کو اس ادارے میں تحقیق کی دعوت دی جارہی ہے۔ جلد ہی شعبہ ابلاغیات میں ایوننگ کلاس کا اجراء کیا جارہا ہے۔ مختلف شعبہ جات کو جدید آلات فراہم کرنے کے لئے ان کے سربراہوں سے نئے وائس چانسلر نے گفت وشنید شروع کردی ہے تاکہ کم وقت اعلیٰ معیار کے جدید سمعی وبصری آلات فراہم کئے جاسکیں۔

اسلامیہ یونیورسٹی کو تحقیق کے میدان میں ملک کی دیگر جامعات کے مقابلے میں لانے کے

لئے تحقیقی شعبے میں دور رس اقدامات کی ضرورت تھی۔ اس مقصد کے حصول کے لئے خطیر رقم اساتذہ کی تحقیق کے لئے آئندہ بجٹ میں رکھی جا رہی ہے۔ یونیورسٹی کا شعبہ پبلیکیشنز ایک عرصہ سے عضو معطل بنا ہوا تھا۔ اس کے مردہ ڈھانچے میں روح پھونکنے کے لئے سینئر ترین اور دانش ور اساتذہ کو اس ادارے سے وابستہ کیا جا رہا ہے۔ اس بات کا فیصلہ جامعہ کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا کہ اساتذہ کی ترقی اور اسکالرشپ خالصتاً میرٹ کی بنیاد پر دی جائے گی۔

اردو زبان اور ایس ایچ ہاشمی

بوسیدہ روایات میں ہچکیاں لیتے معاشرے میں اور زندگی کے تیز رو نفسانفسی سے معمور ماحول میں کسی فرد کے ذہن و قلب میں احساس کا وجود بجائے خود ایک ایسا انمول واقعہ ہے جو عہد کی پیہم گردشوں اور برسوں کے کٹھن انتظار کے بعد منصۂ شہود پر آتا ہے۔

ایس ایچ ہاشمی بھی برسوں بعد پیدا ہونے والا ایک ایسا باکمال نابغہ روزگار انسان ہے جس کی فکر اور سوچ پاکستان سے عبارت ہے۔ جس کا خمیر پاکستان کی محبت سے اٹھا ہے، وہ مفکرانہ یکسوئی کے ساتھ پاکستان اور پاکستانیت کا پرچم اٹھائے ہوئے ہیں۔ دنیا کے بڑے انسانوں کی طرح ان کا پیغام بھی ان کی مادری تعلیم سے محبت ہے۔ وہ قلم اٹھاتے ہیں صرف اردو کے نفاذ کے لئے۔ اردو کے فروغ کے لئے۔ اردو کی خوشحالی کے لئے۔ وہ اپنے ہم وطنوں میں روشنیاں اور رعنائیاں بانٹنا چاہتے ہیں۔ ایس ایچ ہاشمی کے دل میں اردو کے نفاذ اور محبت کا جو رچاؤ ہے وہ اتنا بھرپور ہے کہ نہ صرف اس کی رشحات قلم کو پرتاثیر بنا دیتا ہے بلکہ ان کی آواز دل کی گہرائیوں میں اتر جانے والی ایک پرسوز کیفیت سے پڑھنے والوں کو آشنا کر دیتی ہے۔ وہ جب بھی کسی تقریب میں سامعین سے مخاطب ہونے کے لئے آتے ہیں تو سننے والوں پر پرعب سے سناٹا چھا جاتا ہے اور ہر شخص گوش بر آواز ہو جاتا ہے۔ ان کا لفظ لفظ جو کتاب پاکستان کا دیباچہ ہوتا ہے سوز و ساز کے ساتھ ایک قلندرانہ وقار لئے ہوتا ہے۔ جس میں اپنائیت کے ساتھ ساتھ پاکستان کے شکستہ دل کی صدا بھی شامل ہوتی ہے۔ اس لئے تو اہل عقل و دانش ان کے سحر سے بچنے کی کوشش میں کامیاب

نہیں ہو سکتے۔

ایس ایچ ہاشمی ایک ایسا وضع دار اور حلیم اُردو دوست انسان ہے جس کے بدترین مخالف بھی اس کا احترام کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ وہ اسی کارواں کے سرخیل ہیں جس کی آبیاری بابائے اردو مولوی عبدالحق نے کی۔

انہوں نے مسلسل محنت اور لگن سے وہ بلند مقام پالیا ہے کہ جہاں بھی جائیں اور جس کسی سے بھی ملیں لوگ ان کے قرب کا تذکرہ اپنے احباب میں بڑے فخریہ انداز میں کرتے ہیں۔ ان کی باتیں علم و حکمت سے لبریز ہوتی ہیں۔ جب وہ خاموش ہوتے ہیں تو پرسکون سمندر لگتے ہیں اور جب بے تکلف دوستوں کی محفل میں ایک پیر طریقت اور دولہا کے انداز میں بیٹھے ہوتے ہیں تو ان کے منہ سے نکلا ہر لفظ دل احساس کی تاروں میں ارتعاش پیدا کرتا ہے۔

وہ ایک ایسے وطن پرست انسان ہیں جو قائداعظم کی زندگی اور فرامین کو پاکستان کی بقا اور سالمیت کے لئے لازم سمجھتے ہیں۔ وہ کسی سے نفرت کرنا نہیں بلکہ اپنے جاننے والوں اور اپنے ماتحتوں کی چھوٹی بڑی لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف کرنا، درگزر کرنا جانتے ہیں۔ ان کی طرف سے پیدا شدہ شکایتوں کو کینے کی صورت دے کر جی کا روگ بنائے رکھنے کے قائل نہیں بلکہ عفو و درگزر ان کا مسلک ہے۔ وہ دائمی امن کی بقا کے لئے سوچتے ہیں۔ پاکستان اور اردو کا ذائقہ ان کی رگوں میں سرخ رنگ بن کر دوڑتا ہے۔ اب وہ اہل پاکستان کو شدت سے احساس دلا رہے ہیں کہ تمام تر نفرتوں اور عصبیتوں کی وجہ، ہماری اپنی زبان سے دوری ہے۔ ایس ایچ ہاشمی کا صرف ایک خواب ہے کہ پاکستان میں اردو کو وہ مقام مل جائے جو اس کا حق ہے۔ اردو یونیورسٹی کا قیام ان کا دیرینہ خواب ہے اس لئے تو ان کی باتیں اجلے خوابوں کا جزیرہ ہیں۔ ان کے سینے میں اردو کے لئے پوشیدہ دعائیں بابِ قبول ''وا'' ہونے کی منتظر ہیں۔

وہ پاکستان کے لئے خواب دیکھتے ہیں مگر سفارت اور وزارت سے بے نیاز ہیں۔ انہیں یہ تو معلوم نہیں کہ احساس میں ڈوبے لفظ کاغذ پر بکھر جائیں تو کب تک نوجوانوں میں اپنی چبھن اور کسک برقرار رکھ سکتے ہیں البتہ اس حقیقت سے وہ خوب آشنا ہیں کہ زندگی بھر کی یہ امانتیں حساس دل والوں کے سپرد کر کے مطمئن ضرور ہو جاتے ہیں۔ وہ پاکستان کے کسی مخصوص علاقے کی فکری آب و ہوا کے حصار میں اسیر نہیں نہ کسی ایک فرد کے فکر و عمل کے عکاس ہیں۔ بلکہ جہاں جہاں امن

کی خوشبو، فاختاؤں سے اٹی فضا، پاکستان سے محبت کے سائے اور اُردو زبان سے چاہتوں کے آبشار، نغمے برسار ہے ہیں وہاں وہاں ان کی سوچ کی دھنک، فکر کی رعنائیوں، پاکستان کے زخموں کی کسک اپنی بازگشت سمیت پھیلنے اور بکھرنے کے عمل میں مصروف ہے۔

تصویر پاکستان ایس ایچ ہاشمی جیسے مرنجاں مرنج، صلح کُل رکھنے والے شریف الطبع انسان کو دیکھ کر عموماً گمان گزرتا ہے کہ ان کی باتوں میں امرت کی تاثیر ہے۔ عمل میں نیکی و راستی ہے لہٰذا وہ سرتاپا مجسمہ پاکستان ہیں۔ کمال درجے کا عجز و انکساری ان کی ذات کا اہم ترین جزو ہے۔ وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے بہ یک وقت موم بھی ہیں اور فولاد بھی۔

ایس ایچ ہاشمی انگریزی زبان کے عالم گیر پھیلاؤ اور ضرورت کے باوجود اردو زبان سے جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں۔ ان کے افکار کی بین الاقوامیت ان کے قومی فکر کے تقاضوں سے کبھی متصادم نہیں ہوئی۔ وہ اصول پرست اور معتدل مزاج دانشور ہیں وہ جیسے اندر سے پاکستان اور پاکستانیوں سے پیار کرنے والے انسان ہیں ویسے ہی باہر سے بھی سچے اور کھرے انسان ہیں۔ انہیں عہد حاضر کی بیماریوں یعنی لسانی و علاقائی تعصبات سے جتنی چڑ ہے اتنی کسی چیز سے بھی نہیں۔ وہ معاشرے میں اردو گریز رجحانات اور انحطاط پزیر سوچ سے شاکی ہیں، تاہم وہ اپنے ذہن میں معاشرتی فلاح اور انسان کی سوچ کے ارتقائی عمل کا واضح سائنسی شعور بھی رکھتے ہیں، وہ پاکستان کے مستقبل کو اردو زبان کے ساتھ تاباں اور درخشاں سمجھتے ہیں ان کے خیال میں پاکستان ہمیشہ عظیم رہا ہے اور رہے گا اس لئے وہ ہر حال میں اسے قابل قدر اور قابل تعظیم سمجھتے ہیں۔ ان کی روشن فکر اس مادرِ گیتی پر حسن و رعنائی اور جلال و جمال کی فراوانی چاہتی ہے۔ اور امن و خوشحالی کے گہوارے میں پاکستان کو ارتقائی منازل طے کرتے دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی شخصیت نے خوبصورت رفاقتوں اور لازوال محبتوں سے دامن کو لبریز کیا ہے۔ ان کے دھیمے لہجے میں بلا کا بانکپن ہے، سوز عنادل ہے اور چمن در چمن ہے۔ وہ دل میں عشق صاحب لولاک ﷺ رکھتے ہیں۔ نظر میں وسعت افلاک رکھتے ہیں۔ درویشی جن کی صفت، بے نیازی عادت ہے۔ خدمت انسانیت ان کے نزدیک عین عبادت ہے۔ سیرت و کردار میں، صورت و گفتار میں قرون اولیٰ کی شرافت کا اک کامل نمونہ، ان کے عمل میں تضاد ہے نہ شخصیت میں زیر و زبر۔ ملک پہ ان کو ناز ہے۔ قوم پہ غرور ہے، جواں عزم، جواں فکر، بلند اقبال، روش میں جنوں، جنوں میں استقلال، ہاشمی نسبت، سادات پہ نازاں،

نام حسین، تشکیل و تعمیر میں ابلاغ و تشہیر میں دوسرا کوئی ثانی نہیں رکھتے۔ شعور ذات میں ان کو اوج کمال، شرفِ آدمیت کی اک زندہ مثال، آشنا روشن ضمیر، روشن خیال جس نے سیکھا نہیں دراز کرنا دست سوال، ایمان، تنظیم و اتحاد و یقین، یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے پیرہن وطنیت کا پیرہن، پیہم لگن، پیہم عمل، پیہم آرزو، پیہم جستجو یہ چار عوامل ہوں تو بنتا ہے ہاشمیت کا چلن۔ حق و صداقت کے امین، امن و محبت کے پیامبر، عظمت رفتہ کے ترجمان، سرتاپا مہربان ہی مہربان۔ فروغ و نفاذ اردو کے علمبردار بلاشبہ آپ اقلیم اردو کے سفیر ہیں الغرض میرے ممدوح کی یہ ایک کامل تصویر ہے۔ کتاب پاکستان کے ہر ورق پر ایس ایچ ہاشمی تحریر ہے۔

روشن ضمیر

وہ وقت کے ایک بے مثال خطیب بھی تھے۔ فاضل جلیل، عالم کبیر حضرت مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی مرحوم لکھتے ہوئے گنجینہ علم کے احساس زیاں سے جگر پاش پاش ہوتا ہے۔ دراصل وہ بظاہر ہماری طرح کے ایک انسان اور بندہ خدا تھے لیکن عملاً اپنی ذات میں حکمت ودانش کی انجمن اور تحقیق شدہ حقائق وافکار کے مؤثر ابلاغ کا ایک منظم ادارہ ہے۔ اس قدر راسخ العقیدہ مسلمان تھے کہ انہیں فنافی اللہ وارفنافی الرسول کہا جانا چاہئے لیکن یہ سرچشمہ علم ان کی ذات تک محدود نہ تھا۔ وہ افکار ونظریات کے جہاں آب وگل میں محبت وصداقت کے تازہ اور خوش رنگ پھول کھلاتے اور مجذوبانہ تڑپ کے ساتھ جہد مسلسل کرتے کہ عبد اور معبود کے مابین جو رشتہ عبدیت اور ایمان کا صحیح تصور توحید ہے اسے تشنگان علم کو ذہن نشین کرائیں اور موجودہ نسل کو اپنے عظیم المرتبت اسلاف کی قدر ومنزلت سمجھتے تھے اور اپنی پوری زندگی اس فکری آگہی اور صحت مند علمی وادبی رجحانات کے ایجاز وابلاغ کے لئے وقف رکھی۔ مولانا ہاشمی ندوی علمائے حق کے ایسے سرخیل تھے کہ ان کا شعور بیدار اور روشن ضمیر نہ دولت وحشمت سے خریدا جا سکتا تھا نہ جاہ ومنصب سے سستی شہرت، انفرادی ستائش اور نمود ونمائش سے ان کو کوئی غرض تھی عام گفتگو میں کم آمیز نظر آتے۔ فکر وعقیدہ کا مباحثہ درپیش ہو یا تاریخ کی غیر مستند روایات کا کوئی متنازع پہلو سامنے آجائے تو ان کے دلائل وبراہین بلند آہنگ ہو جاتے۔

جن خوش نصیب حضرات کو مولانا کے فیضان علم ودانش ہونے کا موقع ملا، یا شعادت بار بار حاصل ہوئی، وہ بخوبی آگاہ ہیں کہ کوئی موضوع ہو یا نفس مضمون اس کی مبادیات، مآخذات اور

جزئیات پر مولانا موصوف ایسی مدلل، مربوط اور سیر حاصل گفتگو فرماتے ہیں کہ سامع حضرات محو حیرت رہ جاتے۔ علوم قرآنی احادیثِ نبویؐ فقہ سیرت، سوانح، علم الانساب، تاریخ فلسفہ منطق، حتیٰ کہ متعدد زبانوں کے قواعد اور لغوی مزاج تک پر مولانا کی قابلیت اور ناقدانہ نظر محیط ہوتی۔ توحید تعالیٰ کے ضمن میں کسی کو شریک، ہمسر یا ثانی ٹھہرانے والے راوی کے لئے ان کے ہاں معافی کی گنجائش تو کیا، نرم گوشہ بھی نہ تھا۔ اس نازک اور حساس نکتے پر علامہ سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کے اس شعر کی تفسیر مجسم بن جاتے تھے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لئے ہے

مولانا کے تجربہ علمی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بڑے بڑے علماء، دانش ور، ادیب، صحافی، محقق اور پروفیسران کے آگے زانوئے ادب تہ کرتے تھے۔ ان کی علمیت، بصیرت، ذہانت، فراست وتدبر اور اصایب رائے سے متاثر ہو کر دکن کے بے تاج بادشاہ اور مجلس اتحاد المسلمین کے صدر نواب بہادر یار جنگ نے مولانا سے مجلس اتحاد المسلمین میں شامل ہونے کی درخواست کی جو مولانا نے منظور کرلی۔ وہ نہ صرف قائدملت کے رفیق ومشیر، شریک معتمد صدر پارلیمان بورڈ اور مجلس کے رکن تھے بلکہ تنظیمی امور، کارکنوں کی دینی اور سیاسی تربیت کے سربراہ بھی تھے۔ انہوں نے مملکت حیدرآباد کے شہر شہر، قریہ قریہ پہنچ کر مجلس کا پیغام پہنچایا اور مسلمانوں کو متحد ومنظم کرنے میں مثالی کردار ادا کیا۔ علمی، ادبی، دینی، سیاسی اور تعلیمی مصروفیات کے باوجود وقت کے تقاضوں کو محسوس کر کے ایک اعلیٰ معیاری ہفت روزہ ''البلاغ'' کے نام سے جاری کیا جو مختصر مدت میں اتنا مقبول ہوا کہ اس دور میں برصغیر ہندوستان کا کثیر الاشاعت ہفت روزہ بن گیا۔ اس کے علاوہ ایک روزنامہ ''اتحاد'' بھی جاری کیا جس کے ایڈیٹر مولانا سید حسن مثنیٰ ندوی تھے۔ مولانا کا نام ہی ان اخبارات کے اعلیٰ معیار کی ضمانت تھا۔ مولانا کو قائدملت، نواب بہادر یار جنگ ہر تقریب اور ہر میٹنگ میں ساتھ رکھتے تاکہ بروقت ان کی رائے اور مشورہ حاصل کرسکیں۔

یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے خطابت کا وہ شہسوار، وہ سیاست وتدبر، محفلوں کا چراغ، فقر واستغنا کی چٹان کفر وارتداد کے فتنوں کے خلاف چلتی ہوئی تلوار، مالک الملک، وحدہ لاشریک کی بے شمار نعمتوں، رحمتوں کا شکر گزار مجاہد باوفا کہ جو زندگی بھر اپنے علم، اپنے قلم، اپنی فکری اور خطابت سے جہاد

میں مصروف رہا، آج ہمارے درمیان موجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے اور اپنے بندوں کے افعال واعمال اور نیت کے احوال بخوبی جاننے والا ہے۔ اسی رحمٰن ورحیم کے سپرد ہم عاجز بندے اس نیک نفس، قوی الارادہ مردِ مومن کے معاملہ عافیت ومغفرت کو کرتے ہیں اور قادرِ مطلق مختارِ حیات وموت کے حضور شاہد ہیں کہ:

''مولانا مرحوم کے وجود کی ماہیت اور معنویت کا ذرہ ذرہ اسلامیت سے سرشار تھا۔'' بلاشبہ ان کی ۸۰ سالہ حیات مستعار ایک نابغہ عصر اسلام کی منفرد خصوصیات سے عبارت تھی اور وہ ہمیشہ کوشاں رہے کہ اپنے سینے میں پوشیدہ علوم وافکار اور خزینہ دانش کو اصلاح احوال کے لئے لوگوں تک پہنچائیں اور تشنگان علم کی پیاس بجھائیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ مدرسہ عالیہ میو ضلع اعظم گڑھ، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جامعہ پنجاب لاہور سے تحصیل علم کے بعد اپنی ذاتی اور معاشی دلچسپیوں کا محور خالصتاً علمی وتحقیقی اداروں کو بناتے ہیں۔

ایک سرسری جائزے سے پتا چلتا ہے کہ رام پور ریاست کی مشہور لائبریری اور کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن کو منظم اور وسعت پزیر بنانے میں ان کی سرگرم کاوشیں شامل رہیں۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کراچی واسلام آباد اور جامعہ اسلامیہ اسلام آباد میں مختلف علم وفنون اور زبانوں پر ذخیرہ کتب وسیع کرنے اور علمی فکری پہلوؤں، طلبائے تاریخ وتمدن، دینیات، سوانح اور تاریخ پاکستان کی ذہنی تربیت اور رہنمائی کے لئے شب وروز اپنی مساعی جمیلہ وقف کردی تھیں۔ جہاں جستجوئے علم وفنون کی رمق نظر آتی اس کی توجہ شفقت، رفیق سفر بن جاتی۔ وہ علم ووجدان کے پوشیدہ جوہر کو فوراً شناخت کرلیتے اور بہار آفریں شجر سایہ دار ثابت ہوتے۔ انہیں اپنی تاریخ سے بے خبر، اپنے جلیل القدر اسلاف کے شاندار کارناموں سے ناآشنا نوخیز نسل کی تعلیم وتربیت کے بامقصد وسائل موجود نہ ہونے کا شدت سے احساس رہتا تھا۔ انہیں یہ نعمتِ خداداد حاصل رہی تھی کہ وہ مخدوم پور ضلع ''گیا'' صوبہ بہار کے ایک علمی اور صحیح العقیدہ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بزرگوار مولانا سید اوسط شیخ کبیر نذیر حسین دہلوی کے شاگرد رشید اور اعلیٰ پایہ کے محدث تھے۔ ۲۴ جمادی الآخر ۱۳۲۹ھ مطابق ۲۶ جون ۱۹۱۱ء کو اسی مردم خیز سرزمین میں انہوں نے آنکھ کھولی اور ابتدائی تعلیم بھی اپنے مشفق باپ سے حاصل کی۔ درس نظامی مکمل کرنے مدرسہ عالیہ میو گئے۔ اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور پنجاب یونیورسٹی ان کے لئے گہوارہ تعلیم بنے۔ اردو، فارسی،

عربی، انگریزی، ہندی، سنسکرت اور دوسری کئی زبانوں تک رسائی نے مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی کی شخصیت کو اکمال بنا دیا۔ یہی ان کی خوش نصیبی کچھ کم ہے کہ وہ علامہ الکبیر استاذ العلوم الشرعیہ والعربیہ مؤرخ اسلام ادیب بے مثال خطیب بلیغ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کے عزیز ومقرب شاگرد تھے۔

۱۸ ویں اور ۱۹ ویں صدی عیسوی کی بزرگان ملت میں یہ قدر مشترک نظر آتی ہے کہ اکثر حضرات اپنی فصیح و بلیغ نگارشات اور فکری واصلاحی دردمندی کے جذبوں کے ساتھ میدان صحافت میں رہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا عبدالقدوس ہاشمی بھی رسالہ ندیم ''گیا'' حیدرآباد دکن کے جرائد روزنامہ ''اتحاد'' رسالہ البشریٰ (عربی) ہفت روزہ البلاغ کے اوراق میں اپنے منفرد اسلوب کی صحیفہ نگاری کے جوہر دکھاتے رہے اور اپنے مخلص احباب ورفقاء کو بھی فارسی وعربی آمیز شگفتہ اردو تحریروں کی مشق کراتے رہے۔ صحافت کا وہ دور خوش قسمتی سے ''صحافت برائے تجارت'' یا صنعتی اخباری دور ہرگز نہ تھا۔ جرائد سے اصلاح معاشرہ، اتحاد ملت اور مسلمانانِ عالم اسلام کے مسائل کی ترجمانی کا کام لیا جاتا تھا اور مشن میں کوئی مشکل یا مصیبت اور آزمائش حائل ہوتی تو اس کا مقابلہ تحریکی جذبہ قربانی سے کیا جاتا۔ مولانا ہاشمی نے اردو، عربی، انگریزی زبان میں متنوع موضوعات پر محققانہ مقالات وقتاً فوقتاً لکھے۔ ایسے مضامین کی تعداد ایک عمومی اندازے کے مطابق دو سو بتائی گئی ہے لیکن راقم الحروف کا خیال ہے کہ تحقیق وتلاش کے جذبے سے کام لیا جائے تو یہ تعداد ۲۰۰ سے کہیں زیادہ ہوسکتی ہے۔

اسی طرح ان کی تصانیف کا اندازہ ۳۲ اور ۴۰ کے درمیان ہے۔ ذیل میں چند کتابوں کے نام پیش کئے جاتے ہیں (۱) کتابِ زندگی (۲) ہمارا رسم الخط (۳) معمارانِ پاکستان (۴) تاریخِ خلافتِ اسلامیہ (۵) تاریخ افغانستان (۶) کتاب التوحید (۷) رومن رسم الخط (۸) تشریحات پاکستان (۹) المرشد الامین (۱۰) چند مکاتیب (اردو میں) (۱۱) الایانات اور (۱۲) المسلمون بورما (عربی میں) (۱۳) ورلڈ مسلمز (۱۴) نیشنلزم ان ماڈرن ورلڈ (انگریزی میں) جن حضرات نے مولانا کی تصانیف وتالیفات پر نظر ڈالی ہے یا مطالعہ کرچکے ہیں، انہیں مولانا ہاشمی ممدوح کی بالغ نظری جودتِ طبع، نکتہ آفرینی اور زبان وبیان پر کامل عبور کا بخوبی اندازہ ہوگا۔ ان کے صرف دلائل ہی معلوماتی اور منطقی اسلوب کے باعث باوزن نہیں قرار پاتے تھے بلکہ ان کی تحریروں کے

مآخذ بھی وقیع ثقہ اور بااعتماد ہوتے ہیں۔ البتہ تدوین و تصنیف میں ان کا انداز تھا' دلکش بھی اور شگفتہ بھی اور عام فہم بھی۔ گویا ان کے مخالف اسکالر بھی ہوتے تھے اور عمومی استعداد علمی کے خواتین و حضرات بھی۔ بطور نمونہ کتاب کے احاطہ بیان اور انداز ترتیب کا تعارف کراتا ہوں۔

مولانا ہاشمی کی ایک کتاب تاریخ خلافت اسلامیہ طلبہ و اساتذہ دونوں طبقوں کے لئے معرکہ کی کتاب ہے جس تاریخی دور پر محیط ہے' ملاحظہ ہو۔ ''از خلیفہ الرسولؐ حضرت ابو بکرؓ ۱۱ ہجری تا آخری خلیفہ امیر المومنین سلطان عبدالمجید خان ثانی ۱۳۴۲ھ ہجری کتاب الموسوم تاریخ خلافت اسلامیہ میں مولانا عبدالقدوس ہاشمی نے تاریخ کے ہزاروں صفحات کو جس متداول انداز میں مرتب اور مدون کیا ہے اس سے مولانا موصوف کی محققانہ نظر اور ژرف نگاہی ہی کا بدرجہ اتم اندازہ ہوجاتا ہے۔ مولانا موصوف احادیث و آثار کے متداول مجموعوں خصوصاً صحاح ستہ کے علاوہ عربی کتب میں تاریخ ابن کثیر (الموسوم' اسماعیل بن عمر عماد الدین ابوالفدا' ابن الخطیب اقرشی) تاریخ ابوزید عبدالرحمٰن' ولی الدین علامہ ابن خلدون العبر' فیمن للذہبی' شذرات الذہب' للحکری المنتظم الابن جوزی' تاریخ الاولتہ العلیہ للمحامی المصری مع اضافہ و تکمیلاز ڈاکٹر احسان حقی' تاریخ الاسلام مصنف ابراہیم حسن خطبات تاریخ الاسلام الشیخ الحضری جیسے مآخذ کو بالا تحقیقی کاوش کے لئے ڈھونڈ لاتے ہیں اور واقعات و روایات کو منتخب کرتے وقت مؤرخ' تاریخ عہد' روایت حتیٰ کہ راوی کو اسماء الرجال کی کسوٹی پر رکھ کر اپنے مشمولات کے دائرے میں جگہ دیتے ہیں۔ روایت و درایت اور سند و صحت کا یہی اصول مولانا ہاشمی ندوی کی دوسری مطبوعات اور مضامین میں کارفرما نظر آتا ہے۔ وہ اپنی مہم جوئی ثقاہت اور شواہد پر پہنچے بغیر ترک نہیں کرتے۔

مولانا عبدالقدوس ہاشمی جس طرح حیدرآباد دکن میں بعض اشیاء کی تجارت کر کے اپنے لئے رزق حلال کے حصول میں لگے رہتے تھے اسی طرح شہر کراچی میں بھی کیا۔ مولانا کراچی سے سندھ کے اضلاع میں جا کر سبزی لاتے اور شہر میں فروخت کرتے تھے' اسی دوران آپ کے قلم سے مختلف علمی مضامین بھی رسائل واخبارات میں شائع ہوئے اور کتابیں بھی تصنیف کرتے رہے۔ مولانا عبدالقدوس ہاشمی نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا تھا۔ پاکستان کے بارے میں اردو میں پہلی کتاب آپ ہی نے لکھی تھی۔ یہ کتاب قرارداد پاکستان منظور ہونے سے قبل شائع ہوئی تھی۔ مولانا نے پاکستان کے بارے میں تین کتابیں '' پاکستان اور ہندوستان' تشریحات

پاکستان، اور 'معاشیات پاکستان'' شائع کیں۔ آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے مختلف اجتماعات سے خطاب کیا۔ ۴۶۔۱۹۴۵ء کے انتخابات میں مولانا نے پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے سرگرم رہے۔ سلہٹ اور سرحد کے ریفرنڈم میں بھی آپ نے خدمات انجام دیں۔ آپ نے ایشیاء، افریقہ اور یورپ کے سفر بھی کئے۔ انڈونیشیا میں آپ کا قیام خاصی مدت تک رہا اور وہاں آپ نے اردو کی تعلیم کا ادارہ بھی قائم کیا۔

مولانا ہاشمی روانی سے اپنے خیالات وجذبات صفحۂ قرطاس پر منتقل کرتے تھے اور جب کوئی موضوع منتخب کرلیتے تو تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے لکھتے تھے۔ موزوں الفاظ اور قوتِ حافظہ دونوں صلاحیتیں انہیں ودیعت ہوئی تھیں۔ آپ کو حوالہ کی کتاب مصنف کا نام 'مؤرخ کا نصب اور راوی کا قبیلہ تک ٹھیک ٹھیک یاد ہوتا تھا۔ تاریخ ہو یا سوانح یا فکری ونظریاتی مباحث وہ صرف حق کی تلاش میں رہتے اور پورے اعتماد اور علمی استدلال سے حقیقت بیان کردیتے تھے۔

مولانا عبدالقدوس ہاشمی ابتدا سے اتحاد عالم اسلامی کے علمبردار تھے۔ موتمرِ عالم اسلامی سے آپ کا گہرا رشتہ تھا۔ مفتی اعظم فلسطین اور عالم اسلام کے دیگر بڑے قائدین سے آپ کے براہ راست تعلقات تھے۔ مولانا آخر تک موتمرِ عالم اسلامی کے ڈائریکٹر رہے۔ پاکستان میں جب مرکزی ادارہ تحقیقاتِ اسلامی قائم ہوا تو اس کتب خانے کی ترتیب وتنظیم کی خدمت بھی مولانا ہاشمی کے سپرد ہوئی۔ اس ادارے میں آپ کی حیثیت بطور ''لائبریری کیٹلاگر اینڈ ریسرچ گائیڈ' کی تھی۔ وہ اس عہدے پر سالہا سال فائز رہے۔ آپ نے ۱۹۵۱ء میں ہی مضامین لکھ کر علمائے دین اور اربابِ قوانین کو متوجہ کیا تھا کہ اس نئی اسلامی مملکت میں سب سے اہم کام فقہ اسلامی کی تدوینِ جدید ہے۔ عرصہ دراز کے بعد سعودی عرب کی حکومت نے فقہ اسلامی کی بنیاد مکہ مکرمہ میں رکھی تو عالم اسلام کے ڈھائی سو علماء ومفکرین میں سے ۲۰ کا انتخاب عمل میں آیا۔ جن میں پاکستان سے مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی اور بھارت سے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی شامل تھے۔

میرے شیخ میرے محترم

مجھے قلم تھامے کئی گھنٹے ہو چکے ہیں مگر ایک حرف بھی نہیں ٹپکا۔ شاید سارے الفاظ اور مطالب آنسوؤں میں بہہ نکلے ہیں۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ انسان روتا کیوں ہے وہ اپنی بات زبان سے بیان کیوں نہیں کر دیتا۔ مگر اب معلوم ہوا کہ لفظ تو جذبات کا ساتھ دیتے ہیں۔ حال دل سناتے ہی نہیں۔ گہرائیوں میں اترتے ہی نہیں بلکہ نازک لمحوں میں وہ حجاب مدعا اور نقابِ نگاہ بن جاتے ہیں۔

میرے چاروں طرف الفاظ بکھرے ہوئے ہیں۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اس ہنگامے میں قلم ٹھہر گیا' منجمد ہوگیا' کون جانے کیا سوچ رہا ہوں' غم کی دبیز تہوں سے ایک ننھی سی روشنی ابھری اور پھر یہ روشنی پھیلتی چلی گئی اور ایک طویل کہانی آنسوؤں کی زبانی ایک ہوگئی۔ صاف اور شفاف سرچشمہ ہر نوع کی آلائشوں سے پاک فراز دل سے اٹڈا ہے۔ اور چپکے چپکے بہتا چلا جا رہا ہے۔ چاہت کی پہلی منزل ہو یا آخری آنسوؤں کے بغیر سر نہیں ہوتی اور پھر ایک مقام یہ بھی آتا ہے' آتش عشق تو روشنی ہے' حرارت ہے' زندگی ہے اور عظیم تر زندگی کے لئے جذبہ سرفروشی' وہی جذبہ سرد پڑ گیا تو پھر جینے کے لئے کیا رہا پھر یہ جہانِ رنگ و بو کس کام کا۔

ان سے اپنائیت کا شعور بے کراں ہے نہ بے پایاں ہے۔ اور یہی قصہ دل و جاں ہے۔ میں نے آج تک کسی غیر سیاسی شخصیت کے ملاقاتی اس قدر نہیں دیکھے۔ ملاقاتی جاں نثار' جن کے سینوں میں اس قدر ان سے کچھ پانے کا اضطراب' جن میں اسی قدر عقیدت کا ارتباط' ان کے پاس کوئی حاجت مند آ جائے تو دل کی گہرائیوں سے اس کے لئے صدائیں اٹھتی ہیں۔ خدا کی رضا ہی ان کی زندگی کا حصول اور مقصد ٹھہرا ہے۔ میں نے دیکھا ان کی دعاؤں اور صداؤں میں ذرہ برابر

بھی تصنع اور دکھاوا نہیں۔ مشتاقانِ جمال میلوں کی مسافت طے کر کے ان کی محبت کے سائے میں چند لمحے بیٹھنے کے لئے آتے ہیں۔ اپنے احباب کو دکھ میں دیکھتے ہیں تو اندوہ و ملال میں خود بے چین ہو جاتے ہیں۔ مگر چند لمحے ان کے پاس بیٹھنے کے بعد ملاقاتی کا عزم اور خلوص قابل دید ہوتا ہے۔ حالات نے ان کی جبینِ شوق بار بار چومی اور جذبوں نے بلائیں لیں۔ روح و دل کے اس عظیم الشان حکمران میں بناوٹ کی گنجائش کہاں ہے۔ ان کے ملنے والے تو ایسے ہیں جن کو جاہ و منصب سے زیادہ ایک اعلیٰ و ارفع مقصد سے تعلق ہوتا ہے جو رنگ و نسل، برادریوں اور علاقوں کی کوئی تمیز نہیں کرتے۔ انسان کو کردار اور اخلاق کے پیمانے سے ناپتے ہیں۔ سید عہدوں اور پیسوں سے ہمیشہ بے نیاز رہے سخت سے سخت حالات میں نوجوانوں کی ڈھال بنے۔

سید عبدالمتین ہاشمی کے کردار میں مقناطیسی کشش نے ثابت اور واضح کر دیا ہے کہ یہ فرزندِ رسول ہاشمی دلوں پر حکومت کرنے والا، گردنوں پر سوار ہونے والوں سے بالکل مختلف ہے۔ ہر روز انہیں سلام کرنے دل کے قافلے آتے ہیں۔ ان کی سوچ فکر جس درجہ مربوط اور ہمہ گیر ہے ان کے پیرائیہ بیان میں جو سحر ہے خدا جانے کتنے گھروں میں اسلام کی روشنی ان کی وجہ سے پہنچ رہی ہے۔ اللہ کی وحدانیت کے اس قدر قائل کہ دوستوں کو شخصیتوں سے منسلک ہونے کی بجائے اصولوں پر چلنے کا درس دیتے ہیں۔ پریشان حال اپنی دکھ بھری داستانیں ان کے پاس لے کر آتے ہیں وہ ٹوٹے دلوں اور تھکے ماندے ذہنوں کو ایمان کے تقاضے سمجھاتے ہیں اور خدا کی وحدانیت پر طرح طرح کی وفاداریاں قربان کرنے کی تربیت دیتے ہیں۔ وہ جسے سچائی کے پیکر میں ڈھال دیں تو احساس فرض سے اس کی آنکھیں دمک اٹھتی ہیں۔ بے خودی میں ہوشیاری کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔

سید محترم سے میرا تعلق بڑا ہی گہرا اور خاموش ہے۔ مجھے عقیدت بھی ہے اور محبت بھی مگر ان عقیدتوں اور محبتوں سے یکسر مختلف جن کا عام طور پر اظہار ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے لیکچرز میں ایک نیا معیار عطا کیا ہے وہ یہ کہ عقیدت اور محبت میں اندھے نہ ہو جاؤ بلکہ ہر بات کو حق اور سچائی کی کسوٹی پر پرکھو اور شعور سے کام لو۔ وہ بولنے والے کو بڑے صبر سے سنتے ہیں۔ بڑی سنجیدگی اور غور سے آخر میں اپنا نقطہ نظر پیش کر دیتے ہیں دراصل وہ بڑے سلیقے سے تربیت کرتے چلے جاتے ہیں۔

مجھے اس اعتراف میں بڑی خوشی ہو رہی ہے کہ سید محترم کی تربیت کی بدولت میرے اندر سے بہت حد تک گناہ ختم ہوئے۔ میرے دل میں عمل کا شوق پیدا ہوا۔ درمندوں کی مدد کا جذبہ

انگڑائیاں لینے لگا۔ مزاج میں عفوودرگزر کی خفیف سی روشنی ہوئی۔ عقیدت اور حقیقت میں توازن اور اعتدال آیا۔ جب میں اسلام آباد سے ٹرانسفر ہو کر کراچی آیا تو روحانی طور پر لٹا ہوا تھا۔ ماں باپ کی چھاؤں سے بھی محروم تھا۔ اک بھٹکی ہوئی کونج کے مانند تھا۔ کراچی میں سید عبدالمتین ہاشمی سے ملاقات نہ ہوتی تو کیا خبر افکار کے کن جنگلوں میں کتنی ٹھوکریں کھانا پڑتیں۔ انہوں نے حالات کا تجزیہ کرنے کا ذوق عطا کیا۔

پہروں میری الٹی سیدھی باتیں سنیں مجھے میری نامکمل تحقیق پر ٹوکا اور نہ کبھی مجھے لفظوں کی فسوں کاری پر روکا' نہ مجھے میری خامیوں پر شرمندہ کیا' مجھے اپنے ساتھ وہ کھلایا جو خود کھایا۔ آجر اور اجیر کی تمام دیواریں ہٹا دیں۔ میری ذات پر ان کے احسانات اتنے زیادہ ہیں کہ میری عقل شمار کرنے سے قاصر ہے۔

وہ ہر وقت بے چین رہتے ہیں انہیں کبھی کسی بیوہ کی فکر ہوتی ہے اور کبھی کسی یتیم کی' کبھی کسی بیمار کے لئے تڑپتے ہیں تو کبھی کسی حاجت مند کے منتظر رہتے ہیں۔ اللہ کے دین کے لئے سر بکف مجاہدوں کا بھی انہیں خیال رہتا ہے۔ اور قال اللہ وقال رسول ﷺ کا درس دینے والے مدارس کا بھی۔ ان کے مشن میں بے پناہ جان اور توانائی ہے۔ جب کوئی سید محترم کی ذات سے وابستہ ہو گیا تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس درخت سے کبھی نہ جھڑے' کبھی نہ ٹوٹے' وہ ہمیشہ اسی شجر سے وابستہ رہنا چاہتا ہے۔

سید محترم درس نظامی یا کسی اور ادارے کے فارغ التحصیل ہیں نہ کسی دربار کے گدی نشین۔ عہد کے نابغۂ روزگار قلم کار ہیں نہ فن خطابت کے امیر شریعت' وہ ایک سادہ درویش منش دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے جدا ہیں۔ ہواؤں کا رخ دیکھ کر اپنا راستہ نہیں بدلتے' زمانے کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں' انہیں قیادت کا شوق ہے نہ امامت کا۔ نہ ان کی یہ آرزو ہے کہ تاریخ میں ان کا نام ایک نئے دبستانِ فکر کے سالار کی حیثیت سے زندہ رہے۔ بلکہ وہ تو اپنے رب کی نگاہ میں محض اس کے لطف و کرم سے سرخرو ہونا چاہتے ہیں۔ سید صاحب رسوم و رواج اور الائشوں سے پاک اسلام کے داعی ہیں۔ قدیم اور جدید جہالتوں سے کوسوں دور۔ نوجوانوں میں امید' یقین اور عمل کی صلاحیتیں بیدار کر دینے کی سعی کرنے والے۔

لڑکپن میں رسول ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ حضرت گیسو دراز بندہ نواز کے خاندان کی

ایک پاکیزہ سیدہ سے عرب کے دُرِیتیم کی کہانیاں سنیں۔ جس نے مادی آسائشوں کے لئے امریکا اور یورپ کو قبلہ نہیں بنایا بلکہ خاک مکہ و مدینہ جس کی پُررونق آنکھوں کا اثاثہ ہے۔ ان کی باتیں واعظ کی سی نہیں بلکہ تجربات کی کوثر و تسنیم میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہیں۔ وہ اس فلسفے کے قائل ہیں کہ آپ کے ہاتھوں میں جو دولت ہے اس میں غربا' مساکین اور حاجت مندوں کا بھی حصہ ہے۔ غریبوں پر اپنی دولت خرچ نہ کرنا ان کے نزدیک گناہ ہے۔ نہ وہ پیسوں کا حساب رکھتے ہیں' نہ مقروض کو یاد رکھتے ہیں۔ وہ صرف اپنے فرض سے غافل ہونے کو کامل شعور کے ساتھ کبیرہ گناہ تصور کرتے ہیں۔

سید محترم نے گزشتہ 55 برسوں میں سیکڑوں لوگوں پر احسان عظیم کیا کہ انہیں شکست خوردہ ذہنیت سے بڑی حد تک نجات دی۔ ان کو غصہ اور طیش بھی غضب کا آتا ہے۔ لیکن چند لمحوں بعد پھر جمال طاری ہو جاتا ہے۔ وہ دل میں کینہ اور بغض رکھنا ہی نہیں جانتے۔ ان کا سینہ اور ظرف سمندر سے بھی زیادہ وسیع ہے کہ ہزاروں راز تہہ خاک سلا دیئے ہیں حتیٰ کہ اپنی رفیق حیات کو بھی کبھی خبر نہیں لگنے دی' پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ کتنے گھر ان کی دعاؤں اور مصلحانہ کوششوں سے آباد ہیں۔ کتنے ہی ایسے گھر ہیں جن کے کچے آنگنوں کے چولہوں سے دھواں ان کے دم قدم سے اٹھتا ہے' ان کی تنقید' جامع' مدلل اور سائنٹیفک ہوتی ہے کہ دوسری طرف سے اس کا معقول جواب کم ہی بن پڑتا ہے۔ ان کی تقریر کے بعد لوگ روحانیت اور اخلاقیات کی پیاس شدت سے محسوس کرتے ہیں۔

مجھے اکثر دعوتیں اور تحائف دیتے ہیں۔ مجھے نہ دعوتوں کا شوق ہے اور نہ تحائف کا لیکن پھر بھی سید محترم کی طرف نگاہیں منتظر رہتی ہیں ان سے کھانے کی کوئی چیز اس نیت سے لیتا ہوں کہ میں نے اپنے بداعمالیوں کی بدولت اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر لی ہے شاید' سید محترم کے رزق حلال پیٹ میں جانے سے عبادت کا شوق پیدا ہوا اور یوں آخرت بنے۔ سید صاحب مجھے جو تحائف دیتے ہیں میں وہ اکثر احباب کو ہدیہ کر دیتا ہوں اس نیت سے کہ یہ ہدیہ پاک مال سے آیا ہے اور روز قیامت میرے لئے اجر و ثواب کا باعث ہوگا۔ ان کا بس چلے تو ساری دنیا کے خزانے غریبوں کے قدموں میں ڈھیر کر دیں۔

موت سے غافل نہیں ہوتے' فرائض سے غافل نہیں ہوتے' دوسرے کی ضرورتوں سے

غافل نہیں ہوتے، جن سے کچھ لینا ہو تو غافل ہو جاتے ہیں۔

مرشد سائیں کی محبت میں معصیت کا احساس جس قدر شدید ہوتا ہے اچھے اور نیک انسانوں سے محبت اور عقیدت اسی قدر دو چند ہو جاتی ہے۔ مجھے اپنی زندگی کے ضائع ہو جانے کا بے حد قلق ہے اور اتنی ہی خوشی سید بادشاہ کے ملنے کی ہے بس اسی سے سچی عقیدت کا سر چشمہ پھوٹتا ہے۔ اور میں بعض اوقات تنہائیوں میں اپنی خوش بختی پر ناز کرتا ہوں کہ مجھے سید محترم کی محبت ملی۔

سید نے اپنی جوانی، اپنی صلاحیتیں، اپنی توانائیاں لوگوں کی مدد میں صرف کر دیں۔ ان کا اپنا کچھ نہیں، ان کا سب کچھ بس یہی بے لوث افراد ہیں۔ ان کے تربیت یافتہ معاشرے کا حسن ہیں کہ ان کے اندر اخلاص کا جوہر چمکتا ہے۔ آپ بہت ہی صابر، صاحب نظر، صاحب کمال اور قانع شخص ہیں۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت ان کو ضرور اجر دے گا۔ میری ان سے روز ملاقات ہوتی ہے۔ ہر بار خوشی کا نیا احساس لے کر اٹھتا ہوں۔ ان کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں مگر میرے دل کے دروازے گناہوں کی وجہ سے بند ہیں۔ ان سے ملتا ہوں تو مجھے اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کا شدید احساس ہوتا ہے۔ اکثر سوچتا ہوں کہ مجھے سید کے ہاتھ نہیں چھونے چاہئیں۔ کئی بار چاہا کہ ان کے ہاتھ چوم لوں مگر ہر بار حیا مانع رہی۔ مجھے جب احساس ہوتا ہے کہ کتنے بڑے انسان کے سامنے کھڑا ہوں تو ان کی طرف سے شفقت اور محبت کے پے در پے اظہار کے باوجود اپنے اندر لرزش سی محسوس کرتا ہوں۔ شاید اسی کا نام عقیدت ومحبت ہے۔ خدا نے انہیں نظر جوہر شناس عطا کی ہے۔ سنجیدگی اور متانت کے ساتھ ساتھ ان کی طبیعت میں انتہائی شگفتگی بھی ہے۔ گفتگو کے دوران اچانک غیر متوقع طور پر کوئی ایسا جملہ کہہ دیتے ہیں کہ ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ کے پھول کھل اٹھتے ہیں اور شگفتگی کا یہ تاثر تا دیر قائم رہتا ہے۔

گو سید محترم جلالی طبیعت کے مالک ہیں لیکن ان کی ایک بڑی خوبی تحمل اور قوت برداشت بھی ہے۔ بعض اوقات جب عام لوگ اچھے خاصے بردبار غصے سے بے قابو ہو جاتے ہیں یا معمولی سی تکلیف پر اضطراب کا مظاہرہ کرتے ہیں مگر ایسے لمحوں میں ان کا دماغ قابو میں رہتا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ ان کا غصہ اکثر مصنوعی ہوتا ہے۔ وہ صرف مخاطب اور مسلک کے لوگ آتے ہیں لیکن ان کا عقیدہ وہی ہے جو حضرات صحابہؓ کا تھا۔ ان کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ دو انتہاؤں کے درمیان اس مقام پر کھڑے ہیں جسے مرکز اتحاد کہا جا سکتا ہے، ان کی گفتگو اور

تقریر میں بلا کی قوت استدلال ہوتی ہے، آپ علمیت کا سکہ بٹھانے کے لئے بھاری بھرکم الفاظ استعمال نہیں کرتے الفاظ کی سادگی کے باعث ایک ایک جملہ سامعین کے دل میں گھر کر لیتا ہے۔ ان کے بارے میں کچھ لکھتے ہوئے میری کیفیت اقبال کے اس شعر کی سی ہے۔

خضر کیونکر بتائے کیا بتائے
اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے

اور جب کہنے والا خضر بھی نہ ہو اور معاملہ دریا سے نہیں سمندر سے ہو پھر قلب و ذہن کی جو صورت حال ہوسکتی ہے اس کا آسانی کے ساتھ آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ ان کی مجالس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تنقید میں نرمی غالب ہوتی ہے۔ ہمارے اکثر مذہبی اکابرین مرض کی تشخیص تو کرتے ہیں لیکن علاج نہیں کرتے۔ جبکہ سید صاحب کے ہاں معاملہ بالکل مختلف ہے وہ مسائل کا آسان حل بھی بتاتے ہیں اور اگر مسئلے کا حل ان کے اپنے اختیار میں ہو تو حل کرنے میں بالکل تامل نہیں کرتے۔

شرک و بدعت سے انہیں چڑ ہے، شرک و بدعت کو لایعنی اور بے معنی تصور کرتے ہیں۔ ان کے اخلاق و کردار، اعمال، سوچ و فکر میں ان کے والد محترم سید عبدالقدوس ہاشمیؒ کا عکس نظر آتا ہے۔ خدا نے 70 سالہ اس جواں فکر سرخیل روحانیت کا حافظہ بھی نسیان کے جھگڑوں سے بڑی حد تک محفوظ رکھا ہے۔ ان کی گفتگو اللہ سے شروع ہوتی ہے اور اس کا اختتام بھی اللہ پاک کی ذات پر ہوتا ہے۔ مجھے اکثر ان کے سامنے اپنی نالائقیاں بیان کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ میں اپنے آگے کسی کو کچھ نہ سمجھتا تھا۔ ایک مرتبہ جذبات کے عالم میں اپنے استاد محترم محدث کبیر حضرت مولانا محمد عبداللہ احمد پوری اور والد صاحب کی تعریف کچھ زیادہ ہی کر گیا۔ کئی دن بعد انہوں نے بڑے تحمل اور محبت سے سمجھایا کہ محبت میں مبالغہ آمیزی سے محبت کی روح متاثر ہو جاتی ہے۔ اگرچہ سید صاحب شاعر نہیں لیکن شعر و سخن ان کی ذات کا حصہ ہیں موقع محل کے مطابق خوبصورت اشعار سناتے رہتے ہیں۔ بے حد سادگی پسند ہیں۔ قناعت ان کے مزاج میں اس درجہ بسی ہوئی ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ کسی کا روحانی مسئلہ ان کے ذریعے حل ہو جائے تو ستائش اور صلے کی پروا نہیں کرتے۔ میں نے انہیں اپنی ذات کے لئے کبھی پریشان ہوتے نہیں دیکھا۔

سید متین ہاشمی نے اپنی زندگی کا سفر بے ساختگی سے طے کیا، انہوں نے اس سفر کے لئے کوئی

منصوبہ نہیں بنایا اور نہ پہلے سے طے شدہ راستوں پر چلے۔ زندہ لوگوں کے درمیان انہوں نے اپنے اعصاب کو انتہائی مضبوط اور توانا رکھا۔ ان کی باتیں نفیس انداز کی ہوتی ہیں، اعلیٰ پائے کا سلیقہ، نشست و برخاست، ساری عمر سچائی کے پرستار رہے ہیں۔

خدا جانے سید محترم نے سلوک و ارشاد کی منازل کہاں اور کیسے طے کیں مجھے اس کا کچھ اندازہ نہیں لیکن ان کے روحانی مرتبے کو بالکل قریب سے دیکھا ہے۔ وہ ناقابل تسخیر اور ناقابل شکست ہیں۔ انہوں نے کبھی ہمت نہیں ہاری، بعض احباب تو ان کے پاس ۲۰، ۲۰ سال سے زیر تربیت ہیں، جن اصولوں اور ضابطوں کو والد محترم سے ورثہ میں حاصل کیا شروع ہی سے اس پر کاربند ہیں۔ ہتھیار ڈالنے اور ہتھیار اٹھانے سے واقف ہی نہیں۔ وہ خالی ہاتھ پاکستان آئے دولت کمائی زیادہ ضرورت مندوں پر خرچ کر دی۔

وہ ایڈورٹائزر بھی ہیں اور روحانی طبیب بھی۔ ان کا شمار صحافیوں میں کیا جا سکتا ہے۔ گزشتہ ۲۰ سال سے ان کی زیر ادارت ''مارکیٹنگ ریویو'' شائع ہو رہا ہے۔ مشکل سے مشکل حالات میں استقامت کے پہاڑ ہیں۔ مقامی بھی ہیں، مہاجر بھی، سب سے بڑھ کر مسلمان پاکستانی۔ ہر طرح کے جماعتی اور گروہی تعصب سے پاک، لالچ اور ہوس سے نا آشنا۔ ان جیسی شخصیات ہمارے درمیان بہت کم ہی نہیں بلکہ نایاب ہو کر رہ گئی ہیں۔

سب کو روکنے والے، سب کو ٹوکنے والے، سب کے مفاد میں سوچنے والے، سب کو اپنا سمجھتے ہیں۔ ایمان اور عقیدے کے معاملے میں پہاڑوں کی طرح اٹل اور ان کے دامن میں بہنے والے دریاؤں کی طرح شفاف، جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ نظم اور فرض شناسی میں ڈھلا ہوا ہے۔ وہ جن مقاصد کے لئے خود کو وقف کیے ہوئے ہیں ان کے لئے ہر لحظہ گرم دم جستجو رہتے ہیں۔ اعلی اخلاقی اور تہذیبی وضعداری کا پرکشش مجسمہ۔ ان کی عظمت میں دینداری، نیکی اور ایثار کیشی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، پاکستان خالی ہاتھ آئے لیکن ثابت کر دکھایا کہ بے سروسامانی میں بھی پرعزم شخص اپنی دنیا آباد کر سکتا ہے، کٹھن حالات میں بھی دینی روایات کی حفاظت کی جا سکتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

سید محترم کی کثیر الجہت شخصیت کے بارے میں کچھ کہنا مہذب انسانوں کی معاشرتی سرگرمیوں کی جتنی بھی جہات ہو سکتی ہیں، ان سب کو احاطہ تحریر میں لانے کے مترادف ہے اور ظاہر

ہے سید صاحب ایک شخص، صرف ایک ذات، صرف ایک فرد ہیں مگر مشکل تو یہ ہے کہ ان کی صرف دو یا دس سرگرمیوں کا ذکر کیجئے تو ان کی بیسیوں دوسری سرگرمیاں تشنہ توجہ رہ جاتی ہیں اور یوں اس ایک فرد کے پھیلاؤ کا سمیٹنا کم سے کم میرے لئے نہایت دشوار ہے۔ آپ اپنی ذات میں ایک ادارہ ہیں۔ ایک وسیع اور بھرپور ادارے کے خدوخال کو چند سطور میں بیان کرنے کے لئے دانش وحکمت کی جو قوتیں درکار ہوتی ہیں، میرے خیال کے مطابق مجھ میں کماحقہٗ موجود نہیں ہیں۔

اسلام اور پاکستان سے محبت ان کے جسم میں خون کی طرح رواں دواں ہے۔ چند روپوں سے اورینٹ ایڈورٹائزنگ ایجنسی کا آغاز کیا۔ بعد میں ان کے چھوٹے بھائی ایس ایچ ہاشمی نے اسے پاکستان کا سب سے بڑا تشہیری ادارہ بنادیا۔ کیونکہ عمارت کی بنیاد اخلاص کے ساتھ رکھی گئی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ انسانوں سے محبت نے سید ہاشمی کے جسم میں تجسیم پائی ہے۔

ان کی دعاؤں کی برکت سے ان کے بھائی ایس ایچ ہاشمی کو کامرانیوں پر کامرانیاں عطا ہوئیں۔ قدم قدم پر انہیں ہر خواب کی تعبیر ملی اور پھر ایس ایچ ہاشمی نے اشتہاریات کی دنیا میں نصف صدی سے جدت کا ایسا آفتاب روشن کر رکھا ہے جو غروب ہونا جانتا ہی نہیں۔

اسلام کے ساتھ محبت اور گہری وابستگی نے انہیں ہر آن جوان اور تازہ دم رکھا ہوا ہے کہ وہ تعمیر سیرت کا کام کرتے ہوئے ذرا نہیں تھکتے، یوں محسوس ہتا ہے کہ اندر ہی اندر ایک آگ سی لگی ہوئی ہے جو انہیں کسی لمحے چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔

سید ہاشمی برسوں سے ہمارے درمیان ہیں، خاک کا پتلا، ہماری طرح سانس لینے والے ان کے بھی دو ہاتھ ہیں، دو آنکھیں ہیں، ایک دل ہے، ایک دماغ ہے، ہم سب کی طرح نظر آنے والے، مگر ہم سب سے مختلف۔ وہ اپنی مثال آپ ہیں، اپنی خواب آپ ہیں، اپنا جواب آپ ہیں۔

سید ہاشمی کتاب کے آدمی ہیں لیکن کتابی نہیں۔ حساب کے آدمی ہیں، لیکن حسابی نہیں۔ وہ لفظوں کے آدمی ہیں لیکن لفاظی نہیں کرتے۔ پیر روم کی محبت میں رہنے والے اور رازی کی طرح نکتہ وروں کے رازوں سے لطف اندوز ہونے والے۔ میرے شیخ میرے محترم...... سید عبدالمتین ہاشمی۔

اورینٹ ایڈورٹائزنگ:۔ خدمت وعظمت کے پچاس سال (نصف صدی سے صنعت وتجارت کے شانہ بشانہ)

حدیثِ قدسی ہے۔

ترجمہ:۔ (میں ایک چھپا خزانہ تھا' پھر میں نے چاہا میں پہچانا جاؤں)

میرے رب نے یہ چاہا' کُن کہا اور اس کے نور کے ریزوں سے کائنات تخلیق ہوگئی۔ خدا کی صفات کا عکس مختلف چیزوں میں نظر آنے لگا۔ زمین اناج تقسیم کرنے لگی۔ درخت سایہ بانٹنے لگے۔ بادلوں نے پانی برسانا شروع کیا۔ سورج چاند ستارے روشنی کے مسکن بن گئے۔ پہاڑوں نے رہائش کے لئے غاریں پیدا کر دیں۔ انسان نے رحم' جلال اور تخلیق کی صفات اپنا لیں اور پھر جو کچھ اس نے دیکھا' جس چیز کی کمی محسوس کی۔ اسے تخلیق کرنے کی دھن میں مگن ہوگیا۔ اور جب کسی تخلیق کو کامل پایا تو چاہا اسے دوسرے بھی پہچانیں۔

کئی قسم کی آواز کے ذریعے لوگوں کو متوجہ کیا گیا اور ان کی معلومات میں اضافے کے لئے بتایا گیا کہ یہ کیا ہے اور اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ گویا ایڈورٹائزنگ انسان کی جبلت میں شامل تھی اور یہ طریقہ ایڈورٹائزنگ کی ابتدائی شکل بنا۔ رفتہ رفتہ انسان غاروں سے مکانوں میں منتقل ہوا۔ جنگلوں کی جگہ آبادیاں نمودار ہونے لگیں۔ گول پتھر کے لڑھکنے نے پہیے کا تصور اجاگر کیا اور زندگی تیز رفتار ہوگئی۔ لوگ دور دور جا کر بسنے لگے۔ دوریوں نے نزدیکیوں کی اہمیت سے روشناس کیا۔ ایک جگہ تخلیق ہونے والی چیز کی خبر دوسری جگہ تک پہنچانے کا اہتمام کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ وقت کی تیز رفتاری کا ساتھ دینے کے لئے زندگی تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔ کاغذ بنا۔ بجلی دریافت ہوئی۔ محاورہ ہے ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ ضروریات بڑھنے کے ساتھ ساتھ نت نئی تخلیقات کا عمل لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتا چلا گیا۔ اب ضرورت تھی کسی ایسے شعبے کی جو ان تخلیقات کی نوعیت اور اہمیت سے دور دور بکھرے ہوئے انسانوں کو آگاہ کرنے کا ذریعہ بنے۔ ابتدا میں قاصد کے ذریعے کاغذ کی ایجاد کے بعد تحریر کے ذریعے' نوٹنکی میں ڈائیلاگ کے ذریعے اور پھر الیکٹرونک میڈیا کی قابلِ قدر ترقی کے ساتھ ساتھ پہلے ہوا کے دوش پر اور پھر گفتگو کرتی ہوئی تصویروں کے ذریعے ایڈورٹائزنگ کو فروغ حاصل ہوا۔

امریکا کے والنی پامر کا نام ایڈورٹائزنگ کی دنیا میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا کیونکہ وہی پہلا شخص تھا جس نے ۱۸۴۰ء میں میڈیا اور مشتہرین کے درمیان ''مڈل مین'' کے کام کا آغاز کیا۔ اسی زمانے میں فلاڈیلفیا (امریکا) کے جارج پی راول نے ''اسپیس بکنگ'' کا طریقہ رائج کیا۔ وہ

اخبار میں جگہ (اسپیس) خرید لیتا اور پھر اس کے چھوٹے چھوٹے بلاکس مشتہرین کو فروخت کر دیتا تھا اور یوں ‘اشتہاری ایجنسی’ کا تصور اپنے ابتدائی خدوخال کے ساتھ وجود میں آیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اشتہاری صنعت میں بھی ترقی اور تبدیلیاں آتی گئیں۔ خصوصاً صنعتی انقلاب کے بعد جب اشیاء کی تعداد اور پیداوار میں اضافہ ہونے لگا تو اشتہاری صنعت کو بھی سہارا ملا۔

اشتہاری صنعت اپنی اہمیت‘ ضرورت اور کاروباری تقاضوں کی وجہ سے مختلف شعبوں میں بٹتی اور پھیلتی چلی گئی۔ ۱۹۵۰ء میں ایک اور انقلابی تبدیلی آئی جس کا سہرا بھی جارج راول کے سر رہا۔ اس نے ایک ڈائریکٹری شائع کی جس میں تمام اخبارات کے ریٹ کارڈ (اشتہاری نرخنامہ) اور سرکولیشن کی تعداد کا اندراج تھا۔ اس سے قبل ہر اخبار اپنی سرکولیشن کو صیغہ راز میں رکھتا اور اشتہارات کے من مانے نرخ وصول کرتا تھا۔ ۱۸۴۱ء میں امریکا کی پہلی ”اشتہاری ایجنسی“ کا خالق بھی والنی بی پامر تھا۔ پھر جیسے جیسے اقتصادی و صنعتی ترقی کی رفتار میں اضافہ ہوتا چلا گیا فنِ تشہیر کا دائرہ کار بھی وسیع تر ہوتا چلا گیا۔

14 اگست 1947ء کو مملکتِ پاکستان معرض وجود میں آئی۔ عجیب بات ہے کہ جو علاقے پاکستان میں شامل کیے گئے ان میں کوئی قابلِ ذکر صنعت موجود نہیں تھی۔ صنعت کے علاوہ پاکستان ایک اور شعبے میں بھی سادہ کاغذ کی طرح تھا اور وہ شعبہ ایڈورٹائزنگ کا تھا۔ پاکستان کے دونوں حصوں میں ایک بھی ایڈورٹائزنگ ایجنسی موجود نہیں تھی اگرچہ اخبارات میں اشتہارات چھپتے تھے۔ دنیا کے نقشے پر پاکستان کا نمودار ہونا اور پاکستان میں ایڈورٹائزنگ کے پیشے کی ابتدا ایک ساتھ ہی ہوئی تھی۔ دونوں جڑواں بچوں کی طرح وجود میں آئے ہیں۔ پاکستان میں غیر ملکی مصنوعات کی جو بھی تشہیر ہوتی وہ یا تو بھارتی ایجنسیوں کی طرف سے کی جاتی تھی یا پھر غیر ملکی کمپنیاں اس کا انتظام کیا کرتی تھیں۔ پاکستان میں اشتہاریات کا آغاز بڑے غیر یقینی حالات میں ہوا۔ قیام پاکستان کے وقت ملک میں زیادہ تر غیر ملکی اشتہاری ایجنسیاں کام کر رہی تھیں جن میں جے والٹر تھامسن‘ ڈی جے کیمر‘ کرافورڈ نٹاس سرفہرست تھیں۔ پاکستان کی اپنی کوئی تشہیری کمپنی نہیں تھی۔ ہماری اقتصادی اور صنعتی ترقی کی صورت حال بھی غیر تسلی بخش تھی اسی وجہ سے تشہیر کا عمل بھی بڑی سست رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اکتوبر 1947ء میں پاکستان میں اشتہاریات کی بنیاد پڑی اور پہلی ایجنسی کا نام ”نیشنل ایڈورٹائزنگ“ رکھا گیا جو بعد میں تبدیل کر کے نیشنل

ایڈورٹائزرز کر دیا گیا۔ پاکستان کے ابتدائی دنوں میں اخبارات ہی تشہیر کا واحد ذریعہ تھے جسے اشیا کے استعمال کی تشہیر کے لئے کام میں لایا جاتا تھا اور تشہیر کا دوسرا بڑا ذریعہ سینما گھر تھے۔ جہاں اشتہاروں کی سلائیڈیں چلائی جاتی تھیں یا اشتہارات کے بورڈ لگائے جاتے تھے۔

پچاس کی دہائی میں ایڈورٹائزنگ نے انقلابی راستہ اختیار کیا۔ اشتہارات میں جدت آئی اور اشتہارات کا زندگی میں اس حد تک عمل دخل ہو گیا کہ لوگوں کو بہت سی باتیں محض اشتہارات سے ہی معلوم ہوتی تھیں اس کی بنیادی وجہ اس شعبے میں ایسی شخصیت آئی جس نے ایڈورٹائزنگ کو جدید خطوط پر استوار کیا اور مغربی اشتہاریاتی ایجنسیوں کے سالہا سال کے تجربے سے فائدہ اٹھایا۔ ایڈورٹائزنگ کے سالار کارواں ایس ایچ ہاشمی کے نامِ نامی سے کون واقف نہیں جن کے بڑے بھائی سید عبدالمتین ہاشمی نے 27 اکتوبر 1953ء کو ہارون چیمبرز نیو چالی کراچی کے ایک چھوٹے سے کمرے میں اورینٹ ایڈورٹائزنگ کی بنیاد رکھی۔ اس ایجنسی نے اپنی سروسز کا آغاز صرف دو کارکنوں جن میں ایک پارٹ ٹائم آرٹسٹ تھا سے کیا۔ پچاس ہی کی دہائی میں اپنے کام میں مہارت، پیشے سے لگن، مارکیٹنگ کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں، فنون لطیفہ سے واقفیت، مصنوعات کے متعلق معلومات، میڈیا کی منصوبہ بندی، انتظام کی صلاحیت اور صارفین کی نفسیات کے متعلق سوجھ بوجھ جیسے نکات کی بدولت اورینٹ کاروباری لحاظ سے اپنے ہم عصروں میں ممتاز حیثیت حاصل کر گئی۔ 1961ء اورینٹ کی تاریخ میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا اسی سال سید عبدالمتین ہاشمی اورینٹ ایڈورٹائزنگ اپنے منجھلے بھائی ایس ایچ ہاشمی کے سپرد کر کے اسلامی اقدار اور تعلیمات کے فروغ میں مصروفِ عمل ہو گئے۔ ایس ایچ ہاشمی نے اورینٹ کا منیجنگ ڈائریکٹر مقرر ہونے کے بعد دوررس نتائج کے حامل اقدامات کئے جن سے اورینٹ پر روز افزوں ترقی کے دروازے کھلتے گئے۔ اورینٹ کی شاخیں ڈھاکہ (1962) چاٹگام (1964) لاہور (1964) اسلام آباد (1967) کوئٹہ (1975) اور پشاور (1976) میں قائم ہوئیں۔

اورینٹ ایڈورٹائزنگ نے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے لائق اور باصلاحیت افراد کو اپنی ٹیم میں شامل کیا۔ اشتہاریات کا کام کرنے والی نئی نسل جو اشتہاریات کے نفسیاتی رویوں اور پیچیدہ معاشرے کی ضروریات پر پورا اتری اور یوں اورینٹ کی بدولت پاکستان میں ایڈورٹائزنگ کا پیشہ نہایت فیش ایبل، قابل قدر اور پرکشش بنا۔ پاکستان کے بڑے بڑے فنکار،

گلوکار، میوزیشن، ماڈل کسی نہ کسی صورت میں اورینٹ سے وابستہ رہے یا اپنے فنی سفر کا آغاز اورینٹ ایڈورٹائزنگ سے کیا۔ اورینٹ ایڈورٹائزنگ کو پاکستان میں یہ اعزاز حاصل ہے اس نے اشتہاریات کے شعبے میں یہ تصور دیا کہ اس فیلڈ میں کام کرنے والوں کا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور شہری زندگی کے پس منظر کو جاننا بہت ضروری ہے۔ گزشتہ پچاس برسوں میں فارن کوالیفائیڈ افراد سب سے زیادہ اس ادارے کو میسر رہے ہیں۔ اورینٹ نے اس پیشے میں نوواردوں کو اشتہاریات کے مختلف شعبوں کے بارے میں فنی معلومات مہیا کیں اور انہیں ملازمت کے دوران تربیت دی، ریڈیو، ٹی وی کمرشل سروس شروع کرنے کے بعد اشتہاریات کے احاطہ کار میں بڑی تیزی سے اضافہ کیا یوں الیکٹرونک میڈیا نہ صرف اپنے مؤثر اور فوری نتائج کے اعتبار سے اہم بلکہ اشتہاریات کی حدود کو کئی اہم شعبوں تک وسیع کر دیا۔ ایڈورٹائزنگ کے پیشے میں اورینٹ نے کچھ ایسے رجحانات متعارف کرائے کہ بعد میں آنے والے اسے اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اخبارات کی فائلیں گواہ ہیں کہ سب سے زیادہ مقبول اشتہارات اورینٹ ہی کے شائع ہوئے ہیں اور پاکستان کی تمام ایجنسیوں سے کہیں زیادہ پراسپکٹس اور سپلمنٹ اورینٹ نے نکالے۔

1965ء کی جنگ کے دوران جب ہمارے جیالے سرحدوں پر دادِ شجاعت دے رہے تھے پبلسٹی اور پروپیگنڈا کے محاذ پر اورینٹ اشتہارات کے ذریعے مادرِ وطن کی خدمت میں پیش پیش تھی جب 6 ستمبر 1966ء کو دفاعِ وطن کے عنوان سے پاکستان کے تمام اخبارات نے خصوصی نمبر شائع کئے تو پاکستان کے ایک اخبار میں تقریباً 120 اشتہار شائع ہوئے تھے جن میں اورینٹ کے بنائے ہوئے تقریباً 55 اشتہارات شامل تھے۔ قومی دنوں پر بعض اخبارات میں تو پاکستان کی تمام ایجنسیوں کے مجموعی اشتہارات سے بھی زیادہ صرف اورینٹ کے اشتہارات رہے ہیں۔ ستر کی دہائی میں اورینٹ کے پاس سب سے زیادہ کلائنٹس جن میں ایک سو اہم تجارتی ادارے اور دس بڑے صنعتی گروپ تھے۔ عشرہ اصلاحات (Decade of Reforms) کے دوران اورینٹ نے اتنے سپلیمنٹ نکالے کہ اگلے پچھلے تمام ریکارڈ ٹوٹ گئے۔ ایک اندازے کے مطابق صرف 1968ء کے دوران نکالے گئے سپلیمنٹ تقریباً سات سو اخباری صفحات پر مشتمل تھے۔ جنہیں حکومت پاکستان نے مستقبل کے مؤرخ کے لئے مائیکروفلمز کے ذریعے محفوظ کرایا۔

1971ء کی جنگ کے دوران اورینٹ بھی قوم کے دکھ میں برابر شریک رہی۔ ڈھاکہ اور

چاٹگام میں اس کی دو شاخیں تباہ کر دی گئیں ملک کے دولخت ہونے کا صدمہ اورینٹ کے لئے بھی سخت اذیت ناک تھا لیکن اس سے وابستہ فنکاروں اور قلمکاروں نے اپنے جذبات کا اظہار اپنی پبلسٹی مہم میں اس انداز سے کیا کہ بھارتی حکومت چیخ اٹھی۔ جنگی قیدیوں کی وطن واپسی کے بارے میں اورینٹ کے اثر انگیز اشتہارات بھارت اور لندن کے اخبارات میں Reproduce کئے گئے اور ان پر بھارتی پارلیمنٹ میں بحث بھی ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب تمام جنگی قیدی وطن واپس پہنچ گئے تو پاکستان ٹیلی ویژن کے زیرِ اہتمام ایک خصوصی تقریب منعقد ہوئی جس میں اورینٹ کو اس مؤثر پبلسٹی مہم پر پہلا انعام دیا گیا۔

70ء کی دہائی میں اسلامی سربراہی کانفرنس کا لاہور میں انعقاد بہت بڑا واقعہ تھا قومی اہمیت کے اس تاریخی موقع پر بھی اورینٹ نے اپنا کردار بھرپور انداز میں ادا کیا۔ اس موقع پر شائع ہونے والے خصوصی ضمیموں میں 72 اشتہارات صرف اورینٹ کے تھے۔ اس ریکارڈ کو کوئی دوسری ایجنسی آج تک نہیں توڑ سکی۔ اس طرح 1973ء کے دستور کے نفاذ کے موقع پر بھی خصوصی ضمیمے شائع ہوئے ان میں سب سے زیادہ اشتہارات اورینٹ ہی کے تھے۔ اسی دہائی میں ایک حادثہ بھی پیش آیا جس سے یوں تو تمام ایڈورٹائزنگ ایجنسیاں متاثر ہوئیں لیکن سب سے زیادہ نقصان اورینٹ کا ہوا۔ یہ حادثہ نیشنلائزیشن کی صورت میں نمودار ہوا۔ اورینٹ کے پاس دس بڑے صنعتی گروپ تھے جو تقریباً سب ہی تباہ ہو گئے۔ یہاں صرف ایک مثال کافی ہے۔ ولیکا اورینٹ کا سب سے بڑا کلائنٹ تھا' ولیکا گروپ میں آٹھ یونٹ تھے۔ یہ سب اورینٹ کے پاس تھے۔ نیشنلائزیشن کے بعد تقریباً سب تباہ ہو گئے اورینٹ کے پاس ان کا کام برائے نام رہ گیا۔

پاکستان کی 12 ممتاز شپنگ کمپنیوں میں سے آٹھ کمپنیاں اورینٹ کے پاس تھیں ان کے علاوہ شپ اونرز ایسوسی ایشن کا اکاؤنٹ بھی اورینٹ کے پاس تھا ان سب کا کام ختم ہو گیا۔ پاکستان میں سب سے زیادہ انشورنس کمپنیاں بھی اورینٹ کے پاس تھیں جن کا کام بھی برائے نام رہ گیا لیکن اورینٹ نے ''آہنی اعصاب'' رکھنے والے اپنے مینیجنگ ڈائریکٹر ایس ایچ ہاشمی کی قیادت میں صورتحال کا نہایت صبر و استقلال اور عزم و حوصلے کے ساتھ مقابلہ کیا تمام تر نقصانات کے باوجود حالات کو اپنے موافق کرنے کے لئے سخت جدوجہد کی۔ اورینٹ کی کوششوں سے 1978ء میں پاکستان میں پہلی ایڈورٹائزنگ کانفرنس منعقد ہوئی جس کے ذریعے بہت سی

ایڈورٹائزنگ ایجنسیوں کے فنکاروں اور قلمکاروں کو ایک دوسرے سے ملنے کا موقع ملا اور میڈیا کو پاکستان ایڈورٹائزنگ ایسوسی ایشن کی اہمیت اور متحدہ قوت کا اندازہ ہوا۔ نامساعد حالات کے باوجود اورینٹ نے اپنی ذاتی بلڈنگ خرید لی اور 1976ء میں سندھی مسلم سوسائٹی میں منتقل ہو گئی۔

اورینٹ کو 1981-82ء میں پہلا آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی کا بیسٹ بزنس پرفارمنس ایوارڈ ملا اور تاحال اورینٹ ہی کو مل رہا ہے۔ اسی کی دہائی کے اواخر میں پاکستان کے خوبصورت شہر لاہور میں پہلی ایڈایشیا 89ء منعقد ہوئی جس میں دنیا کے ترقی یافتہ ممالک سمیت ایشیائی ممالک کے تقریباً بارہ سو نمائندے شریک ہوئے۔ اس پروقار تقریب میں اورینٹ کو ایشیا کا سب سے بڑا ''میکس لیوس میموریل چیلنج ایوارڈ'' دیا گیا۔ اسی سال منشیات کے خلاف ''سانپ والی فلم'' پر اورینٹ کو نیویارک میں انٹرنیشنل فلم اینڈ فیسٹیول ایوارڈ دیا گیا۔ اس عالمی مقابلے میں دنیا کے چالیس ممالک کی تقریباً 4000 فلمیں رکھی گئی تھیں۔ اورینٹ کے کمرشل کو چوتھے نمبر پر دنیا کی بہترین فلم قرار دیا گیا۔ ان برسوں میں ایک طرف تو اورینٹ کے نام مسلسل ایوارڈ آرہے تھے اور دوسری جانب اورینٹ سے اہم عہدوں پر فائز افراد ایشیائی اور عالمی ایڈورٹائزنگ کانگریسوں میں شریک ہونے کے لئے دنیا بھر میں جارہے تھے۔ اس حوالے سے جن شہروں میں اورینٹ نے پاکستان کی جانب سے شرکت کی ان میں سنگاپور 80ء، نئی دہلی 82ء، سیول 84ء، بینکاک 86ء، لاہور 89ء، بیجنگ 87ء، منیلا 89ء، سؤپولو 82ء، ٹوکیو 84ء، شکاگو 86ء، سڈنی 88ء، نیویارک 89ء، قاہرہ 87ء، شامل ہیں۔ چنانچہ عالمی تشہیری اداروں کی کارکردگی کو دیکھنے کے بعد اورینٹ کو جدید آلات اور مشینری سے آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف شعبوں کو مکمل طور پر کمپیوٹرائزڈ بھی کر دیا گیا۔ اس وقت نہ صرف بزنس کے اعتبار سے بلکہ ماہرین فن، باصلاحیت تخلیق کاروں اور ایکوپمینٹ کے اعتبار سے بھی اورینٹ پاکستان کی سب سے بڑی ایڈورٹائزنگ ایجنسی ہے۔

پاکستانی ایڈورٹائزنگ میں اورینٹ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے اب تک ہزار سے زائد کلائنٹس پر کام کیا۔ مجموعی طور پر گزشتہ پچاس برسوں میں اورینٹ کے اشتہارات کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ اس وقت اے پی این ایس کے پینل پر 60 ایڈورٹائزنگ ایجنسیاں جبکہ غیر تسلیم شدہ ایجنسیوں کی تعداد 150 کے لگ بھگ ہے۔ پاکستان میں ایڈورٹائزنگ کا بجٹ اس

سال 9849 ملین روپے تھا۔ مجموعی بجٹ کا دس فیصد اورینٹ کے پاس ہے۔ روزانہ تین کروڑ افراد کی نظروں سے اورینٹ کے بنے ہوئے اشتہارات گزرتے ہیں۔ اورینٹ کے ٹی وی کمرشل ملک کی مجموعی شہری آبادی کا 42 فیصد دیہی آبادی کا 18 فیصد کراچی کی 70 فیصد آبادی تک پہنچ رہے ہیں جبکہ پرائیویٹ ٹی وی چینل اس کے علاوہ ہیں۔ اس طرح اورینٹ کے بنے ہوئے ٹی وی اشتہارات دنیا کے 52 ممالک میں دیکھے جاسکتے ہیں حالیہ سروے کے مطابق ریڈیو پاکستان اور ایف ایم کے ذریعے اورینٹ کے اشتہارات ملکی آبادی کا 96 فیصد کور کر رہے ہیں۔ ٹیلی ویژن پر اورینٹ کے 5 ہزار سے زائد کمرشل چل چکے ہیں۔ 1960 اور 1970ء کی دہائی میں سنیما تفریح کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ قومی سطح پر سروے کرنے والے ایک ادارے کے مطابق پاکستان کے سات سو سے زائد سنیما گھروں میں اورینٹ کے اشتہارات چل چکے ہیں۔ جن میں دیکھنے والوں کی سالانہ تعداد 27 ملین ہے۔

اورینٹ ایڈورٹائزنگ نے آؤٹ ڈور ایڈورٹائزنگ میں تخلیق، محنت، لگن اور پیشہ ورانہ مہارت کی بدولت لازوال کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ ایک عام شاہراہ سے لے کر ائرپورٹ تک اورینٹ کے آویزاں اشتہارات آپ کی دل کشی کا باعث بنتے ہیں۔ اورینٹ کی ایک ذیلی شاخ پرائم سائٹ ہے۔ جو پاکستان میں آؤٹ ڈور ایڈورٹائزنگ میں نمبرون ہے۔ جس کا الحاق دنیا کی بڑی اور معروف ایجنسی ''ورٹیگو ٹیکنالوجیز'' کے ساتھ ہے جس کے دفاتر دنیا کے متعدد ملکوں میں ہیں اورینٹ نے دنیا کے بڑے بڑے معروف برانڈز پر بھی کام کیا ہے۔ جن میں کوکا کولا، والز کالینکس، پی ایس او، ریکٹ بنکرز، جیلٹ، سیمنز، سونی، ایچ ایس بی سی، نیسلے کے علاوہ سیکڑوں مقامی کلائنٹس پر بھی اورینٹ نے کام کیا بعض برانڈ تو ایسے ہیں جنہیں اورینٹ کی وجہ سے ملک گیر شہرت ملی ان میں نورس، ڈنٹونک، پاک سوزوکی، سروس شوز، میٹرولمن اگربتی، انسٹافون، پی ٹی سی ایل کالنگ کارڈ قابل ذکر ہیں۔ اورینٹ کی تشہیری حکمت عملی کی بدولت چھوٹی چھوٹی اور عام اشیاء بھی اہمیت اختیار کر جاتی ہیں مثال کے طور پر 70 کی دہائی میں اورینٹ نے بیگم سویاں متعارف کرائیں اس سے پہلے سویوں کی پبلسٹی کا کوئی تصور نہیں تھا۔ اورینٹ کو قومی زبان کے علاوہ انگریزی اور مقامی زبانوں میں بھی اشتہار بنانے کا اعزاز حاصل ہے۔ مشرقی پاکستان کے دفاتر اشتہارات زیادہ تر بنگلہ زبان میں بناتے تھے۔ ان میں اس دور کے ساما زیزر (بلیڈ) اور ''' جانے صبا سوپ'' قابل ذکر ہیں۔ اورینٹ ایڈورٹائزنگ کے اشتہارات لفظوں کے خوبصورت انتخاب

‘دلکش تصویری آرٹ کی بدولت مقامی سطح پر تو پسند کئے ہی جاتے تھے۔ ریڈرز ڈائجسٹ‘ ٹائم‘ نیوز ویک جیسے متعدد عالمی ذرائع ابلاغ میں شائع ہو کر داد و تحسین وصول کر چکے ہیں۔ اورینٹ ایڈورٹائزنگ کے تشہیری کیریئر میں 1993ء سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب دنیا کی سب سے بڑی ایڈورٹائزنگ ایجنسی مکین ایریکسن کے ساتھ اس کا الحاق ہوا جس سے اورینٹ کی ملٹی نیشنل اداروں کے ساتھ راہ و رسم بڑھی۔ مکین ایریکسن اس وقت دنیا کے 130 ممالک میں 100 سالہ گلوبل تجربے‘ جدید ٹیکنالوجی‘ عمدہ انفراسٹرکچر کی بدولت اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتی۔

ایڈورٹائزنگ کی دنیا میں ہونے والے جدید تجربات کی اورینٹ رجحان ساز ہے لیکن چند ایک ایسے شعبے ہیں جس میں اس کی مسلمہ حیثیت ناقدین بھی تسلیم کرتے ہیں مثلاً پاکستان میں پہلی سیاسی کمپین اورینٹ نے متعارف کرائی جس کی پاداش میں بعد میں آنے والی حکومت نے اورینٹ کے کروڑوں روپے کے بزنس کو متاثر کیا‘ انسانی حقوق‘ پبلک سروس‘ صحت‘ تعلیم‘ افواج پاکستان کو خوبصورت اور حب الوطنی کے جذبے کے تحت پیش کیا۔ گو اورینٹ ایڈورٹائزنگ کے پاس بیرون ملک سے تعلیم یافتہ‘ ہنرمند اور ایگزیکٹو بھی ہیں لیکن اورینٹ نے اپنی پاکستانی شناخت کو کبھی گہنانے نہیں دیا۔ پاکستانیت کو فروغ دیا۔ قومی اور ملی اقدار اور روایات کی پاسداری کی ہے۔ ہمیشہ اخلاق سوز اشتہارات کی حوصلہ شکنی کی خواہ اس سے کتنا ہی بڑا نقصان کیوں نہ ہو۔ ایسے رسائل و جرائد جو اسلامی طرز معاشرت کے فروغ اور روشن خیالی کے علمبردار ہیں اورینٹ انہیں اپنا ذاتی اشتہار دے کر اعانت کرتی ہے تاکہ ابلاغی محاذ پر اسلامی رسائل و جرائد اپنا بھرپور کردار ادا کر سکیں۔ تعلقات عامہ کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر اورینٹ پی آر کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس نے کلائنٹس اور صارفین کے درمیان مضبوط تعلقات استوار کئے اورینٹ پی آر کا الحاق دنیا کی سب سے بڑی پی آر ایجنسی ’’ویبر شینڈوک‘‘ کے ساتھ ہے۔

اورینٹ اپنے اسٹاف کو نہ صرف پرکشش مراعات دیتی ہے بلکہ انہیں تخلیقی صلاحیتوں کی بھی بھرپور آزادی حاصل ہے۔ جہاں میڈیا کمپین مشاورت سوچ بچار اور مارکیٹنگ کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تشکیل دی جاتی ہے۔ اورینٹ میں ’’ون مین شو‘‘ کا کوئی تصور نہیں۔ اورینٹ ہی میں میڈیا پلاننگ‘ ریسرچ اور مانیٹرنگ کے شعبہ جات ہیں تاکہ نیشنل اور ملٹی نیشنل اداروں کی میڈیا کمپین مستند اعداد و شمار کی روشنی میں بنائی جائے۔ میڈیا کے حوالے سے اورینٹ

اڈورٹائزنگ کے پاس جو ڈیٹا (Data) ہوتا ہے پاکستان کے کسی اور ادارے میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اورینٹ کا سماجی بہبود تعلیم اور ادب کے فروغ میں بھی وسیع کردار ہے۔ ملک کی جامعات سے شعبہ اردو، صحافت، فزکس، کیمسٹری میں فرسٹ کلاس پوزیشن ہولڈر طلبہ کو گولڈ میڈل اور نقد انعام دیا جاتا ہے۔ اورینٹ صنعتی وتجارتی اداروں بالخصوص بیرونی دنیا کو پاکستان کے بارے میں جامع اور مستند معلومات فراہم کرنے کے لئے ہر سال ''اورینٹ بلیو بک'' شائع کرتی ہے۔ جسے اب ایک ریفرنس بک کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ غرض اورینٹ کی پچاس سالہ تاریخ ‘محنت، عظمت، دیانت، تخلیق، ہنرمندی، پیشہ ورانہ لگن اور انتھک کوششوں سے عبارت ہے۔ یہی وہ رہنما اصول ہیں جو گزشتہ پچاس سال سے اسے نمبر ون رکھے ہوئے ہیں۔

اورینٹ اڈورٹائزنگ لاہور

لاہور برانچ کا افتتاح 1964ء میں ہوا، پہلے اس کا دفتر ''نوائے وقت'' بلڈنگ مال روڈ کی دوسری منزل میں قائم کیا گیا۔ یہ دفتر پہلے صرف 5 افراد کے اسٹاف پر مشتمل تھا۔ اس دفتر کے پہلے برانچ منیجر جناب خالد صلاح الدین صاحب مقرر ہوئے۔ یہ برانچ خالد صاحب کی سربراہی میں بہت آہستہ آہستہ چلتی رہی۔ ان دنوں لاہور میں تین اڈورٹائزنگ ایجنسیز کام کر رہی تھیں جن میں یونٹی۔ ایس۔ وی اور ایم (Aim) قابلِ ذکر ہیں لیکن یہ تمام محدود طریقے اور اسٹاف کے ساتھ کام کر رہی تھیں۔

ان دنوں پاکستان کے صرف دو صوبے ہوتے تھے ایک مشرقی پاکستان جس کا دارالخلافہ ڈھاکہ، جبکہ لاہور مغربی پاکستان کا دارالخلافہ ہوتا تھا۔ لاہور صوبے کے سرکاری دفاتر، گورنر اور وزرا کے دفاتر اور رہائش گاہوں کا مرکز تھا۔ صوبائی سیکریٹریٹ بھی لاہور میں تھا۔ اس طرح مغربی پاکستان کے سرکاری اشتہارات کا مرکز بھی لاہور ہی تھا۔

پرائیویٹ اور گورنمنٹ کی سطح پر Client Hunting یعنی Client کی تلاش زیادہ منظم طریقے سے شروع کرنے کے لئے اس برانچ میں اسٹاف بھی بڑھانے کی ضرورت پیش آئی اور زیادہ تجربہ کار آدمی کی ضرورت تھی اس لئے 1966ء کے دسمبر میں ہاشمی صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی وسیم ہاشمی کو ریزیڈنٹ ڈائریکٹر Resident Director کی حیثیت سے مستقل

طور پر لاہور شفٹ کر دیا۔ اس طرح اب لاہور برانچ نے وسیم ہاشمی کی سربراہی میں کام کرنا شروع کیا۔ اور نئے لوگوں کا اسٹاف میں اضافہ کیا گیا۔ اب اس برانچ میں 16 آدمیوں کا اسٹاف ہو گیا۔ تقریباً دو سال یہ برانچ لاہور میں نئے کلائنٹ کی تلاش میں سرگرداں رہی۔ لاہور میں موجود پرانی ایجنسیز کے مقابلہ میں ان کے برابر بزنس ہونے لگا۔ ان ہی دنوں لاہور برانچ اور اسلام آباد کو بزنس بڑھانے کا ایک بڑا اچھا موقع مل گیا۔ ہوا یوں کہ ایوب خان کی حکومت اپنے قیام کے دس سال پورے کر رہی تھی اور سرکاری منصوبہ یہ بنا کہ حکومت کی 10 دس سالہ شاندار کامیابی کو اجاگر کرنے کے لئے Decade of progress کے عنوان سے مشرقی اور مغربی پاکستان کے اخباروں میں ضمیمہ نکالا جائے جس میں حکومت کی 10 سالہ کارکردگی پر روشنی ڈالی جائے۔ چونکہ اورینٹ کی شاخ اسلام آباد اور لاہور اور آفس کراچی میں موجود تھی اور مشرقی پاکستان ڈھاکہ میں برانچ پہلے ہی کام کر رہی تھی۔ اس نیٹ ورک کی بنا پر اورینٹ ان اخبارات کے ضمیموں کو بہتر طور پر شائع کر سکتی تھی۔ اس میں بھی ہاشمی صاحب کے تجربہ نے بڑا کام دکھایا یہ ضمیموں کی اشاعت کے لئے ہاشمی صاحب نے محکموں کو بغیر معاوضہ اپنی کمپنی کی خدمات پیش کیں یعنی حکومت کے یہ ضمیمے No Cost Bases پر شائع ہوئے۔

اس طرح لاہور برانچ نے 6 اور اسلام آباد نے 5 ضمیمے حاصل کئے دونوں دفاتر نے مل کر کل 11 (گیارہ) ضمیمہ Decade of Progres عنوان سے شائع کئے۔ یہ بہت بڑا کام تھا۔ یہ ضمیمہ دو یا چار صفحات کے نہیں ہوتے تھے۔ یہ 40 سے 50 صفحات پر مشتمل ہوتے تھے اور انگریزی، اردو، سندھی اور گجراتی زبان کے پاکستان کے تقریباً تمام اخباروں میں شائع ہوئے ان ضمیموں کی خاص بات یہ تھی کہ اس کا تمام خرچ پاکستان کے نجی اداروں نے اشتہارات Advertising کی شکل میں پورا کیا یعنی حکومت یا اس کے محکموں پر کوئی مالی بوجھ نہیں پڑا لیکن یہ کام اتنا بڑا تھا اور اتنی بڑی ذمہ داری کا تھا کہ محترم ہاشمی صاحب کی قیادت میں اورینٹ کے کراچی، لاہور، اسلام آباد کے دفاتر کے اسٹاف نے تقریباً تین ماہ دن رات مسلسل کام کر کے اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اس محنت کا پھل اورینٹ کو ایک بہت بڑی بلنگ (Billing) کی صورت میں ملا۔ یعنی اورینٹ کی بلنگ کا گراف لاکھوں سے کروڑوں روپے تک پہنچ گیا۔ یہ کام اورینٹ کے لئے وجہ شہرت بن گیا اور اس طرح اورینٹ ملک کی سب سے بڑی ایڈورٹائزنگ ایجنسی کی حیثیت سے جانی جانے لگی اس کے بعد پرنٹ میڈیا میں بلنگ کے مقابلے

میں کوئی دوسری ایجنسی اورینٹ کے برابر نہ آ سکی۔ اورینٹ ایڈورٹائزنگ پچھلے 50 سال سے پرنٹ میڈیا میں سب سے زیادہ بلنگ کر رہی ہے جس کا ثبوت پچھلے 20 سال سے APNS کا سب سے بڑا ایوارڈ اورینٹ کو ہی مل رہا ہے۔ اگر اس ایوارڈ کا اجراء 50 سال پہلے ہوتا تو شاید اب تک اورینٹ 50 سال مسلسل یہ ایوارڈ لے چکی ہوتی اور انشاء اللہ آئندہ برسوں میں بھی یہ ایوارڈ اورینٹ ہی حاصل کرتی رہے گی۔

اس کے بعد لاہور برانچ نہ صرف لاہور بلکہ فیصل آباد، ملتان تک بزنس کا دائرہ کار بڑھاتی رہی۔ اس دوران اسٹاف میں بھی اضافہ کیا گیا بلکہ کراچی دفتر سے انتظار احمد صدیقی آرٹسٹ اور یونس راجپوت کا مستقل طور پر کراچی سے لاہور ٹرانسفر کر دیا گیا تاکہ تجربہ کار لوگ برانچ کے کام میں ہاشمی صاحب کے مددگار رہوں۔

اس طرح اورینٹ لاہور سے پنجاب کے بڑے بڑے ادارے اپنے اشتہارات کے لئے رجوع کرنے لگے۔ اس طرح لاہور برانچ کو سروس گروپ آف انڈسٹریز، شیزان گروپ، ایگل سائیکل انڈسٹری، ہوٹل انڈسٹری میں ہوٹل ایمبیسیڈر، ہوٹل انٹرنیشنل اور فیصل آباد سے سہگل گروپ، نیشنل سلک گروپ، ستارہ ٹیکسٹائل وغیرہ کے اشتہارات اورینٹ لاہور کے توسط سے چھپنے لگے اور اینٹ لاہور برانچ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اورینٹ کا سب سے بڑا فنکشن یعنی ایڈورٹائزنگ کی 15 ویں سالگرہ پہلی مرتبہ لاہور میں منائی گئی جس کے لئے ایک بڑے فنکشن کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں اس وقت کے مشہور سیاست دان، وزراء، چیدہ چیدہ بزنس ہاؤسسز کے سربراہان اور سرکاری محکموں کے سربراہوں نے شرکت کی اس کی تقریب میزبانی لاہور برانچ نے ہی کی تھی۔ اس طرح اورینٹ لاہور برانچ بے مثال ترقی کی راہوں پر گامزن ہوگئی۔ 1970ء میں انتظار احمد صدیقی اور یونس راجپوت کی خدمات کراچی آفس کو واپس کر دی گئیں۔

1972ء میں ہاشمی صاحب نے کراچی آفس میں ضرورت کے تحت وسیم ہاشمی کو مستقل طور پر کراچی بلا لیا۔ یعنی اب وہ ریزیڈنٹ ڈائریکٹر کی حیثیت سے کراچی میں کام کرنے لگے۔ کراچی میں وسیم ہاشمی صاحب پر تمام برانچوں کو بھی سنبھالنے کی ذمہ داری تھی اس کے ساتھ وہ ریڈیو اور ٹی وی کے شعبے کے سربراہ بھی رہے جون 1980ء میں وسیم ہاشمی اپنی نجی مصروفیات کی بنا پر اورینٹ چھوڑ گئے۔ اب لاہور برانچ وسیم ہاشمی کے بعد برانچ منیجر کی سربراہی میں چل رہی ہے۔

اورینٹ ایڈورٹائزنگ اسلام آباد

ایڈورٹائزنگ کی ضرورت اور خاص طور پر اورینٹ ایڈورٹائزنگ جیسی کمپنی کی ضرورت صرف کراچی میں نہیں پورے پاکستان میں تھی۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ اورینٹ ایڈورٹائزنگ کے مالکان اور اسٹاف کے افراد اشتہاریات کے جدید ترین خطوط سے آشنا تھے۔ پاکستان کے بڑے چھوٹے صنعتکاروں اور تاجران کی اس اہم ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے جناب ایس ایچ ہاشمی نے ڈھاکہ، چاٹگام، لاہور اور پھر کوئٹہ اور پشاور میں اورینٹ ایڈورٹائزنگ کے دفاتر کا افتتاح کیا۔

1967 ۔ اسلام آباد میں اورینٹ ایڈورٹائزنگ کی بنیاد رکھی گئی۔ جو کہ اشتہاریاتی صنعت کا ایک اہم سنگِ میل ثابت ہوئی۔ G-6/2 سے بلیو ایریا جیسے مصروف کاروباری مرکز کے معروف چوراہے چائنہ چوک سے منسلک عمارت غوثیہ پلازہ میں منتقل کر دیا گیا۔ سفر کی رفتار تیز ہوا اور مقابلہ سخت تو تازہ دم شہسواروں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ 1982 میں محترم راحت ملک نے بحیثیت جنرل منیجر اس کارواں میں شمولیت اختیار کی۔ اب وقت سالوں میں نہیں بلکہ مہینوں میں رنگ بدلنے لگا۔ آبادی بڑھی، ضروریات بڑھیں، کاروبار بڑھے تو پریس اور الیکٹرونک میڈیا کی اہمیت بھی اور بڑھ گئی۔ ایڈورٹائزنگ کا اسٹاف بڑھانا پڑا۔ ٹارگٹ بھی چند لاکھ سے بڑھ کر کروڑ کی حد چھونے لگا۔ بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ۔

اورینٹ ایڈورٹائزنگ اسلام آباد برانچ کی اہمیت بڑھنے لگی۔ کیونکہ اب اس کے بڑے کلائنٹس میں پاک انرجی ریسورسز، یوٹیلٹی اسٹورز، فوجی سیریل، قومی بچت، وزارتِ بہبود آبادی اور NLC بھی شامل تھے۔ ہمیں فخر ہے کہ یہ سارے کلائنٹس وہ ہیں جن کے ایڈورٹائزنگ کا ابتدائی بجٹ چند لاکھ سے شروع ہوا تھا اورینٹ ایڈورٹائزنگ کے ساتھ چلتے چلتے آج اس ضمن میں ان کا بجٹ کروڑوں روپے ہے۔

ہر لمحہ ترقی کی منازل طے کرنے والے ایسے کلائنٹس زیادہ بھرپور توجہ اور زیادہ مؤثر ایڈورٹائزنگ کے خواہاں تھے۔ اسلام آباد برانچ کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے محترم ایس ایچ ہاشمی کے چھوٹے صاحبزادے محترم سید محمود ہاشمی نے 17 جون 1986ء کو بحیثیت ڈائریکٹر اسلام آباد برانچ کا چارج سنبھال لیا۔

محترم سید محمود ہاشمی اپنے والد بزرگوار محترم ایس ایچ ہاشمی کی طرح انتھک شبانہ روز محنت،

بھرپور لگن، مارکیٹنگ کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں سے واقفیت، انڈسٹریز کے متعلق مکمل معلومات، میڈیا کے مؤثر استعمال اور انتظامی امور کی مکمل آگاہی رکھنے والی شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کے ساتھ تمام شعبوں میں لائق اور باصلاحیت افراد کی موجودگی یقینی کامیابی کا سبب رہی ہے۔ 1986ء میں اسلام آباد برانچ کا چارج سنبھالنے کے بعد انہوں نے تقریباً چار سال کے مختصر عرصہ میں اس برانچ کو 7 کروڑ کی برانچ بنادیا۔ جو ایک بہت بڑی کامیابی تھی اور آئندہ آنے والے وقت کے لئے ایک مضبوط ترین بنیاد تھی۔ یہ کامیابی اسلام آباد میں ایڈورٹائزنگ کا ایک روشن سنگ میل تھی۔ محترم سید محمود ہاشمی صاحب کی سرپرستی میں اس برانچ کے ہر شعبہ نے جس میں پی آر، کلائنٹ، ایگزیکٹو، میڈیا، کاپی رائٹنگ، ڈیزائننگ، اکاؤنٹ، ایڈمن غرض سب نے بہت محنت کی اور آج اورینٹ ہر شعبہ اسلام آباد میں موجود ہر ایڈورٹائزنگ سے بہتر تصور کیا جاتا ہے۔

1995ء میں محترم سید محمود ہاشمی کو ایک اور بڑے پروجیکٹ کے لئے لاہور آفس کا چارج سنبھالنا پڑا تو محترم رشید اے قریشی کو جو ایک عرصہ سے اورینٹ ایڈورٹائزنگ کے ساتھ وابستہ تھے، اسلام آباد برانچ کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ان دنوں چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر اورینٹ ایک سیاسی حکومت کے زیر عتاب تھی۔ اس کے تبدیل ہوتے ہی نئی سیاسی حکومت نے اورینٹ کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پر دوبارہ تمام راستے کھول دیئے۔ کام ایک بار پھر بہت بڑھ گیا تو اسلام آباد برانچ کو مزید افرادی قوت مہیا کرنے کے لئے کراچی سے تشریف لانے والے سہیل کیسٹ نے بحیثیت ریجنل ڈائریکٹر چارج سنبھالا۔ بعد میں محترم سید علی صاحب بھی ان کے ساتھ اس سفر میں شامل ہوگئے۔ سفر اب 7 کروڑ والے سنگ میل سے آگے کا تھا۔ جو کامیابی سے جاری رہا۔ آنے والے ہر سال میں ٹارگٹ بڑھتا گیا۔ کام بڑھتا گیا۔ کلائنٹس بڑھتے گئے، کامیابیاں بڑھتی گئیں۔ اورینٹ ایڈورٹائزنگ کی اسلام آباد برانچ آغاز سے نمبرون تھی، نمبرون ہی رہی۔

2000ء کے آغاز میں محترم سہیل کیسٹ کی خدمات اورینٹ ایڈورٹائزنگ کو بیرونِ ملک درپیش تھیں۔ ان کی روانگی کے بعد محترم سید علی نے ریجنل ڈائریکٹر کا چارج سنبھالا۔ ملکی حالات کے بدلتے ہوئے رنگ، سرکاری اداروں کی بڑھتی ہوئی ایڈورٹائزنگ کی ضروریات اور اسلام آباد برانچ میں پرعزم افرادی قوت کو پورا کرنے کے لئے محترم سید محمود ہاشمی نے ایک بار پھر اسلام آباد برانچ کی سرپرستی بحیثیت ڈپٹی منیجنگ ڈائریکٹر قبول کی۔

نئی صدی کے آغاز نے اورینٹ اسلام آباد کی برانچ کی ذمہ داریاں اور کامیابیاں بہت بڑھا دیں۔ اب وزارتِ بہبود آبادی، وزارتِ صحت، وزارتِ انصاف قانون اور انسانی حقوق، الیکشن کمیشن، پرائیویٹائزیشن کمیشن، سی ڈی این ایس، سیف گیمز، نادرا، سنٹرل بورڈ آف ریونیو اور بے شمار چھوٹے بڑے سرکاری اداروں کے علاوہ پی ٹی سی ایل کالنگ کارڈ اور گنج گلاس کی ایڈورٹائزنگ کا کام اسلام آباد برانچ بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہی تھی۔

این آر بی کی مہم ابتدا سے اب تک پریس اور الیکٹرونک میڈیا پر کامیابی سے چلانا، اسلحہ اور دہشت گردی کے خلاف وزارتِ داخلہ کی مہم پریس میڈیا کے ذریعے پورے ملک میں نہایت مؤثر طریقے سے پیش کرنا بھی اورینٹ اسلام آباد کے روشن کارناموں میں سے ایک ہے۔ 1989ء میں اورینٹ اسلام آباد کو منشیات کے خلاف (سانپ والی فلم) پر نیویارک میں انٹرنیشنل فلم اینڈ فیسٹیول ایوارڈ دیا گیا۔ اس مقابلے میں دنیا کے چالیس ممالک کی تقریباً چار ہزار فلمیں رکھی گئی تھیں۔ پاکستان میں بھی یہ فلم ایوارڈ کی مستحق قرار پائی۔

2000ء میں وزارتِ بہبود آبادی اور وزارتِ انصاف قانون اور انسانی حقوق کی جانب سے اورینٹ اسلام آباد کو ایک اخباری اشتہار اور ایک ٹی وی جنگل پر ایوارڈ ملنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ 2003ء کے ابتدائی مہینوں میں اورینٹ اسلام آباد نے پہلی بار وزارتِ انصاف قانون اور انسانی حقوق کے کمیشن برائے انسانی حقوق کی آگہی اور تعلیمی منصوبہ کے تعاون سے انسانی حقوق کے تحفظ اور راہِ حصول سے عوام کو روشناس کرانے کے لئے ایک ٹی وی ٹاک شو ''حق تو یہ ہے'' کے نام سے تیار کیا۔ جس میں معروف وکلاء، سوشل ورکر، اور پارلیمنٹرین نے شرکت کی۔ اس ٹاک شو کی 13 اقساط نے ٹی وی ناظرین میں بہت مقبولیت حاصل کی۔

محترم سید محمود ہاشمی کی زیرِ نگرانی اورینٹ اسلام آباد کی کامیابی کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہوگا کہ 1953ء میں چند افراد کی خدمات اور چھوٹے سے ٹارگٹ سے شروع ہونے والی یہ برانچ آج 24 کروڑ کا ٹارگٹ اور 70 افراد کا اسٹاف رکھتی ہے۔ ذہن کاروباری ہو یا سیاسی، اسے عوام میں خود کو مقبول کرنے کے لئے سب سے پہلے جو نام ذہن میں ابھرتا ہے وہ اورینٹ ایڈورٹائزنگ اسلام آباد ہے۔

اورینٹ ایڈورٹائزنگ کوئٹہ

بلوچستان میں ایڈورٹائزنگ کی ابتدا اورینٹ ایڈورٹائزنگ لمیٹڈ نے کی' جناب ایس ایچ ہاشمی صاحب نے نامساعد حالات میں بلوچستان جیسے غیر ترقی یافتہ اور پسماندہ صوبہ میں اپنی برانچ کا آغاز کیا۔

26نومبر 1974ءکو پاکستان میں ٹیلی ویژن اسٹیشن کوئٹہ کے قیام کے ساتھ ہی جناب ایس ایچ ہاشمی نے 1975ء میں اورینٹ ایڈورٹائزنگ کوئٹہ کی بنیاد رکھی۔ ابتدا میں اورینٹ کوئٹہ نے ٹیلی ویژن پر مقامی اشتہارات کا آغاز کیا اور اس کے ساتھ ہی پرنٹ میڈیا کو بھی اشتہارات کا ہدف بنایا۔ بلوچستان میں صنعتی ترقی کے فقدان کی وجہ سے کمرشل اشتہارات نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس لئے پرنٹ میڈیا میں اشتہاری مہموں کا محور بلوچستان کے ترقیاتی منصوبے رہے۔ اس لئے بلوچستان کے ترقیاتی منصوبوں کو اشتہارات میں اجاگر کیا گیا۔

بلوچستان کے ترقیاتی منصوبوں جن میں آر سی ڈی (کراچی تا کوئٹہ) ہائی ویز اور پسنی فش ہاربر کے افتتاح کے موقع پر خصوصی ضمیمے پاکستان کے مختلف اخبارات میں شائع کئے گئے اور مختلف اضلاع میں مکمل ہونے والے ترقیاتی منصوبوں کی افادیت سے عوام کو آگاہ کیا گیا۔ بلوچستان کا روایتی اور ثقافتی میلہ سبی میں ہر سال فروری میں منعقد ہوتا ہے اس میں بلوچستان کی روایات اور ثقافت اور مال مویشیوں کی نمائش کی جاتی ہے' علاوہ ازیں بلدیاتی کنونشن بھی منعقد کیا جاتا ہے۔ جس سے سربراہ مملکت خطاب کرتے ہیں۔ اورینٹ ایڈورٹائزنگ کے زیر اہتمام اس روایتی اور ثقافتی میلہ کے موقع پر خوبصورت اور عمدہ خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

بلوچستان کے مسائل اور حقوق کے حوالے سے اورینٹ ایڈورٹائزنگ کوئٹہ نے نواب محمد اکبر بگٹی کے دور وزارت اعلیٰ میں بہت مؤثر اور عمدہ اشتہاری مہم چلائی۔ جس کو بلوچستان کے عوام نے بے حد سراہا اور اس تشہیر کے نتیجے میں وفاقی حکومت نے بلوچستان پر خصوصی توجہ دی اور بلوچستان میں میگا پروجیکٹس شروع کئے گئے۔ بلوچستان کے عوام کے احساس محرومی کو ختم کرنے کے لئے عظیم ترقیاتی گوادر ڈیپ سی پورٹ' کوسٹل ہائی ویز' میرانی ڈیم آج تکمیل کے مراحل میں ہیں۔

اورینٹ ایڈورٹائزنگ کوئٹہ نے بلوچستان میں ہر اہم موقع پر خصوصی ضمیمے اور اشتہارات

شائع کر کے بلوچستان میں ہونے والی ترقی اور ترقیاتی منصوبوں کو عوام میں اجاگر کیا اور ان کی افادیت، اہمیت اور مستقبل میں ان کے مثبت اثرات سے آگاہ کیا گیا۔

2000ء میں کوئٹہ برانچ پر خصوصی توجہ دی گئی کوئٹہ برانچ کو کمپیوٹرز اور جدید ساز و سامان سے آراستہ کیا گیا اور نئے ہنرمندوں کی تربیت کا آغاز کیا تاکہ کوئٹہ برانچ کو دورِ جدید کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کیا جاسکے۔

جولائی 2003ء میں جناب ایس ایچ ہاشمی نے انقلابی اقدامات کرتے ہوئے کوئٹہ برانچ کو بالکل جدید اور دوسری برانچوں کے مساوی درجہ دیا اس انقلابی اقدام کے نتیجے میں دفتر کو بالکل نئی، کشادہ اور اہم جگہ پر منتقل کر دیا گیا۔ اب اورینٹ کوئٹہ کا آفس پی ٹی وی کے نزدیک عثمان کمپلیکس حالی روڈ پر واقع ہے۔

اورینٹ ایڈورٹائزنگ کوئٹہ کا جن اداروں کے ساتھ پیشہ ورانہ تعلق ہے ان میں فرنٹیئر کورز بلوچستان (FC) نیشنل ہائی ویز (NHA) سندک میٹلز لمیٹڈ (SML) بلوچستان یونیورسٹی، پاکستان ریلویز، پاک ڈبلیوڈی (PWD)، کینٹ بورڈ کوئٹہ (CBQ) بلوچستان انجینئرنگ ٹیکنالوجی یونیورسٹی (BUETK) کوئٹہ الیکٹرک سپلائی کمپنی لمیٹڈ (QESCO) جیولوجیکل سروے آف پاکستان (GSP) بولان مائننگ انٹرپرائزز (BME) پی ٹی سی ایل (PTCL) نیشنل ٹیلی کمیونیکیشن کارپوریشن (NTC) نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن (NIPA) محکمہ تعلقات عامہ بلوچستان (NDR) محکمہ بہبود آبادی، اینٹی نارکوٹکس موارس بلوچستان (ANF) نادرا بلوچستان، پاکستان بیت المال بلوچستان، کسٹم بلوچستان اور دیگر کئی ادارے شامل ہیں۔ اورینٹ بلوچستان میں بھی یہ اولین تشہیری ایجنسی ہے۔

اورینٹ ایڈورٹائزنگ پشاور

اورینٹ ایڈورٹائزنگ کو اپنے 5 عشرے پر محیط عرصے میں بے شمار نشیب و فراز کا سامنا کرنا پڑا جس میں سقوط ڈھاکہ کا ناقابل فراموش سانحہ بھی شامل ہے جس کے باعث پاکستان اپنا ایک بازو گنوا بیٹھا اور ادارہ ہذا اپنی ایک مضبوط برانچ سے محروم ہو گیا لیکن محترم ایس ایچ ہاشمی صاحب کے مضبوط اعصاب اور ان کے محنت کش رفقاء نے اس کمی کو بڑی تندہی سے پورا کیا اور اپنے

مقاصد جذبے اور کام سے لگن کے ذریعے ادارے کی ترقی کی رفتار میں کمی نہ آنے دی۔ اسی جذبے، ملکی ترقی، کام سے لگن اور خدمت کی روایت کو مدنظر رکھتے ہوئے محترم ایس ایچ ہاشمی نے دارالحکومت پشاور میں فروری 1977ء میں اورینٹ ایڈورٹائزنگ کی برانچ کا آغاز کیا حالانکہ صوبہ سرحد کی روایات، ثقافت، مذہبی رغبت اور قبائلی روایات کے پیش نظر صوبہ سرحد میں ایڈورٹائزنگ کے بزنس کو انتہائی معیوب سمجھا جاتا تھا ایسے ماحول کے پیش نظر ایڈورٹائزنگ ایجنسی کا قیام بلاشبہ مشکل مرحلہ تھا لیکن ایس ایچ ہاشمی کے تدبر اور اسلامی نظریات سے لگاؤ نے بہت جلد اورینٹ کو صوبہ سرحد کی سب سے بڑی اشتہاری کمپنی کے طور پر سرکاری و نجی اداروں میں متعارف کروایا۔

اورینٹ ایڈورٹائزنگ پشاور کا قیام فروری 1977ء میں جناب اے کیو عشرت (جو موجودہ مظفر آباد برانچ کے ریجنل منیجر ہیں) کی قیادت میں حسن بلڈنگ ارباب روڈ پشاور صدر میں عمل میں آیا۔ ابتدا میں آفس ایک کمرہ پر مشتمل تھا۔ پشاور ریجن کے 95% فیصد پرائیویٹ اور پبلک سیکٹر کلائنٹ ایڈورٹائزنگ کی ابجد سے بھی واقف نہیں تھے اور نہ تشہیر کی اہمیت کو سمجھتے تھے اس ضمن میں 1980ء تک جناب اے کیو عشرت نے اپنی محدود ٹیم کے ساتھ اورینٹ کے پلیٹ فارم سے عوام اور اداروں میں تشہیر اور مقابلے کا شعور اجاگر کرنے کا بیڑا اٹھائے رکھا۔ 1977ء سے 1987ء کے عشرے کے دوران جناب اعظم بیگ، ملک اعجاز خان بہادر انصاری اور پھر ملک اعجاز ریجنل منیجر کے عہدوں پر فائز رہے۔ یہاں پہلے ہی ذکر کیا جاچکا ہے کہ متذکرہ ریجن میں اشتہاری بزنس معدوم تھا، تاہم اورینٹ کا قیام منافع کی غرض سے عمل میں نہیں لایا گیا تھا بلکہ اس کے قیام کا مقصد عوام میں شعور اجاگر کرنا اور تحریک پیدا کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دفتر ہذا کے تمام اخراجات ہیڈ آفس کے ذمہ تھے۔ 1987ء میں ریٹائرڈ بینکر جناب فردوس خان کو بحیثیت ریجنل ڈائریکٹر تعینات کیا گیا جنہوں نے سابقہ دفتر کو وسعت دی اور کنٹونمنٹ پلازہ ارباب روڈ کے سیکنڈ فلور کا انتخاب کیا۔ 1988ء میں جنرل ضیاء الحق کی شہادت اور فوجی حکومت کے خاتمے کے بعد جمہوری دور کا آغاز ہوا۔ اور صوبہ سرحد کی سیاسی پارٹیوں، حکومت اور دیگر پرائیویٹ اداروں کی تشہیر مؤثر طریقے سے پیش کی گئی۔ نئے آفس کے قیام سے تمام شعبے مثلاً میڈیا، اسٹوڈیو اکاؤنٹ بالترتیب تجربہ کار اور پروفیشنلز پر مشتمل تھے اور اب صوبہ سرحد کے تمام بڑے سرکاری و نجی ادارے اورینٹ کے کلائنٹ لسٹ میں شامل ہوگئے ہیں۔ جن میں سرکاری طور پر محکمہ اطلاعات، ایس ڈی اے، پی ڈی اے، یونیورسٹیاں، ای پی اے، خیبر بینک اور نجی شعبے میں فیشن

پیراڈائزز، فارماسیوٹیکل ادارے، انڈسٹریز، پی سی ہوٹل اور دیگر شامل ہیں۔ لیکن باوجود اس کے ادارہ کماحقہ منافع نہ کما سکا مقامی مینجمنٹ کی عدم توجہی سے خطیر رقم مارکیٹ میں پھنس کر رہ گئی جو تقریبا ایک کروڑ بیس لاکھ کے لگ بھگ تھی۔

جناب فردوس خان کے بعد 1992ء میں جناب خالد عمر زوال نے ریجنل منیجر کا عہدہ سنبھالا، خالد عمر زوال نوجوان، تعلیم یافتہ اور اچھی پی آر کے حامل فرد تھے انہوں نے صحیح معنوں میں اورینٹ کو صوبہ سرحد میں عروج دیا فیلڈ فورس میں اضافہ کیا اور 1993ء میں پہلی مرتبہ سالانہ بزنس کا گراف 6 ملین تک پہنچایا۔

اورینٹ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے ملک کی دیگر چھوٹی بڑی ایجنسیوں نے اپنے دفاتر پشاور میں قائم کیے تاہم وہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکے اور جلد یا بدیر بند ہوتے گئے۔ خالد عمر زوال کے بعد ساجد خان نے بحیثیت ریجنل منیجر اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں، ساجد خان امریکن نیشنلٹی ہولڈر اور اچھے خاندانی پس منظر اور امریکا سے اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ 1998ء تک اپنے فرائض انجام دیتے رہے اور اس عرصے کے دوران اورینٹ پشاور کی تاریخ کا سب سے بڑا اکاؤنٹ ای پی اے (ادارہ تحفظ ماحولیات) ان کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔

1998ء میں سابقہ کلائنٹ سروس منیجر احمد فراز کو ریجنل منیجر کے فرائض تفویض کیے گئے جو تاحال اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے انجام دے رہے ہیں۔ احمد فراز صحیح معنوں میں ایڈورٹائزنگ اور مارکیٹنگ کی اساس کو سمجھنے اور وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے ہوئے تشہیری رجحان پر بھی نظر رکھے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اورینٹ کے معیار اور ضرورت کے پیش نظر جولائی 2001ء میں آفس کو مکمل نئے سیٹ اپ اور پشاور کی سب سے خوبصورت بلڈنگ میں منتقل کرنے کی تجویز پیش کی جسے من وعن منظور کیا گیا اور الحمدللہ آج اورینٹ میکن اریکسن کا خوبصورت ماڈل آفس اسٹیٹ لائف بلڈنگ میں قائم ترقی کی جانب گامزن ہے اور گزشتہ چار برسوں سے نہ صرف اپنے ٹارگٹ کو پورا کر رہا ہے بلکہ ہر سال اپنے ٹارگٹ کو بھی بتدریج بڑھا رہا ہے۔ اورینٹ پشاور موجودہ آفس کے اسٹاف کی کل تعداد دس افراد پر مشتمل ہے جن میں ریجنل منیجر، ایک آرٹ ڈائریکٹر، ایک کمپیوٹر ڈیزائنر، ایک اکاؤنٹ آفیسر، دو کلائنٹ ایگزیکٹو، ایک میڈیا ایگزیکٹو، ایک لیڈی ریسپشنسٹ اور دو آفس بوائز ہیں۔ اورینٹ پشاور صوبہ سرحد میں اپنی نوعیت کا

واحد ادارہ ہے جسے جدید کمپیوٹر ٹیکنالوجی' پروفیشنل اسٹاف' مقامی طور پر علاقے کی روایت اور اسلامی اقدار کے دائرے میں رہتے ہوئے پرنٹ اور برقی میڈیا کی تشہیری کمپین اور دیگر امور بخوبی انجام دینے کی صلاحیت موجود ہے۔ اس انتھک جدوجہد' عوام میں بیدار تشہیری اہمیت' مقابلہ 'افغانستان کی تعمیر نو اور موجودہ حکومت کی جانب سے انڈسٹریلائزیشن کے فروغ کے باعث اورینٹ پشاور کا تابناک مستقبل پیش نظر ہے۔

آزاد کشمیر

اورینٹ ایڈورٹائزنگ لمیٹڈ کی چھٹی برانچ یکم جنوری 1992ء میں اے کیو عشرت ریجنل منیجر کے تحت قائم ہوئی۔ 1989ء میں تحریک آزادی کشمیر اپنے عروج پر تھی اور مقبوضہ کشمیر میں رہنے والے کشمیریوں نے خود بندوق اٹھا کر بھارتی قابض فوج کے مقابلے میں لڑنے کا فیصلہ کیا اور انہوں نے بھارتی قابض فوج کی بڑی تعداد پر اپنی چھوٹی سی قوت سے پورے مقبوضہ کشمیر میں جگہ جگہ کمانڈو ایکشن کے ذریعے حملے شروع کر دیئے اور ان کی طرف سے لگائی ہوئی آگ کے شعلے نے آزاد کشمیر میں بسنے والے کشمیریوں کو گرمایا اور اس آزاد خطے میں بھارتی قابض فوج کے خلاف نفرت' جلسے جلوس اور مظاہرے شروع ہوئے۔ سردار عبدالقیوم خان جو تحریک آزادی کے روح رواں ہیں 1992ء میں وزیراعظم بن چکے تھے اور انہوں نے ایک ایسی نظریاتی اشتہارات سے متعلق ایجنسی کو تلاش کرنا شروع کیا جس کے ذریعے وہ کشمیریوں کے پیغام اور مجاہدین کی مسلح جدوجہد کو قومی اور بین الاقوامی فورم پر لانے کے لئے دنیا پر ظاہر کر سکیں کہ کشمیر میں بھارتی قابض فوج کیا ظلم وستم ان نہتے کشمیریوں پر ڈھا رہی ہے۔ اے کیو عشرت جو کہ نظریاتی طور پر سردار عبدالقیوم خان کے ساتھ اس تحریک میں شریک رہے تھے اور اورینٹ ایڈورٹائزنگ لمیٹڈ 1973ء میں اپنی برانچ پشاور میں کھول چکی تھی مظفر آباد میں جو کہ آزاد کشمیر کا دارالحکومت ہے۔ سردار صاحب نے 1992ء میں آزاد حکومت سے متعلقہ اشتہارات لینے شروع کئے اور اخبارات کو تحریک آزادی کشمیر پر مبنی اشتہارات بھی اورینٹ سے جاری ہوتے رہے ہیں۔

24 اکتوبر آزاد جموں کشمیر کا یوم تاسیس ہوتا ہے اور اس طرح ہر سال اورینٹ ایڈورٹائزنگ اس قومی دن کی مناسبت سے اشاعت خصوصی کا اہتمام کرتی ہے جس میں آزاد خطہ کی تعمیر وترقی' منصوبہ بندی اور حکومت کی جملہ اصلاحات پر مضامین اور اشتہارات کی صورت میں

عوام کو باخبر کرتی ہے۔ 24 اکتوبر 2003ء کو خصوصی اشاعت جس کا پاکستان کے تمام قومی اخبارات میں اس بار خاص اہتمام کیا جا رہا ہے' جس میں موجودہ حکومت کی تعمیر وترقی اور دیگر اصلاحات کے بارے میں عوام کی آگاہی کے لئے اشتہارات شائع ہوں گے یہ کام بھی موجودہ حکومت نے اعلیٰ روایات اور بہتر کارکردگی کی بنا پر جناب ایس ایچ ہاشمی کی سرپرستی میں قائم اورینٹ کے مظفر آباد آفس کو سونپ رکھا ہے۔

اورینٹ ایڈورٹائزنگ لمیٹڈ مظفر آباد نے حکومت کے خاص خاص ادارے اشتہارات کے لئے منتخب کر رکھے ہیں جن کے بجٹ میں اشتہارات کی مد ہوتی ہے۔ اورینٹ اس وقت آزاد کشمیر یونیورسٹی کے تمام بزنس اشتہارات کی صورت میں قومی اخبارات میں خدمت انجام دے رہی ہے۔ آزاد کشمیر وارگنگ اینڈ سا ملز کارپوریشن جو حکومت آزاد کشمیر کے لئے ایک منافع بخش لکڑی کی صنعت ہے' کا بزنس بھی مظفر آباد آفس کو حاصل ہے۔ اس کے علاوہ محکمہ جنگلات زراعت Akmidc محکمہ سیاحت' ہائیڈروالیکٹرک بورڈ آزاد کشمیر امور حیوانات' پلاننگ اینڈ ڈیویلپمنٹ' محکمہ برقیات۔ یہ آزاد کشمیر حکومت کے وہ بڑے محکمے ہیں جن کے اشتہارات اورینٹ ایڈورٹائزنگ لمیٹڈ مظفر آباد قومی اخبارات میں شائع کروا رہی ہے۔ مظفر آباد میں پرائیویٹ سیکٹر میں کوئی صنعت قائم نہیں ہے۔ اس لئے کمرشل بزنس کا یہاں تصور نہیں ہے ناردرن ایجوکیشن پروجیکٹ اور ناردرن ہیلتھ پروجیکٹ جو ورلڈ بینک کی جانب سے قائم کر رہے تھے اب تکمیل کو پہنچ چکے ہیں یہ اعزاز بھی اورینٹ کو حاصل ہے۔ جس نے ان دونوں پروجیکٹ کا بزنس بھی حاصل کر رکھا تھا حال ہی میں اورینٹ مظفر آباد کے آفس میں خصوصی طور پر سیکریٹری اطلاعات وسیاحت جناب سلیم بسمل نے دورہ کیا اور اورینٹ مظفر آباد آفس کو اطلاعات کے محکمے کی طرف سے مکمل تعاون کا یقین دلایا اور انہوں نے اے کیو عشرت سے بریفنگ لیتے ہوئے ہدایت کی کہ محکمہ سیاحت کوئی جہت دینے اور پاکستان کے سیاحوں کو آزاد کشمیر کے خوبصورت خطے کی سیر کروانے اور کشمیر کی جانب متوجہ کروانے کے لئے اشتہارات میں ان خوبصورت مقامات اور جگہوں کی نشاندہی کی جائے تاکہ پاکستان اور دنیا بھر سے آئے ہوئے سیاح آزاد کشمیر کے خوبصورت خطے میں آئیں اس سے آزاد کشمیر میں بسنے والے عوام سے بھی ان کا رابطہ ہوگا اور اس خطے میں آمدنی کا ذریعہ بھی بن جائے گا۔ اورینٹ مظفر آباد سیاحت کی ترقی وترویج کے لئے کام کر رہی ہے اور اورینٹ ایڈورٹائزنگ لمیٹڈ مظفر آباد ہر نئی حکومت سے اپنے بہتر تعلقات کی وجہ سے

رابطے میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب ایس ایچ ہاشمی کا ایک نام جو اشتہاری صنعت میں قائم ہے مظفر آباد آفس کو بھی ان کے بڑے نام کی وجہ سے کامیابی حاصل ہے۔

داعی اور مجاہد

معاذ اللہ، اس قدر موت اور آخرت کا خوف، غضبناک جوانی، حسن کا مرقع، جبینِ نیاز سجدوں سے مرصع، سوچتے ہیں تو انسانوں کی آخرت کے بارے میں، بولتے ہیں تو اللہ کی اطاعت کی ترغیب میں۔ 50 کتابوں کے مصنف، عجز وانکساری بھی رشک کرے۔ لفظ لفظ میں ہزاروں داستانیں، ورق ورق حکایتیں۔ تقوے کا مزاج، فتوے کا رہن سہن، شب بیداریاں سوز وگداز میں ڈھلی ہوئیں۔ ہردم اخلاقی اقدار کے فروغ اور فکر واحساس کی پاکیزگی کا خیال۔

خدا جانے حکیم محمد طارق محمود چغتائی کب آرام کرتے ہیں۔ شاید انہوں نے سکون وآرام کا لفظ اپنی کتاب زندگی کی لغت سے حذف کر دیا ہے۔ شبنم کے قطروں سے بھی پاکیزہ مزاج، گالیاں سن کر دعائیں دینا، سازشوں کے جواب میں حسن ظن کے دامن کو نہ چھوڑنا۔ چاندنی کی پہلی کرن سے بھی روشن فکر، گھنٹوں قبر حشر کا تذکرہ، سننے والا زندگی کے گزرے ایام پر نادم، زیادتی کرنے والے کو نہ شرمندہ کرے اور نہ ترش رویے کا احساس دلائے۔ اچھے اور برے حالات میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زبردست اہتمام، عزیز واقارب دوست احباب سے صلہ رحمی، جس نے بدلہ لینا سیکھا ہی نہیں۔ علاقائی ولسانی عصبیتوں سے بہت دور، بھائی چارے اور محبت کے افق کا روشن ستارہ، روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے واپسی پر پھر اداس اور پریشان دوبارہ جانے کی فکر، خاک نجف ومدینہ جس کی آنکھوں کا نور، حکیم سعید کا چہیتا، مولانا عاشق الٰہی بلند شہری کی دعاؤں کا ثمر، شیخ الحدیث مولانا موسیٰ خان کا روحانی وارث عبداللہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد رشید۔ دیکھنے والے دیکھتے ہیں تو ورطہ حیرت میں غوطہ زن ہو جاتے ہیں۔ سلوک وارشاد کا ایسا پیکر مجسم جو انسانوں

کے لئے رات کی تنہائیوں میں اشکوں کی لڑیاں پروتا ہے۔ عہدوں، سفارتوں، وزارتوں، سے بے نیاز اک توانا مزاج داعی، حکیم طارق چغتائی محض ادب تخلیق نہیں کر رہے بلکہ ان کا مقصد اسلامی ادب اور تخلیقی کارناموں میں اسلامی روح کی بیداری ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں کم دیکھا ہے کہ کوئی شخص اپنے عزیز و اقارب کی موت پر سکتہ کی حالت میں نہ ہو۔ حکیم صاحب کی والدہ اور والد کی موت پر میں ان کے قریب تھا ہر آنکھ اشک بار تھی اس موقع پر بھی تعزیت کرنے والوں کو اللہ کی طرف رجوع کراتے۔ والدین کی وفات پر ہر قسم کی غیر شرعی رسومات کو خیر باد کہہ دیا۔ بہت سے عزیز و اقارب دنیا کا منہ رکھنے کے لئے رسومات پر اصرار کرتے رہے لیکن ان کی ایک ہی بات تھی کہ کیا ایسا عمل سیدنا محمد عربی کی زندگی میں دکھا سکتے ہیں۔ ہر سال اللہ کے راستے میں تبلیغی دورے پر نکلتے ہیں اپنا تعارف ایک عام انسان کی طرح کراتے ہیں۔ پروٹوکول اور جاہ و حشمت سے بالکل بے پروا۔ یہ درخت اتنا ثمر آور کیوں نہ ہوتا جس کی تربیت مولانا احمد علی لاہوری کے شاگردوں نے کی۔ جو مولانا حسین احمد مدنی کے فکری وارثوں کی دعاؤں میں پروان چڑھا۔ جس نے ہزاروں نوجوانوں کی زندگیوں کے رخ موڑ دیئے۔ بے ریش و بروت چہروں پر سنت رسول سجادی۔ جس نے مایوس جوانوں کو روشنی کا پیغام دیا۔ اس نفسا نفسی کے دور میں جس کے لئے بیت اللہ میں مولانا عاشق الٰہی بلند شہری جیسے لوگ عمر، علم اور تقوے میں برکت کی دعائیں مانگیں۔ تبلیغی جماعت کے سرکردہ رہنما مولانا طارق جمیل سے لے کر جامعہ اشرفیہ کے مولانا عبدالرحمان تک سب کی امیدوں کا مرکز، غریبوں اور مساکین کا غمگسار، کلرک سے لے کر جرنیلوں تک سیکڑوں مرید، ہر مرید سے ہدیہ ضرور لیتے ہیں لیکن مال و دولت کی شکل میں نہیں اعمال کی صورت میں، نمازوں، روزوں اور ذکر و اذکار کی صورت میں ان کی شہرۂ آفاق کتاب سنت نبوی اور جدید سائنس منصۂ شہود پر آئی تو رائلٹی اللہ کے نام پر دے دی۔ غریب عیال دار دوستوں کی امداد کی انہیں ہمیشہ فکر لاحق رہتی ہے۔

عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن سے جب انہیں سنچری ایوارڈ ملا تو سارا کریڈٹ دعوت و تبلیغ کی برکت کو دیا۔ وہ بہ یک وقت مجاہد بھی ہیں اور داعی بھی۔ ان کی ایک کتاب جو انہوں نے امیر جیش محمد مولانا مسعود اظہر پر لکھی جہادی حلقوں میں بے پناہ پزیرائی حاصل کر چکی ہے اور ان کی ایک اور درخشاں تصنیف مولانا طارق جمیل کی حیات کے بارے میں طباعت کے آخری مراحل میں ہے۔

پاکستان میں بلکہ عالم اسلام میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو یورپ اور اسلامی زندگی کا خوبصورت انداز میں موازنہ کریں۔ روحانی اور عملیات کی دنیا میں اللہ نے حکیم صاحب کو گراں قدر صلاحیتوں

سے نوازا ہے لیکن وہ اپنے عملیات اور روحانی علم کو جس قدر چھپاتے ہیں عرب وعجم اور یورپ میں اس کی خوشبو اس قدر پھیل رہی ہے۔ عباسیان بہاولپور کے آبائی شہر احمد پور شرقیہ میں یہ فقیر علم وعرفان کی خیرات بانٹ رہا ہے۔ ان کے مطب میں جب بھی کوئی مریض آتا ہے تو اللہ کے فضل سے شفایابی کی نوید لے کر جاتا ہے۔ حکیم صاحب شہر شہر گھومتے ہیں اللہ والوں کے آستانوں اور درویشوں کی خانقاہوں پر حاضری دیتے ہیں۔ میں نے زندگی کے کم وبیش بیس سال ان کی تربیت اور قربت میں گزارے ان جیسا انسان میرے مشاہدے میں کم ہی آیا۔ انہوں نے مجھے لکھنا سکھایا‘ تحریر تصنیف کا انداز بتایا۔ میں آج زندگی میں جو کچھ ہوں ان کی مہربانیوں‘ احسانات اور دعاؤں کی برکت سے ہوں۔ میرے والدین کی وفات کے بعد جب سارے زمانے نے مجھ سے منہ موڑ لیا تو وہی ایک شخصیت تھیں جنہوں نے مجھے آگے بڑھنے کا حوصلہ سکھایا زندہ رہنے کا قرینہ سمجھایا۔ وہ میرے شفیق دوست اور محسن ہی نہیں میرے لئے باپ کا درجہ بھی رکھتے ہیں۔ میری ہر زیادتی کو وہ خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں لیکن کبھی اپنی ذات سے دور نہ کیا۔ حالات کے سمندر میں جب بھی ڈوبنے لگتا ہوں ان کی دعائیں مجھے اچھال دیتی ہیں۔

ان کا نام اور ان کی باتیں میرے لئے سکون کا باعث ہیں۔ ان کی شخصیت کے کسی ایک پہلو پر لکھنے کے لئے ہزاروں صفحات درکار ہیں۔ اللہ رحم ہر اس مادر پر رحم جو حکیم محمد طارق محمود چغتائی جیسے اسلام پر مرمٹنے والے بطل حریت اور داعی جنے۔

صراط مستقیم

مسجد کے ہال میں مرشدی سیدی متین ہاشمی کی رفاقت میں قدم رکھا تو منظر کچھ اور ہی تھا۔ ایک نوجوان کوثر وتسنیم میں ڈھلی لسان صدق سے پرسوز آواز میں کتابِ حکمت کی تلاوت کر رہا تھا۔ ماحول آہوں اور سسکیوں سے معمور...... طلبہ واساتذہ علماء اور معززین کا جم غفیر...... آج 17 سالہ رفاقت کا ظاہری رابطہ ٹوٹنا تھا۔

یونیورسٹی میں بہت سے کانووکیشن دیکھے...... بخدا دارالعلوم کراچی جیسی ختم بخاری شریف کی تقریب پہلے کبھی نہ دیکھی‘ چند نوجوان جن کے ہاتھوں امام اسماعیل بخاریؒ کی ''بخاری شریف'' جنہیں آج اعلیٰ وارفع مقصد کے لئے آئندہ کا متعین لائحہ عمل لے کر نکلنا تھا‘ اعتماد اور یقین کے

پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ مؤدب، قانع اور تھرا دینے والے ایقان کے ساتھ سر جھکائے عارف باللہ مفتی تقی عثمانی کی طرف ہمہ تن گوش تھے۔ علاقائی و لسانی عصبیتوں سے اٹے اس شہر کے ایک گوشے میں فرزندانِ توحید کو سبق پڑھایا جا رہا تھا کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور قیامت کے دن اعمال ہی نہیں لفظ بھی میزانِ عدل میں رکھے جائیں گے۔ علم اور عمل کی ایسی قدر افزائی دیکھ کر طبیعت سرشار تھی۔ آج انہیں محمد عربیؐ کے دین کی تکمیل کی سند عطا ہونا تھی۔ میری آنکھیں بار بار چھلک پڑیں۔ دل میں کم مائیگی کا احساس آنکھوں کے راستے بہہ نکلا۔ جامعہ کے شیخ الحدیث کے ہاتھوں کا لمس آن واحد میں مردم خیز اور حریت پسندوں کی سرزمین دیوبند لے گیا جہاں کے علماء نے ہر دور میں خارجی اور داخلی طور پر اسلام کا تحفظ کیا۔ دنیائے کفر کی سازشوں کے نتیجے میں جو باطل فرقے اٹھتے رہے ان کا عملی و فکری اور علمی محاسبہ وہاں کے رجال دین نے کیا۔ بیسویں صدی میں فعال اور جاندار تحریکیں اسی مادر علمی سے اٹھیں۔

اباجیؒ اور اساتذہ کرام سے سنے ہوئے واقعات پردہ ذہن پر نمودار ہو رہے تھے۔ مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہند، مولانا حسین احمد مدنیؒ مفتی محمد شفیع، قاری محمد طیبؒ اور حضرت تھانوی رحمت اللہ علیہ کو دیکھا تو نہیں لیکن دارالعلوم کراچی کی اس عظیم الشان درسگاہ میں ان اکابرین کی خوشبو محسوس کر رہا تھا۔ محبت و مروت کے راستوں سے آشنا، دولتِ توحید سے مالا مال۔ دعوت و جہاد کے اظہار کی قدرت رکھنے والے طلبہ کو دیکھ کر اطمینان تھا کہ طاغوت لاکھ حربے آزمائے، مکاریوں کے جیسے بھی بھیس بدلے، تہذیب و تمدن کے لئے انہیں جس طرح بھی خطرہ بنا کر پیش کرے، یہ ہر حال میں کامیاب رہیں گے۔ یہ بوریا نشین تعلیم و تعلم میں ہوں یا افغانستان کے اجنبی راستوں میں یا استعمار کے ظلم کا نشانہ۔ قندھار و ہرات میں بے نام ہو جائیں یا جنت نظیر کشمیر کی شاداب وادیوں میں ان کی آواز روزِ حشر تک کے لئے خاموش کر دی جائے یا پھر ''کیوبا'' کے بے رحم اور سفاک ماحول میں اذیت سے دوچار ہوں، ہر حال میں کامیاب ہیں۔ بقول امیرِ شریعت بطلِ حریت سید عطا اللہ شاہ صاحب بخاریؒ ''ہم روشنی کے علمبردار ہیں۔ ہمارے راستے روشن ہیں ہم روشنی میں چلنے والے ہیں۔ ہمارا وجود اندھیروں کے لئے چیلنج ہے۔'' مالٹا کے جزائر اور قید افرنگ کی مشقتیں نہ انہیں کل جھکا سکیں نہ آج سرنگوں کر سکیں گی۔ ان کے ارادے ہمالیہ سے زیادہ بلند اور اعصاب فولاد سے زیادہ قوی ہیں۔ کوئی بتائے جہان آب و گل کی عشرتوں کے اسیروں کو کہ یہ بھاری پگڑیوں اور گھنی داڑھیوں اور لمبی لمبی قباؤں والے عظیم مقصد

حیات رکھتے ہیں۔ یہ زمانے کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں۔ ہواؤں کا رخ دیکھ کر راستہ نہیں بدلتے۔ ترغیب وتحریص ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں لاسکتی۔ رسالت مآب ﷺ کے دین کے وارث، ظاہری اعتبار سے بے حیثیت ہوکر بھی تاریخ کے ماتھے پر ایسے نشان ثبت کر جاتے ہیں کہ تاریخ ان شب بیداروں پر صدیوں ناز کرتی ہے۔ دارالعلوم کراچی کے طلبہ کی کوئی انجمن نہیں۔ حقوق کی بازیابی کے لئے شیخ الجامعہ کے دفتر کا گھیراؤ نہیں کرتے۔ یہ امن وامان کے لئے خطرہ بھی نہیں بنتے۔ 17,16 سال تک اپنی راتوں کا لہو کرتے ہیں پھر معاشرے میں پھیل جاتے ہیں۔ اپنوں اور غیروں کے طعنوں کے تیر اپنے سینے پر سہتے ہیں۔ مگر زبان پر شکوہ نہیں لاتے۔ ایک ہی تڑپ میں گھلتے اور پگھلتے رہتے ہیں کہ دین زندہ ہوجائے ہر کچے اور پکے مکان تک سرکار دوعالم ﷺ کا پیغام پہنچ جائے۔ آسودگی ان کے گھروں کے قریب سے بھی نہیں گزرتی، سبحان اللہ تربیت ایسی کہ قلب وذہن میں ظلمت جگہ پا ہی نہیں سکتی۔ روشنی ہی روشنی جوان کی فکر کو ہی روشن نہیں کرتی بلکہ معاشرہ بھی ان سے فیض یاب ہوتا ہے۔

ہمارے مدارس دینیہ کے اسّی فیصد طلبہ ایسے ہیں جن کو صبح کا ناشتہ تک نصیب نہیں ہوتا۔ چند بڑے مدارس کو چھوڑ کر اکثر طلبہ دوپہر اور شام کو معمولی نوعیت کا کھانا کھاتے ہیں۔ لیکن نیند سکون کی سوتے ہیں۔ ان کو اعصابی تناؤ ہے نہ ڈپریشن، دینی مدارس کے طلبہ ہتھیار اٹھانے اور ہتھیار ڈالنے سے واقف ہی نہیں۔ ان پر دہشت گردی کی تہمتیں بڑے زور شور سے لگائی جاتی ہیں۔ قدم قدم پر ان سے نفرت کی جاتی ہے جبکہ یہ نفرت کرنے والوں کی ابدی ہدایت کے لئے آخر شب اپنے مالک کے سامنے مناجات کرتے ہیں۔ ان کے پاس علم ہی نہیں بصیرت بھی ہے ظاہری ناکامی بھی ان کے لئے کامیابی ہوتی ہے۔ وفاق المدارس لاکھوں دینی طلبہ کے امتحانات کے انتظام وانصرام کا ذمہ دار ہے۔ دوران امتحانات ان پر نگران نہ بھی مقرر کیا جائے نقل اور Unfear means کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فرنگی جن قلعوں میں شگاف نہ ڈال سکے اپنے اب ان نظریاتی قلعوں میں دراڑیں ڈال رہے ہیں۔ ان کا وقار ختم کرنے کے لئے ذرائع ابلاغ متحرک ہیں۔

دوسال ہوئے سفیر افغانستان ملا عبدالسلام ضعیف کے ہمراہ مولانا عبداللہ شہیدؒ کی جامعہ فریدیہ اسلام آباد کے ''ختم بخاری شریف'' میں شرکت کا موقع ملا۔ سفیر افغانستان طلبہ کے سامنے سمٹے سکڑے بیٹھے تھے۔ نماز مغرب پڑھائی بعد میں خطاب کیا کہ آپ کی دعاؤں کی برکت سے

اللہ نے طالبان کو کامیابی دی ہے۔ میرے لئے ہدایت کی دعا کرتے رہئے کہ اللہ صراط مستقیم پر رکھے۔ کیوبا کے پنجروں میں قید یہ مرد حریت واقعی صراط مستقیم پر ہے۔ ظلم کرنے والے اندھے ہیں۔ بصیرت کی روشنی ان سے چھین لی گئی ہے۔ عقل پر پردے ڈال دیئے گئے ہیں۔ جوش انتقام نے ان سے شعور اور انسانیت سلب کر لی ہے۔ وہ جیت کر بھی پریشان ہیں۔ کامرانی بھی ان کے لئے ذلت ہے۔ جو دنیاوی کامیابیوں کو عزت سمجھیں بھلا شرف انسانیت سے عاری نہیں تو اور کیا ہیں۔ دارالعلوم کراچی کو دیکھ کر مفتی محمد شفیعؒ کے لئے دل سے دعائیں نکلیں کہ اللہ ان کی تربت پر انوار و فیوض کی بارش فرمائے۔ سلام ہے مفتی اعظم کی دور اندیشی پر کہ کراچی سے دور صحرا میں ڈیرے لگائے جواب علم و عرفان کا چمنستان بن گیا ہے۔ وہ آنے والے کل کے تقاضوں کو خوب سمجھتے تھے جگہ وہ بھی وسیع مقدار میں ان کی نگاہِ دوررس کی تحسین کے بغیر جامعہ سے نہ نکل سکا۔

دارالعلوم کراچی کے سرخیل حضرت الاستاد شیخ الحدیث جسٹس (ر) مولانا تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ کا تذکرہ نہ کرنا ناسپاسی ہوگی۔ جو اللہ کی رحمت اور ہدایت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ حضرت والا کو اللہ نے نظرِ جوہر شناس قدیم اور عصری علوم پر دسترس اور دور بینی کی نعمت عطا فرمائی ہے علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقے میں یکساں مقبول و محبوب ہیں۔ ایسا لٹریچر لکھا ہے جو برسوں کے بھٹکے ہوئے اذہان اور پراگندہ دلوں کو اپنے اصل کی طرف موڑنے اور واپس لانے کے لئے مدد و رہنمائی فراہم کرے گا۔ طلبہ کی تربیت ایسے انداز میں کر رہے ہیں کہ وہ جب معاشرے میں جائیں تو فروعی مسائل کی بجائے دعوت کو ترجیحات کا مرکز بنائیں۔ ختم بخاری شریف کے موقع پر آپ کا دل آویز خطاب علم حدیث کی تکمیل کرنے والوں کو آئندہ زندگی کا لائحہ عمل مرتب کرنے میں معاونت کرے گا۔ وہ منزل مقصود تک جانے کے لئے نئے راستے نکالنے اور راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو عبور کرنے کے لئے توجہ قرونِ اولیٰ کی طرف مبذول کرا رہے تھے۔ مفتی صاحب نے اپنے طلبہ میں اعتماد پیدا کیا ہے کہ اسلام ایک عقلی و عملی دین ہے جو عہد حاضر کے مسائل سے نمٹنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ طلبہ کے اندر تحریف شدہ دیگر آسمانی کتابوں اور کتاب اللہ کی تعلیمات کا تجزیہ سکھایا۔ میں مبارکباد پیش کرتا ہوں دارالعلوم کراچی کے طلبہ کو کہ آپ کو ہی غالب رہنا ہے۔ باطل کا ظہور ہی مٹنے کے لئے ہوا ہے۔ آپ کی محنت کا میدان وسیع ہے امت تک سیدہ فاطمہؓ کے بابا کا انقلابی اور دائمی پیغام پہنچانے کے لئے قدم بڑھائیے۔ خدا ضرور آپ کی نصرت فرمائے

موتی (مَالا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وطن سے غداری کرنیوالے اور اسکی حاکمیت کا سودہ کرنیوالے آخر خود بھی غلام قوم کے فرد کہلاتے ہیں۔ نڈر، بہادر لوگ وطن کی حفاظت ماؤں کی عصمت کی طرح کرتے ہیں۔ اور عظیم قوم کے فرد کہلاتے ہیں۔

☆☆☆

مومن ہر حال میں خوش رہتا ہے۔

☆☆☆

بدگمانی خدشات پیدا کرتی ہے۔ خدشات سے دلوں میں دوری پیدا ہوتی ہے ٹوٹے ہوئے دل ملت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرتے ہیں۔ پھر اغیار گدھوں کیطرح جھپٹتے ہیں۔

☆☆☆

حاکم وقت اللہ والوں کی مجالست کی خواہش رکھے یہ اس کی خوش بختی کی علامت ہے اور اللہ والے، شاہوں کے قرب کی خواہش رکھیں یہ ان کی بدبختی ہے۔

☆☆☆

اللہ والوں کی فراست سے بچو وہ اپنے رب کے نور سے دیکھتے ہیں۔

☆☆☆

وہ اللہ والا ہی نہیں جو لوگوں سے مانگتا پھرے، اللہ والے تو اپنے رب سے مانگتے ہیں اور مخلوق میں تقسیم کرتے ہیں۔

☆☆☆

جو فرد یا اقوام کارِ نبوت سے ٹکرائیں گے وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

☆☆☆

ہم گناہ گار سے نفرت تو کرتے ہیں لیکن گناہ سے نہیں، غلطیوں پر درگزر اصلاح کی سیڑھی ہے۔ بعض اوقات ظالم کے ظلم کرنے میں ہمارا اپنا کردار بھی ہوتا ہے۔ گناہ سے نفرت اور گناہ گار کی اصلاح ہوتی تو جرائم کی تعداد میں اس قدر اضافہ نہ ہوتا۔

☆☆☆

صحابہ کرامؓ سے بغض رکھنے والوں کا انجام (آخری وقت) بھیانک ہوتا ہے۔

☆☆☆

فریب کار دوست کا شکوہ کرنے سے بہتر ہے کہ اپنی عقل کی اصلاح کرو، کیونکہ تمہاری عقل ایک مکار کو دوست سمجھ بیٹھی ہے۔

☆☆☆

جن کے دل میں رضائے الٰہی اور نیت میں اخلاص ہوتا ہے قدرت خود ان کی رہنمائی کرتی ہے۔

☆☆☆

اللہ تبارک وتعالیٰ اس وقت تک ظالم کو نہیں پکڑتے جب تک اس تک حق نہ پہنچ جائے۔

☆☆☆

قرآن مجید مکمل ضابطہ حیات ہے اس میں زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق احکامات ہیں۔ اللہ نے اس میں اپنے برگزیدہ پیغمبروں اور ان کی امتوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ اور کامیاب لوگوں

اور ناکام لوگوں کے حالات بھی بتائے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جان قربان کرنیوالوں کے واقعات بھی ہیں۔ اور اللہ سے اعلان جنگ کرنیوالوں کے عبرت ناک قصے بھی، مختصر یہ کہ اس میں زندگی کے ہر گوشے کا تذکرہ ہے ہم یہ سوچیں کہ ہم کس طبقے میں ہیں اور اس طبقے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کیا فرمان ہے۔

☆☆☆

اچھے دوستوں کی طرح اچھی کتاب کا انتخاب بھی ضروری ہے۔

☆☆☆

اسلام نے جتنی آزادی دی ہے وہ امت کیلئے کافی ہے۔ جو پرندہ آزادی کیلئے نئے راستے تلاش کرتا ہے وہ اپنی منزل سے دور چلا جاتا ہے۔

☆☆☆

جھوٹ سے ضعف پیدا ہوتا ہے اور سچ سے قوت بڑھتی ہے۔

☆☆☆

استاد کی عزت کنواری دوشیزہ کی عصمت سے بھی زیادہ نازک ہوتی ہے۔

☆☆☆

زندگی شجر سایہ دار ہے۔ جس کو وقت کی دیمک مسلسل چاٹ رہی ہے۔ خدا جانے یہ درخت کب زمین بوس ہو جائے۔ زندگی کے اس درخت سے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اعمال کا فائدہ دو۔

☆☆☆

خوبصورت خیالات سے حالات نہیں بدلتے حالات عمل سے بدلتے ہیں۔

☆☆☆

حق کا پرچار کرنے والے افراد کی زندگیوں کے متضاد عمل نے حق کیلئے لوگوں کی سماعتیں بند کر دی ہیں۔ لاکھوں مسلمان، لاکھوں اللہ کے گھر لیکن پھر بھی قیادت کا فقدان۔

☆☆☆

دعا دھیان سے مانگو، دھیان نہ بھی ہو تو ہر حال میں اللہ سے دعا کرنی چاہیے۔ دعا مانگنا ضروری ہے دھیان ضروری نہیں۔

☆☆☆

انسانوں کو آج بگڑتی ہوئی معاشیات سے خطرہ محسوس ہو رہا ہے ان کی ایمان کی سمت محبوبِ خدا کی طرف موڑ دو، کوئی مسئلہ مسئلہ نہ رہے گا۔

☆☆☆

سائنسی حقائق کی عمارت اکثر غلط مفروضوں کی بنیاد پر تعمیر ہوتی ہے۔

☆☆☆

حضرت شہباز قلندر کی تربت پر جائیں تو بے نمازیوں کا ہجوم، نامحرم عورتوں کا سیلاب، بھنگ اور چرس سے فضا آلودہ، ہر بے حیائی موجود، ہر اچھائی سے دور۔ عرس کے موقع پر طوفان بدتمیزی ہوتا ہے۔ ہمارے ان عملوں سے ان اللہ والوں پر کیا گزرتی ہوگی۔ کہاں انکی تعلیمات ہیں۔ حضرت راجن قتالؒ، حضرت مخدوم جہانیاںؒ، حضرت بہاؤالدین زکریاؒ، حضرت علی ہجویریؒ یہ سب لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر اپنے آباؤ اجداد کی قبروں کو چھوڑ کر سینکڑوں میل دور یہاں جس مقصد کیلئے تشریف لائے۔ ان کے مشن کی وضاحت ان کے گزرے ہوئے شب و رُوز ہیں۔ اللہ کی یاد میں ہمارے لئے، بہترین سبق اور راستہ باقی سب کچھ باطل۔

☆☆☆

آدمؑ کو شیطان نے سجدہ نہ کیا اور رندۂ درگاہ ہوا۔ اور شیطانی عمل کرنیوالا اللہ کا دوست کیسے ہو سکتا ہے؟

☆☆☆

اتنا چلو کہ رُکنا مشکل نہ ہو اور اتنی قربت رکھو کہ فراق کا کرب نہ ہو۔

☆☆☆

دریا اپنا رُخ موڑ لیتے ہیں۔ لیکن صدیوں اس کے نشانات قائم رہتے ہیں۔ اسی طرح اللہ والوں کا فیض صدیوں جاری رہتا ہے۔

☆☆☆

اس عمل کی ستائش نہ کرو جس عمل کو اپنی آخرت کیلئے اچھا نہیں سمجھتے۔

☆☆☆

مسلمان تکلیف میں مبتلا ہو تو اس کی تکلیف پر تحقیق کرنے کے بجائے تکلیف کو دور کرنا فرض ہے۔

☆☆☆

آپ نے زندگی کی کتنی بہاریں دیکھی ہیں۔ وہ بہاریں نہیں جو غفلتوں میں گزری ہیں۔ بلکہ وہ جو آنیوالی ہیں۔ ان پر نظر رکھو۔ ورنہ ایک دن ہمیشہ کیلئے خزاؤں میں ڈوب جاؤ گے۔

☆☆☆

دعا اور سعی قول و فعل میں تضاد ختم کرسکتی ہے۔

☆☆☆

اپنے ریوڑ کے بارے میں باخبر چرواہا بہتر ہے اس حکمران سے جس کو اپنے لوگوں کا حال معلوم نہ ہو۔

☆☆☆

نااہل کارواں سالار ہمیشہ اہل کاروں کا شکوہ کرتا ہے۔ چاند کی طرح نمایاں رہنے کا شوق ہے تو ہر طرف چاندنی بکھیرو۔

☆☆☆

سامعین کی طلب ہی مقرر کو بولنے کی شدت پیدا کرتی ہے۔

☆☆☆

اخلاص سے نکلی ہوئی بات پتھروں کے سینے بھی چھلنی کر دیتی ہے۔

☆☆☆

جس طرح خزاں کے بعد بہار آتی ہے۔ اسی طرح مشکلات کے بعد راحت آتی ہے۔

حالات بدلنے کا بھی موسم ہوتا ہے حالات دھوپ چھاؤں کی طرح بدلتے ہیں۔ حالات کے بدلنے کے ساتھ اندرونی کیفایت بھی بدلتی رہتی ہیں، یقین کی منزل اس کو ملتی ہے۔ جو بے یقینی کو روندتا چلا جاتا ہے۔ یقین کسی مادی چیز کا نام نہیں بلکہ یقین تو صرف ایک روّیہ اور مزاج ہوتا ہے۔

☆☆☆

ہر بڑی مشکل، عظیم ترین مشکل سے چھٹکارے کیلئے آتی ہے۔

☆☆☆

مسجد میں ہزاروں افراد بھی انفرادی نماز پڑھیں وہ جماعت نہیں کہلائے گی۔ تین افراد بھی مل کر نماز پڑھیں تو وہ جماعت کہلاتی ہے۔

☆☆☆

مصیبتوں میں غرق شخص کو بارگاہ الٰہی میں اٹھتے ہوئے ہاتھوں کے قبول نہ ہونے کا شک ہوتا ہے۔

☆☆☆

جسے اپنے علم کے کامل ہونے کا یقین ہے وہ جاہل ہے۔

☆☆☆

قرض ایک موزی مرض ہے۔ اس مرض سے بچنا چاہیے۔

☆☆☆

رسالت مآبؐ کے حضور گل ہائے عقیدت پیش کرنے کیلئے غربت اور امارت رکاوٹ نہیں۔ حضور کریمؐ مساکین، عاجزوں، معذوروں، غریبوں میں غریب، شہنشاہوں میں شہنشاہ ہیں۔ تنگ دستیاں آپؐ کی الفت کے راستے میں رکاوٹ نہیں۔ نہ دولت اور نہ جاہ وحشمت آپؐ کی قربت کی ضمانت ہے۔

☆☆☆

بے فیض مزاروں سے چادروں کو چھین لینا ہی عافیت ہے۔

☆☆☆

ارض وسماء پر حق و سچ، تاریکی اور سویرا، تکذیب و تردید اور تصدیق و تحریص سب پائے جاتے ہیں۔ یہ انسان کا خارجی عمل ہے۔ انسان کا اندر، باطل اور حقانیت، بھلائی اور نیکی میں نشوونما پاتا رہتا ہے۔ اہل ایمان یقین کی دولت سے خدشات کی غربت کو ختم کرتے ہیں اور بھلائی کے راہ گزر بنتے ہیں۔

☆☆☆

موت اور زندگی سڑک کے دو کنارے ہیں۔ جب یہ دونوں مل جائیں تو زندگی کا اختتام ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

موسیقی سے اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ ذکر اللہ سے اور انسان کی بھلائی سے سکون پیدا ہوتا ہے۔ حقارت جلاتی ہے۔ حقارت سے اپنے ہی اندر وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ جس دن کائنات سے محبت ختم ہوگئی تو سکون بھی روٹھ جائے گا۔

☆☆☆

جس کا دل مسجد میں نہ لگے وہ منافق ہے۔

☆☆☆

جن کے جسم پر جمہوریت کے چیتھڑے نہ ہوں وہ آمریت کو فروغ نہیں دیں گے تو اور کیا کریں گے۔

☆☆☆

انسان ایٹم بنانے کے باوجود غیر محفوظ ہے۔ مقصد کا تعین نہ کرنا خوف کو دعوت دینا ہے۔ اللہ سے یاس نسان کو حزن میں مبتلا کرتی ہے، حرص کے اختتام پر ڈر کی موت ہوتی ہے۔ انسان نے زندگی کی حفاظت کیلئے اپنے آپ کو تنہا کر لیا ہے۔ چہار سو ڈر ہی ڈر ہے اس ڈر سے محفوظ ہونے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ صرف ایک ہی سے ڈرا جائے۔

☆☆☆

مذہب کے بعد سب سے بڑی نعمت آزادی ہے۔

☆☆☆

اس دنیا میں ایسے بھی اللہ والے ہیں۔ جو معاشرے میں تادم زیست بے حیثیت رہتے ہیں۔ جوہری کی نظر سے اوجھل ہیرا، ہیرا ہی رہتا ہے۔ یہ امر ربی ہے کہ وہ عشاق کو جس کیفیت میں رکھے۔ کہیں کسی کو ثریٰ سے ثریا تک پہنچا دیتا ہے اور کسی کو در بدر کی ٹھوکریں۔ عاشقان خدا ہر ساعت مسرت سے بسر کرتے ہیں۔ صاحب نسبت کیلئے بیماری بھی رحمت ہے۔

☆☆☆

حالات کے سانچوں میں ڈھلنے والے رشتوں سے لاتعلق رہنا بہتر ہے۔

☆☆☆

اللہ کو جاننا نہیں ماننا معرفت ہے۔ معرفت وہ راستہ ہے۔ جو حالت شکر کیطرف جاتا ہے۔ عزت والے کی عزت کے سامنے کسی کی عزت سے متاثر نہ ہونا معرفت ہے۔ خدا زمین کی وسعتوں میں نہیں سما سکتا مگر مومن کے دل میں سما سکتا ہے۔

☆☆☆

جس ملک میں اچھی باتیں نہ ہوں اس ملک سے ہجرت کر جانا ہی بہتر ہے۔

☆☆☆

انسان کیلئے کامیابی اشد ضروری ہے لیکن ماں کی گود سے گور تک ترقی عظیم کامیابی ہے۔ جسکی حیات اور موت دونوں سہل ہوں وہ سب سے کامیاب انسان ہے۔

☆☆☆

غریب مومن کی تحقیر اللہ کی تحقیر ہے۔

☆☆☆

دعا پڑھنے سے زیادہ دعا مانگنا بہتر ہے۔ اخلاص سے مانگی ہوئی دعائیں آبدیدہ کر دیتی ہیں۔ آبدیدہ آنکھوں پر جہنم حرام ہے۔ اخلاص سے بہتے ہوئے آنکھوں سے موتی، بارگاہ الٰہی میں

قبولیت کی نشانی ہیں۔ دعا ایمان والوں کا پہلا اور آخری آسرا ہوتی ہے دعا بیمار کو تندرست، مشکل کو آسان اور ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہے۔ تقدیر اور زمانے کا رخ موڑ دیتی ہے دعا میں بڑی طاقت ہوتی ہے جب تک دل میں خوف خدا رہتا ہے دعا پر ایمان رہتا ہے۔ اللہ کے حضور ہاتھ پھیلا کر اور گڑگڑا کر دعا مانگنی چاہیے کہ وہ دعاؤں کے مانگنے کی نعمت سے محروم نہ کرے۔

☆☆☆

جس کو اپنی زبان پر قابو ہے وہ کبھی پشیماں نہیں ہو سکتا۔

☆☆☆

مایوس لوگ مایوسی کو دعوت دیتے ہیں پُر امید لوگ دوسروں کے دلوں میں امیدوں کے چراغ جلاتے ہیں۔

☆☆☆

علم کی محفل جنت کا گلستان ہے۔

☆☆☆

سوچ کر قدم رکھنے والے غلطیاں کم کرتے ہیں۔

☆☆☆

محبوبِ خداؐ سے محبت، خدا سے محبت کی دلیل ہے۔ پُر امید اور سچے لوگ دوسروں سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ اپنے محبوب کی محبت عطا کرتا ہے تو محبوبِ خداؐ اپنے خدا سے محبت کا راستہ دکھلاتے ہیں۔ محبوب اور محبوبِ خدا کے عشق میں معذوری کفر ہے۔ محبت حقیقت پیدا کرتی ہے سوئے جذبوں کو جگاتی ہے۔ غمِ دوراں سے مفر کا راستہ صرف اللہ سے محبت ہے۔

☆☆☆

علم کی کاٹ تلوار کی کاٹ سے زیادہ ہوتی ہے۔

☆☆☆

عظیم ترین نیکی یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت قائم کی جائے جو دعوت دے۔ کلمہ اور کلمہ کی بنیاد

پر معاشرہ تشکیل دیا جائے تو اسلامی نظام سالوں میں نہیں مہینوں میں نافذ ہو جائے گا۔ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے بکھرے ہوئے موتی کبھی مالا نہیں کہلائیں گے۔ کلمہ کی دعوت سے پھر وہ زمانہ آ سکتا ہے جس کا سب کو انتظار ہے کلمہ اللہ کی وحدانیت اور مخلوق کی وحدانیت کا نام ہے۔

☆☆☆

جاہل کی انکساری، عالم کے تکبر سے بہتر ہے۔

☆☆☆

بہترین حکمت عملی ایمانداری ہے۔

☆☆☆

کسی بھی تحریکی سفر میں کامیابی اور ناکامی کو کوئی اہمیت حاصل نہیں، ایمان، اعمال کے راستے میں ناکام ہو جانے والا اس دنیادار سے بہتر ہے جس کی مطیع ساری دنیا ہو۔ تحریکی مقصد بلند ہونا چاہیے۔ نتائج کی پرواہ کیے بغیر زندگی میں ناکامی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

☆☆☆

دنیا سے زیادہ خطرناک دنیا سے محبت ہے۔

☆☆☆

بلندیوں پر نگاہِ مقصد مرکوز رکھو۔ لیکن اس بات کو ذہن سے محو نہ ہونے دو کہ تمھارے قدم پستیوں پر ہیں۔

☆☆☆

منافق اللہ کا دوست نہیں ہو سکتا۔ مسلمان پر کافر کو ترجیح دینا منافقت ہے۔ اندر اور باہر میں فرق منافقت ہے۔ جو قرآن تو پڑھتا ہو لیکن اس کو عمل کے لائق نہ سمجھتا ہو وہ منافق ہے جو اپنے آپکو تمام مسلمانوں سے بہتر سمجھے وہ منافق ہے، جو ماں باپ کا مذاق اڑائے اور دوستوں کا احترام نہ کرے وہ بھی منافق ہے۔

☆☆☆

جس آنکھ میں اللہ کے خوف سے آنسو ہوں وہ بہتر مومن ہے اور جسکی آنکھ میں اللہ کے شوق کے آنسو ہوں وہ بہترین مومن ہے۔

☆☆☆

جو خطاؤں پر نادم اور عطاؤں پر متشکر رہے گا۔ وہ مصائب سے محفوظ رہے گا۔

☆☆☆

ایک خدا۔ ایک قران۔ ایک رسول۔ اللہ کے مومن کیساتھ آج بھی وہی وعدے۔ آسمان پر چلنے والے وہی ستارے۔ وہ ہی دن رات اور وہی موت اور زندگی کا کھیل۔ لیکن قرونِ اولیٰ، دور نہیں۔ فکر کریں کس چیز میں کمی واقع ہوئی کہ جس کی وجہ سے سکون روٹھ گیا ہے وجہ صرف اور صرف ایک ہے کہ کارِ نبوت کو نہجِ نبوت پر نہیں کر رہے۔

☆☆☆

مسلمان کا دل توڑنے والا اللہ کے قرب سے محروم ہوتا ہے۔

☆☆☆

رسالت پناہؐ کے کسی عمل پر دنیا کے بڑے سے بڑے دانشور کے عمل کو ترجیح دینا شرک عظیم ہے۔

☆☆☆

اطمینان چاہتے ہو تو سب کیلئے اطمینان طلب کرو۔ اللہ سے تعلق چاہتے ہو تو اللہ کے دوستوں سے تعلق پیدا کرو۔ اللہ کی طرف سے نظرِ رحمت چاہتے ہو تو لوگوں کے ساتھ شفقت سے پیش آؤ۔ ہمارے اعمال کے مطابق اوپر سے احوال ترتیب پاتے ہیں۔

☆☆☆

اگر ہم اپنی کمزوریوں کو پوشیدہ کرنے کے بجائے ان کو ختم کرنے کی کوشش کریں یہ زیادہ بہتر اور پسندیدہ عمل ہے۔

☆☆☆

دوسروں میں خامیاں تلاش کرنیوالا ہمیشہ خوبیوں سے محروم رہتا ہے۔

☆☆☆

اگر کسی کو کوئی غم لگ جائے وہ یا تو موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے یا پھر عظیم کامیابی کی گود میں۔

☆☆☆

جوانی، دولت، شہرت اور علم سب خدا کی عطائیں ہیں۔ ان عطاؤں کو اس کے راستے میں ہی استعمال کرنے سے نعمتوں کو زوال بہت کم آتا ہے۔

☆☆☆

قوموں کے وارث اور محافظ طالب علم ہوتے ہیں۔

☆☆☆

دنیا نے اپنی تمام تر رعنائیوں کے باوجود ختم ہو جانا ہے۔ آخرت ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہے۔ اختتام سے پہلے ہمیشہ ہمیشہ کی منزل لینے کیلئے اللہ کی رضا طلب کرو۔ اللہ کی رضا اسکے محبوب کی اطاعت ہے۔

☆☆☆

سب سے خوبصورت اور پیارا چہرہ وہ ہے جس کے دیکھنے سے اس کا بنانے والے کا دھیان آجائے۔

☆☆☆

دنیا کی رونقوں میں ہماری شناخت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ طالب علم استاد، مفلس، تونگر، پست، بالا، چوہدری، سردار، ملک، خان وغیرہ وغیرہ لیکن موت کے بعد سب انسانوں کی ایک ہی شناخت ہوتی ہے ”لاش“۔

☆☆☆

بے عملی کا دور ظلمت اور علم کا دور نور ہوتا ہے۔

☆☆☆

افضل ترین زندگی وہ ہے۔ جس میں اللہ اور اس کے رسول کی خالص محبت ہو۔

☆☆☆

انسان جس حالت میں مرے گا، ویسی ہی حالت میں اسے کھڑا کیا جائے گا۔ مناجات کریں کہ موت ایمان کی حالت میں آئے۔ ورنہ ہر حالت خسارے والی حالت ہے۔

☆☆☆

گناہ کا دوبارہ نہ ہونا توبہ کی قبولیت کی دلیل ہے۔

☆☆☆

وہ انسان جھوٹا ہے جو ایسی بات کہے کہ سننے والا کوئی اور مطلب لے جبکہ کہنے والے کے دل میں کوئی اور مطلب ہو۔

☆☆☆

شخصیت خیالات اور نظریات سے بنتی ہے نا کہ خوبصورت لباسوں سے، خیالات اور نظریات میں جیسے جیسے تبدیلی ہوگی۔ شخصیت بھی تبدیل ہوتی جائیگی۔

☆☆☆

لوگ نمرود کی سی حکومت چاہتے ہیں اور ابراہیمؑ کی سی آخرت۔ یہ کیسے ممکن ہے؟

☆☆☆

اللہ کی یاد کے بغیر سکون ناممکن ہے۔ مومن کے جس طرز عمل سے اس کو سکون دل حاصل ہوا وہ بھی اللہ کی یاد کا ایک رخ ہے۔ یادالٰہی سے سکون قلب ملے گا۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کرنیوالوں کی صحبت سے بھی سکون ملے گا۔ دررسولؐ کی حاضری میں آنا۔ اللہ والوں کی تربتوں پر جانا، کامل مرشد کی خدمت میں پیشی سب سکون کے سنگ میل ہیں۔ یہ سب یادالٰہی کی راہ کے پڑاؤ ہیں اللہ کی رضا پر عمل یادالٰہی ہے۔

☆☆☆

سلوک وارشاد کے تمام راستے بالکل سچے ہیں۔ لیکن مسلمانانِ عالم کی کامیابی اس میں ہے کہ وہ ایک جماعت بنیں۔ طریقت کے سارے چشمے اسلام میں سے ہیں۔ اسلام ایک حقیقت ہے صرف حقیقت۔

☆☆☆

کامیابی صرف ایک مرتبہ دستک دیتی ہے اور پریشانی کئی مرتبہ۔

☆☆☆

عظیم کام کے آغاز سے پہلے اس کی مقصدیت کا ضرور علم ہونا چاہیے سفر پر جانے سے پہلے حالات سفر معلوم کر لینے چاہیں۔ آگ کے راستے سے نکل کر جانا بھی ہو تو آگ سے حفاظت کے لوازمات کا علم ہونا چاہیے، عظیم کام کیلئے قوی جواز ہونا ضروری ہے، ہر علم ہر آدمی کیلئے نہیں، علم و عمل کی منازل طے کرنیوالے اور ہوتے ہیں۔ تعلیم کے حصول والے اور ہوتے ہیں۔ علم کیلئے رخت سفر باندھنے والے اور ہوتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کیطرف دعوت دینے والے اور ہوتے ہیں۔ اور دعوت کا راستہ روکنے والے اور ہوتے ہیں۔ مضبوط جواز رضائے الٰہی تھا: سجدہ حسینؓ تھا۔ عظیم کام تھا؛ بڑا جواز تھا عظیم عمل تھا۔

☆☆☆

وہ مفلس ہے جس کے دل میں نرمی نہیں۔

☆☆☆

ماں باپ کو محبت بھری نظروں سے دیکھنا بھی عبادت ہے۔

☆☆☆

اپنے زیر اثر لوگوں کیساتھ اچھا سلوک یہ ہے کہ ان کے ساتھ انصاف سے پیش آؤ۔ کیونکہ تم بھی ایک عظیم طاقت کے ماتحت ہو۔ جسطرح تم اپنے معاملات میں اللہ سے عافیت کے طالب ہو اسی طرح تم اپنے ماتحتوں کیساتھ عافیت سے پیش آؤ۔ حکومت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کیطرف سے امتحان ہے اور محکومیت بھی۔

☆☆☆

انسان الفاظ سے نہیں بلکہ صرف اپنی بداخلاقی سے دوسروں کو متنفر کرتا ہے۔

☆☆☆

اللہ رَبُّ العِزّت نے حضور نبی کریم کو تمام عالمین کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ یہ تمام امت کی ذمہ داری ہے کہ کارِ نبوت کو نہج نبوت کے مطابق تمام مخلوق تک پہنچائے۔ اسلام نے تو ہر حال میں ہر کچے اور پکے مکان تک جانا ہے۔ ہر رات کے بعد ایک دن بھی آتا ہے۔ اور دن جسطرح روشن حقیقت ہے اسلام بھی ایک حقیقت ہے۔

☆☆☆

وہ دل جس میں خلوص نہ ہو اس بادام کی مانند ہے جسمیں گری نہ ہو۔

☆☆☆

زندگی کا سفر امیدوں کے بغیر کائنات میں عذاب سے کم نہیں۔

☆☆☆

تن کے مندر پر نگہباں بن کر بیٹھو اور یہ جانو کہ اس کے اندر کونسی تمنا جا رہی ہے کونسا ولولہ انگڑائیاں لے رہا ہے جو جذبہ مخلوق کیطرف راغب کرے۔ اس کا راستہ روک لو جو خواہش خالق کیلئے نہ ہو، من کے مندر کا دروازہ اس کیلئے ہرگز نہ کھولو۔

☆☆☆

قرآن مجید پڑھنا ہی نہیں سمجھنا بھی چاہیے۔ یہ لاریب کتاب ہے کتابُ اللہ ان لوگوں کو بلاتی ہے جو حق کے راستے پر ہوں یہ کتاب سراسر نافع ہے۔ منقش قرآن سے اعلیٰ وارفع وہ قرآن ہے جو کسی غریب کے سینے میں ہو۔ قرآن کی نت نئی انداز میں کتابتوں پر ہزاروں روپیہ خرچ کرنے سے بہتر ہے کہ قرآن پڑھنے والوں کی اعانت کیجائے۔

☆☆☆

دولت سے ایک اور مینار پاکستان بنایا جاسکتا ہے مگر ایمان نہیں۔

☆☆☆

خیالات بکھیرنے سے پہلے تول لو۔ تم سے زیادہ اس جہاں میں ذہین لوگ بھی ہیں۔

☆☆☆

والدین کا باغی رزق سے اور اللہ کا باغی علم سے دور رہتا ہے۔

☆☆☆

بدی اور نیکی اللہ تبارک وتعالیٰ کے خزانوں میں سے ہیں۔ اس دلیل کیساتھ کہ نیکی۔ محبت الٰہی کا راستہ ہے۔ اور بدی خدا کے غضب کا باعث، عافیت اور پریشانی کا مالک کیطرف سے آنا ایسے ہی ہے جیسے رات اور دن کا مالک کیطرف سے آنا۔ ہمیں زندگی کی تمام رعنائیاں پسند ہیں اور فنا سے حفاظت کیلئے حصار کی تلاش، زندگی اور موت بھی اللہ کے امر سے آتی ہیں۔ عزت کے نقشے اللہ کیطرف سے ذلت کے نقشے بھی اللہ کی طرف ہے۔ ہم عافیت کے طالب ہیں اور محبت سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں۔ چودہ سو سال سے حق اور باطل میں دونوں راہوں کا یقین کیا جاچکا ہے باطل کو حق کے مقابلے میں ہر حال میں شکست ہوگی۔ داخلی اور خارجی عافیت کی تمنائیں عطائے ربی ہیں۔ فساد ہماری نفسانی تمنا ہے۔ ہم اپنے آپ کو اللہ کی منشا پر چھوڑ دیں تو حق اور باطل کی لڑائی ختم ہو جائیگی، یا پھر اس میں کمی ضرور واقع ہوگی۔ اللہ ہمیں ہمارے نفسوں، اور شیطان کے شر سے محفوظ رکھے آمین!۔

☆☆☆

اللہ تبارک وتعالیٰ پرواز کے بعد پرندے کو رزق عطا کرتے ہیں۔ لیکن ان کے گھونسلوں میں تو نہیں پھینکتے۔

☆☆☆

دین کی اشاعت بھی دین ہے دین کی نظر سے دیکھنا بھی ''بہتر'' دین ہے۔ دین کیلئے سوچنا، غور وفکر کرنا بہترین دین ہے۔ حضورؐ کے دین پر آواز لگانا سنتوں کو زندہ کرنا، حضورؐ کے طریقے پر دعوت دینا افضل ترین دین ہے۔

☆☆☆

مالک کے حضور سر جھکاؤ، مخلوق مطیع ہوگی۔ اس کے در پر جبین نیاز جھکاؤ۔ لوگوں کے دلوں

میں محبت بیٹھے گی۔ معاف کرو معافی ملے گی۔ صدقہ خیرات کرو ایسے مصائب ٹل جائیں گے۔ جنھوں نے چند لمحوں کے بعد نازل ہونا ہے۔ گناہوں پر ندامت کے وقت روؤ اللہ کے پسندیدہ بندے بن جاؤ گے۔

☆☆☆

جسکو اچھے دوست میسر آ گئے اس کا مستقبل روشن ہو گیا۔

☆☆☆

بہترین گفتگو وہی ہے جو مختصر مگر جامع ہو۔

☆☆☆

جب رحمت دو عالمؐ کی گدی نشینی کا سلسلہ نہیں تو اہل اللہ کی گدی نشینی کا نظریہ کیوں ہے؟ مقام فکر ہے۔

☆☆☆

ترقی اس عمل کا نام ہے جسکے بعد تنزلی شروع ہو جائے۔

☆☆☆

ہم جس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کو گھر میں بلاتے ہیں اس کا اکرام کرتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جس کو محبوب رکھتے ہیں۔ اس کو اپنے گھر میں بلاتے ہیں۔ نامہ اعمال میں نیکیاں بھر کر اس کا اکرام کرتے ہیں۔ اور جس سے اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ راضی ہوتے ہیں۔ اس کو اپنا کام کرنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ دعا کریں کہ اللہ ہمارے لئے اپنے دروازے کھلے رکھے اور ہم سے اپنے دین کا کام لے۔

☆☆☆

اللہ سے نہ ڈرنے والوں سے ڈرو۔

☆☆☆

وہ دولت مند بخیل ہے جس کی دولت دین کے بجائے دنیا پر خرچ ہو اور وہ غریب خوش

قسمت ہے جو دنیا کی محبت چھوڑ کر اپنے دل میں محبوب کی محبت بسائے۔

☆☆☆

بدی ایک عیب ہے۔ بدی کرنے والا مجسمہ عیب۔

☆☆☆

اچھا دوست تلاش کرنے سے پہلے تم خود اچھا دوست بن کر دکھاؤ۔

☆☆☆

اس شخص سے بڑا بدنصیب اور کون ہو سکتا ہے جس کے پاس دعوت اسلام کیلئے وقت نہیں۔

☆☆☆

جو شخص اپنے آج پر راضی نہیں وہ اپنے کل پر بھی راضی نہ ہوگا۔ سکون بدلتے حالات کا نام نہیں بلکہ سکون تو اندر کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ جو ہر حال میں راضی رکھتی ہے مومن کے لبوں پر شکوہ نہیں ہوگا۔

☆☆☆

اس دوست سے ہمیشہ ہوشیار رہو جو دشمن بن کر تم سے علیحدہ ہوا ہو۔

☆☆☆

جس کو اس بات کا یقین ہو کہ اللہ رزق اسباب ہی کے ذریعے دے گا وہ مشرک ہے۔ اللہ کیطرف سے عطاؤں کو اللہ کیلئے تقسیم کرنا خوبصورت انداز زندگی ہے۔

☆☆☆

ایمان کا فیصلہ خاتمہ ایمان پر ہوگا۔

☆☆☆

سب سے مہلک آدمی وہ ہے جس سے مقصد سفر سلب ہو جائے۔

☆☆☆

مصیبتوں میں خوشیاں بانٹنا بھلائی ہے۔ اور تونگروں سے خوشیاں ضبط کرنا برائی ہے۔

☆☆☆

گناہ ایک مہلک مرض ہے۔ سچی توبہ اسکا کامل علاج ہے۔

☆☆☆

ہم جتنے انسانوں کے دل ایمان کی روشنی سے منور کریں گے۔ ہماری قبر اتنا ہی منور ہوگی۔ ہمارے اچھے اعمال ہماری تربتوں کو روشن کرتے رہیں گے۔ آخرت کی زندگی کیلئے دنیا ہی میں ایمان اور اعمال کی مشعلیں روشن کرلو۔

☆☆☆

بدترین مشغلہ مسلمانوں کی عیب جوئی ہے۔

☆☆☆

جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا پر راضی ہے اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کا راستہ یہ ہے کہ اس کے ہر حکم پر تسلیم و رضا کا اظہار کیا جائے۔

☆☆☆

اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد اسکے ساتھ ہے جو اللہ کے دین کی مدد کرتا ہے۔

☆☆☆

وطن پاک میں چہار سو مسلمان ہی مسلمان ہیں، ظلم کرنیوالے بھی مسلمان، مظلوم بھی مسلمان، عصمت دری کرنیوالے بھی مسلمان، خیانت کرنے والے بھی مسلمان اور خون بہانے والے بھی مسلمان، اگر یہ سب مسلمان ہیں تو مسلم سماج کا عملی نقشہ کہاں ہے۔ بگڑے ہوئے مسلمانوں کی اصلاح کون کرے گا۔ اور کیسے کرے گا۔ نفاذ اسلام سے پہلے اسلامی سماج کا قیام ضروری ہے۔ اسلامی سماج اس وقت قائم ہوگا۔ جب دعوت اسلام کی ہوائیں چلیں گی۔ جب دعوت عام ہوگی۔ تو پھر اکیلی عورت بھی بے خوف و خطر بیت اللہ کا طواف کرنے جاسکے گی۔

☆☆☆

اللہ تعالیٰ پر یقین کا خاتمہ مستقبل کیطرف مایوسی کا سفر ہے۔

☆☆☆

پستیوں سے بلندیوں کیطرف جانے والے بہت سے راسے ہوتے ہیں۔ لیکن کامیاب ہونے والوں کو صرف ایک راستے کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔

☆☆☆

جس انسان کے دل میں ایمان کی روشنی نہ ہو۔ اس دل کو قرآن کی کرنیں بھی روشن نہیں کرسکتیں۔

☆☆☆

بے وفا ہمیشہ اپنی وفاؤں کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے بے وفا ہونے کیلئے یہ دلیل ہی کافی ہے۔

☆☆☆

اخلاص کی معراج یہ ہے کہ بدی کرنیوالوں کیلئے ہدایت مانگنا۔

☆☆☆

ناکامی کامیابی کا پہلا زینہ ہے۔

☆☆☆

اگر چاند نہ ہوتا تو چکور کی داستان عشق کبھی سننے میں نہ آتی، اگر پھول نہ ہوتے تو بلبل کے گیت کبھی دل کو نہ بھاتے، اگر صدف کی گود نہ ہوتی تو بارش کا قطرہ کبھی درِ شہوار نہ بنتا۔ اگر نبیوںؑ میں نبی کریمؐ سرفہرست نہ ہوتے تو رشد و ہدایت کی بساط کہیں بچھی ہوئی نظر نہ آتی۔ کتاب فطرت کے سرورق پر جو نام احمدؐ رقم ہے، وہ نہ ہوتا۔۔۔ تو نقش ہستی اُبھر نہ سکتا۔ وجود لوح قلم نہ ہوتا، تو یہ محفل کن فکاں نہ ہوتی۔ جو وہ امام امم، سرور کونینؐ نہ ہوتے تو عرب نہ ہوتا، عجم نہ ہوتا۔ کچھ بھی نہ ہوتا۔ صرف کعبہ کا رَب ہوتا۔ جس کے وجود کی نوید اس کے حبیبؐ نے سنائی۔ خدا کی شناخت اس کے حبیبؐ نے دی۔

☆☆☆

قومیں محنت سے بنتی ہیں بیرونی امدادیں اقوام کو پست حوصلہ کر دیتی ہیں۔

☆☆☆

اللہ تبارک وتعالیٰ نے صلوٰۃ کے قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ صلوٰۃ اسوقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک مسلمان اپنی خلوتوں اور جلوتوں کو خدا کے حکم کے تابع نہ کر دیں۔ نماز مومن کی معراج ہے۔ اس طرح حالت نماز کے بعد بھی مومن جان لے کہ ہر عمل کرتے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ مومن کا کوئی عمل ایسا نہ ہو جس سے مسلمانان عالم کو کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ حکام کی ذمہ داری ہے کہ سختی سے صوم وصلوٰۃ قائم کرائیں۔

☆☆☆

اپنے ہر عمل کا محاسبہ کرتے رہو۔ جانے والوں کے انجام پر غور کرتے رہو ہر عمل اور برے کے انجام سے سبق سیکھتے رہو۔ بے عمل اور عمل والا دونوں کا تذکرہ موت کے بعد بھی ہوتا رہتا ہے۔ لیکن مختلف انداز میں اس انداز فکر کے بارے فکر مند رہو۔ منزلیں سہل ہوتی جائیں گی۔

☆☆☆

اندھیرا اور سویرا شباب ہی کے روپ ہیں۔ جسطرح خوشی اور غمی قسمت کے دو رخ ہیں۔

☆☆☆

وحدت ملی اسوقت پیدا ہو گی جب انسان خلوتوں اور جلوتوں میں اللہ ہی کو محافظ سمجھے گا۔ جن کا ایک قبلہ اور ایک طرف رخ نہیں۔ وہ انتشار کی آگ میں جلتے رہیں گے۔ جو ملی مفادات پر ضرب لگاتا ہے۔ اس کی ضربوں سے احکامات الٰہیہ بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔

☆☆☆

بھلائی کے حصول کیلئے مومن کے دل کا شیشہ دیکھو۔ اور برائی کی خواہش ہو تو اپنے دل کا آئینہ دیکھو۔

☆☆☆

تصدیق کے بعد جستجو تکذیب کا دوسرا رُخ ہے۔

☆☆☆

کسی کی عظیم کامیابی پر نظر نہ رکھو۔ بلکہ اس کی محنت ومجاہدہ پر نظر رکھو۔ کیونکہ بلندیوں کی طرف راستہ پستیوں سے ہی شروع ہوتا ہے۔ اگر مفلس اپنے حالات کا موازنہ تونگر سے کرے گا تو اس کو خوشحالی نصیب نہ ہوگی۔ نیچے دیکھنے والے کم ہی ٹھوکر کھاتے ہیں۔

☆☆☆

انسان میں مقصد کی طلب اس کی راہنمائی کرتی ہے۔

☆☆☆

بدی سے بوجھ بڑھے گا۔ توبہ سے بدی کا بوجھ رفع ہوگا۔ نظریہء محبت سے حصول منزل آسان ہوگی۔ جس پر موت کا خوف طاری رہتا ہے۔ زندگی اس کیلئے آسان ہوجاتی ہے۔ مال ومتاع کی محبت موت سے بےخوف کردیتی ہے۔

☆☆☆

کم گوئی عافیت کی مالا ہے۔

☆☆☆

جو گناہوں پر توبہ کرتا ہے اس پر رحمت کا دروازہ بند نہیں ہوتا خلوص نیت سے توبہ کرنیوالا آب زم زم سے بھی زیادہ پاکیزہ ہوتا ہے۔

☆☆☆

خوشامد کرنے والا اور سننے والا دونوں منافق ہیں۔

☆☆☆

جس مقصد کا انجام ناکامی ہو۔ وہ مقصد ہی فرسودہ ہوتا ہے۔ اور جس مقصد کا انجام کامیابی ہو۔ وہ مقصد بلند تر ہوتا ہے۔ سچے مقصد میں ناکامی بھی کامیابی کی دلیل ہوتی ہے۔ جس زندگی میں مقصد نہیں وہ زندگی بھی فرسودہ ہے۔

☆☆☆

دکھوں کی انتہا کے بعد خوشیوں کا آغاز ہوتا ہے پریشانی کے دور ہو جانے کا نام خوشی ہے۔

☆☆☆

ایمان والی زندگی میں ناکامی درحقیقت کامیابی ہوتی ہے۔ بے عمل زندگی میں کامیابی ناکامی ہی ہوتی ہے۔ اکثر مشاہدے میں آیا ہے کہ مقصد والا راستہ تکالیف اور دکھوں پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ ایسے مقصد ناکام نہیں ہوتے بلکہ یہ کامیابی کی معراج ہے۔

☆☆☆

انسانوں کی منصوبہ بندیاں اور کوشش فطری امر کا رخ نہیں موڑ سکتی۔

☆☆☆

یہ غلط فہمی دور کر لو کہ نہ ہمارے آنے سے دنیا میں کوئی فرق پڑا ہے اور نہ ہمارے جانے سے کوئی فرق پڑے گا۔

☆☆☆

ہر شخص اپنے ایمان کے بقدر قرآن سے راہنمائی حاصل کرتا ہے۔ دروغ بیانی کرنیوالا قرآن بھی پڑھے گا مگر اس پر اثرات نہیں ہوں گے۔ سچے کی سچی بات دل کو لگتی ہے۔

☆☆☆

برائی کی دعوت تو کھلے عام ہوتی ہے۔ اسلام کی کیوں نہیں۔ ہم اسلام کی دعوت دیتے ہوئے کیوں شرماتے ہیں۔

☆☆☆

زندگی تو ہماری اجتماعی ہے لیکن اللہ کے حضور انفرادی اعمال پیش ہوں گے۔

☆☆☆

ٹیلوں پر محنت کرنے کے بجائے پہلے ہموار زمین پر محنت کی جائے تو زیادہ سودمند ہے۔ اسی طرح بے دینوں پر محنت کرنے کی بجائے پہلے ایسے لوگوں پر محنت کی جائے۔ جن میں ذرہ برابر بھی

ایمان کی رمق موجود ہے۔

☆☆☆

عالم کی ایک دن کی زندگی جاہل کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔

☆☆☆

جسطرح شبنم کے قطروں سے کھیت سیراب نہیں ہوتے۔ اسی طرح حریصوں کا پیٹ نعمت خداوندی سے کبھی سیر نہیں ہو سکتا۔

☆☆☆

ظالم سے درگزر کرنا مظلوموں کی بے اکرامی ہے۔

☆☆☆

داعی اللہ کا سفیر ہوتا ہے ایمان کی دعوت کے سفر کے دوران اس پر اچھے اور برے حالات کے بادل برستے رہتے ہیں۔ مصائب کے وقت وہ برداشت کرتا ہے۔ اور آسانی کے وقت اللہ کے سامنے سجدہ شکر بجالاتا ہے۔ یہ سفر بادلوں کیطرح ہوتا ہے۔ جو سمندروں اور دریاؤں، ندی نالوں سے اپنے سفر کا آغاز کرتے ہیں اور بے آب و گیاہ دشت میں برستے ہیں۔ ہواؤں کی موجوں کو کچلتے ہوئے پیاسی اور سیراب زمین پر یکساں نچھاور ہوتے ہیں۔ دین کا مجاہد اپنے راستے کی مشکلات اور رکاوٹوں کو یوں توڑتا چلا جاتا ہے۔ جیسے دریاؤں کا پانی سخت چٹانوں کو۔ وہ نتائج کا مکلف نہیں ہوتا ہے وہ کامیابی اور ناکامی سے بے نیاز ہو کر کام کرتا ہے دونوں صورتوں میں وہ کامیاب ہوتا ہے۔

☆☆☆

دوستوں کیلئے نیت میں اخلاص پیدا کرو۔ تشکر کے رسمی الفاظ سے گریز کرو۔ رسمی الفاظ سے دلوں میں یاس پیدا ہوتی ہے اور یاس سے یقین منزل ایک بالشت پر ہے۔ اس منزل کے حصول کیلئے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ جیسا تم اپنے ساتھ پسند کرتے ہو۔

☆☆☆

جس تحریک کے افراد یک ذہن ہو کر اور یک سوچ ہو کر کام نہ کریں۔ ایسی تحریک کو کبھی

کامیابی نہیں مل سکتی۔

☆☆☆

کارواں سالار کے دل میں خدمت کا جذبہ اور نیت نیک نہ ہو تو ایسے قافلے ہمیشہ منزلوں سے بھٹک جاتے ہیں۔

☆☆☆

دین کا بنیادی ستون تقویٰ ہے حرص تقویٰ کی موت ہے۔

☆☆☆

خوابیدہ ایمان کو تو بیدار کیا جا سکتا ہے لیکن مردہ ایمان کو بیدار کرنا ممکن نہیں۔

☆☆☆

اللہ سے ڈرنے والوں کی مجالست اختیار کرو۔ روز محشر اللہ تبارک وتعالیٰ کی قربت ملے گے۔

☆☆☆

جس نے اللہ کی نظروں سے اوجھل ہو کر گناہ کیا وہ کامیاب ہے۔

☆☆☆

نامحرم عورت کیساتھ تنہا نہ بیٹھو خواہ وہ عورت اپنے وقت کی رابعہ بصری کیوں نہ ہو۔

☆☆☆

کسی کو بھی حقیر نہ جانو شاید خدا کی نظر میں وہ بلند تر ہو۔

☆☆☆

اللہ تبارک وتعالیٰ کیلئے صبر کرنا۔ ایمان کی علامات میں سے ہے۔

☆☆☆

جانور تو اپنے مالک کی آواز پر بھی چوکنا ہو جاتے ہیں۔ مگر انسان نفسانی خواہشات کی خاطر اپنے مالک حقیقی کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔

☆☆☆

جنت عمل والا، نہیں خلوص نیت والا پائے گا۔

☆☆☆

غصے کی حالت میں حق اور سچ کی تمیز کرنا تقویٰ کی علامت ہے۔

☆☆☆

نجات اُنھی کا مقدر ہوتی ہے۔ جو دنیا سے حُب نہیں رکھتے۔

☆☆☆

جو قبرستان میں بھی لہو ولعب میں مشغول ہو۔ اس کو موت اور آخرت پر یقین نہیں ہوتا۔

☆☆☆

جب کسی علاقے میں آگ لگتی ہے تو ہلکے ہلکے لوگ پہلے نکلنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اور بھاری بھرکم لوگ پھنس جاتے ہیں۔ آخرت میں اہل ایمان اور اہل کفر کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا۔

☆☆☆

مخلوق کو محتاج خیال کر کے اپنی احتیاج اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے پیش کرنا زُہد ہے۔

☆☆☆

انسان محلات اور بلند و بالا عمارات کو دیکھ کر کیوں اپنے جھونپڑے پر نادم ہوتا ہے۔ یہ تو مالک کی عطاؤں کے جلوے ہیں۔ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہی باعث شرف ہیں۔ مسلمان کی طاقت جاہ وحشمت، دنیاوی چکا چند میں نہیں بلکہ ایمان میں مضمر ہے۔ ہماری شناخت ہمارے اعمال ہیں۔ ہماری اخروی عافیت راہ سنت ہے۔ انسان کو انسان کا اپنا نصیب ملتا ہے۔ اور حیوان کو اپنا۔ جو مالک کی عطا پر راضی رہا۔ وہ سکون کی دولت سے مالا مال ہوگا۔ عطاؤں پر تقابل باعث پریشانی ہے۔

☆☆☆

رضائے الٰہی صرف اس قلب کو نصیب ہوتی ہے جس میں کدورت نہ ہو۔

☆☆☆

تکذیب ایک منزل ہے۔ اس کا ایک درجہ ہے۔ تکذیب کو تصدیق میں بدلنا دانشوری اس طرح عصیان سے ایمان تک لانا اہل ایمان کی تمنا ہونی چاہئے۔

☆☆☆

جسم و دماغ کیلئے تقویٰ ضروری ہے۔ لیکن تقویٰ کیلئے صحت مند جسم شرط نہیں۔

☆☆☆

غافل اسوقت بیدار ہوتا ہے جب موت اس کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے سلا دیتی ہے۔

☆☆☆

اگر حاکم شداد اور فرعون کا انجام سامنے رکھیں تو خلق خدا کی زندگی آسان ہو جائے گی۔

☆☆☆

اللہ کے ذکر میں اس قدر غرق ہو جاؤ کہ لوگ مجنوں سمجھیں دامن ایمان اور سکون سے لبریز ہو جائے گا۔

☆☆☆

جس کو اپنی ذات کیساتھ بغض ہوگا۔ وہ دوسروں سے بھی بغض رکھے گا۔ جو اپنے رفیقوں سے اچھا پیش آئے گا۔ اس کو اچھے رفیق میسر آئیں گے۔ انسان کو دوست ویسے ہی ملیں گے۔ جیسا وہ خود ہوگا۔ جو اپنی باطنی صدا پر کان نہیں دھرے گا۔ مادی ضروریات پورا کرنے میں لگا رہے گا۔ تاکہ اس کو راحت ملے۔ ایک گھڑی ایسی بھی آتی۔ جب وہ سب چیزوں کے ہوتے ہوتے بھی پریشان رہتا ہے۔ اس کی روح مضطرب رہتی ہے۔ ایسی کیفیات میں جو ضرورت مندوں کی اعانت کرے گا اس کو حقیقی خوشی ملے گی۔

☆☆☆

جب تک مومن کے ہاتھ میں تسبیح اور مسواک رہے گی۔ شیطان اس سے دور رہے گا۔

☆☆☆

تبلیغ کرنیوالوں کو اس نکتہ پر غور کر چاہیے جو اس سے نفرت کرتے ہیں وہ اسلام سے کیسے محبت کریں گے، اسلام کو قابل وقعت بنانے کیلئے اپنے قول وفعل کو قابل تقلید بناؤ۔ اپنی شخصیت عمل سے مزین کرو۔ تبلیغ کیلئے موقع شناسی، مزاج شناسی اور مردم شناسی ضروری ہے۔ احمق کے ہاتھ میں تلوار لوگوں کو جہاد سے متنفر کر دے گی۔

☆☆☆

انسان اور جانور سے اس کی طبیعت کے خلاف کام لینا ناانصافی ہے اور ظلم ہے۔

☆☆☆

دین نے مومن کو اس کی حیات کی تمام جزیات کا چوکیدار بنایا ہے۔ مومن مالک کی ان مہربانیوں کا رکھوالا ہے۔ خدا نے اس پر رحمت فرمائی ہیں۔ یہ چوکیدار کی ذمہ داری ہے کہ وہ داخلی اور خارجی معاملات کی نگہبانی کرے۔ داخلی ذمہ داری کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی سوچ وفکر کی حفاظت کرے۔ خارجی معاملات کی ذمہ داری بھی باطن کی طرح ضروری ہے۔ اپنے جسم کی حدود کا انسان خود چوکیدار ہے۔ درحقیقت مسلمان کا اپنے اندر کا ماحول یعنی ایمان کی حفاظت کرنا ہی، دین کی حفاظت کرنا ہے۔

☆☆☆

نصف زندگی اس وقت بیت چکی ہوتی ہے۔ جب زندگی کی حقیقت عیاں ہوتی ہے۔

☆☆☆

معاشروں سے الگ رکھ کر تخلیق کار نہیں بنایا جا سکتا۔

☆☆☆

حیا عورت کا زیور اور اچھا اخلاق مومن کا زیور ہے۔

☆☆☆

فوجی کا ہتھیار بندوق اور متقی کا ہتھیار مسواک ہے۔

☆☆☆

ہنر کی اشاعت کرنیوالے ہنر کی دولت سے مالا مال رہتے ہیں۔

☆☆☆

اپنی غلطیاں تسلیم کرنیوالا صراط مستقیم پر رہتا ہے۔

☆☆☆

محبت کی کھیتیاں شک کے اولوں سے ویران ہو جاتی ہیں۔

☆☆☆

ہمدرد وہ جو تیری عاقبت کیلئے فکرمند رہے۔

☆☆☆

اکثر بڑے لوگوں کی زندگی میں کوئی محرومی ضرور ہوتی ہے۔

☆☆☆

علم کا سورج ہمیشہ نصف النہار پر رہتا ہے۔

☆☆☆

کمزور وہ ہے جو اپنے راز چھپانے کی صلاحیت سے محروم ہو۔

☆☆☆

مال اور ملک کیلئے لڑنا بغاوت، اللہ تبارک وتعالیٰ کیلئے لڑنا جہاد۔

☆☆☆

تنہائی میں نصیحت کرنا رحمت اور منہ پر تعریف کرنا زحمت ہے۔

☆☆☆

اللہ تبارک وتعالیٰ کیلئے اپنی ذات کو فنا کر دینا پیغمبروں کا شیوہ ہے۔

☆☆☆

دائی اللہ کی رحمت کا بول ہوتا ہے۔ جو پیاسی اور سیراب دونوں زمینوں پر برستا ہے۔

☆☆☆

جو نگاہوں کی زبان نہیں سمجھتا اس کے سامنے زبان کھولنا شرمندگی کے سوا کچھ نہیں۔

☆☆☆

جس دوستی میں سچائی اور خلوص نہ ہو اس دوستی سے کنارہ کشی بہتر ہے۔

☆☆☆

اچھے خیالات کی تلاش لفظوں کی تلاش سے بہتر ہے۔

☆☆☆

اپنے علم کو کامل سمجھنے والا سب سے بڑا احمق و جاہل ہے۔

☆☆☆

اچھائی کرنے کیلئے موقع کی جستجو میں رہو۔

☆☆☆

مخالف کی برائی اور اپنی اچھائی دونوں کو بھول جاؤ۔

☆☆☆

مایوسی اور کامیابی اندھیرے اجالے کیطرح مخالف ہیں۔

☆☆☆

دنیا میں اس طرح جیو کہ جیسے ایک مسافر پلیٹ فارم پر گاڑی کے انتظار کے دوران آرام کرتا ہے۔

☆☆☆

جس کے شر سے لوگ اس کی عزت کریں وہ بد بخت ہے۔

☆☆☆

ظلم برداشت کرنا ظلم کرنے سے بڑا گناہ ہے۔

☆☆☆

گناہوں پر رونا صالحین کی نشانی اور طریقہ ہے۔

☆☆☆

قول و فعل میں تضاد منافق کی سب سے بڑی نشانی ہے۔

☆☆☆

علم ایک ایسا موسم ہے جس پر سارے موسم رشک کرتے ہیں۔

☆☆☆

علم کبھی پوشیدہ نہیں رہتا۔

☆☆☆

کامرانی صرف ان کو ملتی ہے جن کو کامرانی کا کامل یقین ہو۔

☆☆☆

بیوقوف عالم عقل مند جاہل سے زیادہ برا ہے۔

☆☆☆

جس گھر میں کتابیں نہ ہوں وہ مسکینوں کا گھر ہے۔

☆☆☆

مشکل کام کرنا چاہتے ہو تو اپنی اصلاح کرو۔ اگر آسان کام مقصود ہو تو دوسروں پر تنقید کرو۔

☆☆☆

جھوٹے مسلمان سے سچا غیر مسلم بہتر ہے۔

☆☆☆

دوسروں کی بیساکھیوں پر چلنے والے اکثر گر پڑتے ہیں۔

☆☆☆

خاموشی مصیبتوں کو رفع کرتی ہے۔

☆☆☆

علم کی فروخت کرپشن ہے۔ غیر کی تعلیم اپنے نصاب میں شامل کرنا بدترین کرپشن ہے۔

☆☆☆

چاہتے ہو کہ اللہ تم سے محبت کرے تو لوگوں کو معاف کرنا اور معافی مانگنا شروع کردو۔

☆☆☆

اپنے راز کو سلامت رکھنے والا، سلامتی میں رہتا ہے۔

☆☆☆

نماز کے تارک کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

☆☆☆

جس نے اللہ کا سہارا لیا وہ کامیاب ہوگا۔

☆☆☆

گائے بکریوں کا مقصد دودھ دینا ہے اگر یہ مقصد ختم ہو جائے تو اسے قصائیوں کے حوالے کردیا جاتا ہے۔ مسلمان کا مقصد ایمان والی زندگی گزارنا ہے، مسلمان نے مقصد چھوڑ دیا تو اللہ نے اس کو قصائیوں (یہود و نصاریٰ) کے حوالے کردیا اور وہ اس کو ذبح کررہے ہیں۔

☆☆☆

مخلص دوست کبھی بزدل نہیں ہوتا۔

☆☆☆

اپنے عیب چھپا کر رکھنا کامیاب زندگی ہے۔

☆☆☆

اپنے گناہوں کو چھپانے سے بہتر ہے کہ گناہ کرنا چھوڑ دیا جائے۔

☆☆☆

وہ شخص مومن نہیں جو اپنی ذات سے متاثر کرنے کیلئے لوگوں کو زندگی کے تجربات اور مشاہدات سنائے۔

☆☆☆

مومنوں کا انداز زندگی اسلامی سماج ہوتا ہے۔

☆☆☆

کبھی سوچا ہے کہ ہمارے بعد ہمارا تذکرہ کن الفاظ میں ہوگا۔ اس سے بڑی بدنصیبی کیا ہوگی کہ تاریخ نویس ہمارا تذکرہ برے اعمال کیساتھ کرے۔ اگر آپ اپنے آپکو اچھے الفاظ کیساتھ یاد کروانا چاہتے ہیں تو اچھے کام کریں موت آنے تک۔ موت کی کسی کو خبر نہیں کہ کب آتی ہے۔

☆☆☆

جو علم عمل کا روپ نہ دھار سکے اس سے احتیاط لازم ہے۔

☆☆☆

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مسکراہٹوں اور خوشیوں کی بارش کرنیوالوں کی آنکھیں خلوتوں میں ساون کی طرح برستی ہیں۔

☆☆☆

انسان کا کردار بدلنا چاہتے ہو تو اس سے محبت کرو۔

☆☆☆

مقصد کے بغیر تحریک، تحریک نہیں بے ذوق لوگوں کا اجتماع ہے۔

☆☆☆

جس طالب علم کا مکتب میں کوئی دوست نہیں ہوتا اس طالب علم کو درس گاہ سے محبت نہیں ہوتی۔

☆☆☆

مرشد کے کامل ہونے کا تعلق عقیدت کے کامل ہونے سے ہے۔

☆☆☆

چہرے اور چیزیں خوبصورت نہیں ہوتے بلکہ ہمارا ذوق ہی انہیں خوبصورتی عطا کرتا ہے۔

☆☆☆

جس کی آمد باعث مسرت نہیں، وقت وداع اس کا دکھ بھی نہیں ہوگا۔

☆☆☆

جس کام کے کرنے میں مزہ نہیں آتا۔ اس کام کے نتائج کا انتظار کرنا حماقت ہے۔

☆☆☆

سچائی شفاف پانی میں اپنے عکس کی طرح ہوتی ہے۔ پانی کے جتنا قریب ہو جائیں گے۔ تصویر اس قدر واضح ہوگی۔ اسی پانی کے سامنے سے ہم دور ہو جائیں گے تو تصویر بھی دھندلی ہوگی۔ اسی طرح سچائی کے قرب اور دوری کا تعلق ہے۔

☆☆☆

بیمار انسان کو ہنستے بستے شہر ہسپتال دکھائی دیتے ہیں۔ جسم اور ذہن تندرست ہو تو وہ پتھر کے ٹکڑے بھی چبا سکتا ہے بیمار ہو تو اعلیٰ سے اعلیٰ خوراک اس کو بدمزہ محسوس ہوگی۔

☆☆☆

اللہ سے ملاقات (موت) کا دن درویشوں کیلئے عید کا دن ہوتا ہے۔

☆☆☆

جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ حق کا راستہ عطاء فرمائے۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کو غلط راستے پر نہیں لا سکتی۔ جو غلط راستوں پر گامزن ہو اس کو حق کا راستہ کبھی نہیں مل سکتا۔ جو ظلمات کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کو اپنے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کیطرف سے سمجھے اس کو ہدایت نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ کیوں انسان کو غلط راستہ دے گا؟

☆☆☆

اس جاہل کا دنیا میں کوئی علاج نہیں جو قدم قدم پر حماقت کرے اور اپنے آپ کو کامل سمجھے۔

☆☆☆

مسلمان پر ظلم کرنے کے بعد اطمینان کا مل جانا ناممکن ہے بے اطمینانی ترقی کی راہ پر سب سے بڑی اور دشوار گزار گھائی ہے۔

☆☆☆

ذہن و دماغ پر وہ علم محفوظ رہتا ہے جس پر عمل کیا جائے۔

☆☆☆

اللہ کیلئے بندہ بے حیثیت ہو جاتا ہے۔ تو درویش بنتا ہے۔ اور درویشی کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب مخلوق کو اس سے نفع پہنچے۔

☆☆☆

گزرا ہوا وقت کبھی نہیں آتا۔ پھر ہم دن کیوں مناتے ہیں؟

☆☆☆

عقل مندی کا تقاضا ہے۔ کہ اپنے آج کو کل پر قربان کرو۔ بڑی تباہی ہے کہ اپنے کل کو آج پر قربان کیا جائے۔ اعلیٰ و ارفع لمحے وہ ہیں جن سے آخرت کی زندگی محفوظ ہو۔

☆☆☆

جس کو ماں باپ اور اولاد سے محبت نہیں وہ سوچ کی اذیتوں میں مبتلا رہتا ہے۔

☆☆☆

اُس مجلس سے تنہائی بہتر ہے۔ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا تذکرہ نہ ہو۔

☆☆☆

اچھی آخرت محبوب کی رضا کا نام ہے۔

☆☆☆

مسلمان ایمان پر تھا تو شیر تک اس سے ڈرتے تھے۔ ایمان والی زندگی چھوڑی اللہ کی مدد ختم ہوئی۔ اب سب اس کو مارتے ہیں اور ڈراتے ہیں۔ اس کی حالت گیدڑ سے بدتر ہے۔

☆☆☆

لوگوں کو سامان سکون مہیا کرو پہلے تمہیں سکون ملے گا۔

☆☆☆

اپنے قلوب کو بغض اور کینہ سے صاف کردو۔ دل کعبے کی مانند مقدس اور پرسکون ہو جائے گا۔

☆☆☆

زر، زن، زمین کی لذت میں شرعی احکامات کو سامنے رکھو زندگی آسان ہو جائے گی۔

☆☆☆

جس نے استاد کا ادب کیا اس کو علم نافع عطا ہوگا۔ اور جس نے ماں باپ کا ادب کیا اس کو جنت عطا ہوگی۔

☆☆☆

وہ بدنصیب ہے جسکو اپنے نصیب سے شکوہ ہو۔

☆☆☆

ابلاغیات کے تمام ذرائع عورت کی نمائش سے دولت کما رہے ہیں۔ عورت کی اتنی تذلیل قیام پاکستان کے وقت نہیں ہوئی جتنی آج کل ہو رہی ہے۔

☆☆☆

اس غریب پر آنسو بہانے چاہئیں جو غربت کے باوجود معصیتوں میں مبتلا ہو اور اس کا یقین کامل نہ ہو۔

☆☆☆

اگر ہم اپنی غلطیوں پر شرمندہ اور دوسروں کی غلطیوں پر درگزر کرنا شروع کر دیں۔ تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں عظیم قوم کے سانچے میں ڈھلنے سے نہیں روک سکتی۔

☆☆☆

مالک کیطرف سے آنیوالی آزمائش لوگوں پر عیاں نہ کرو۔ اور لوگوں کیطرف سے آنیوالے مصائب پر مالک کے سامنے شکایت نہ کرو۔ راحت مل جائے گی۔

☆☆☆

جس میں قوت برداشت ہے وہ سب سے زیادہ طاقت ور ہے۔

☆☆☆

کامیابی کیلئے ریاضت اور بصیرت ضروری ہیں، مگر چاندی پر ریاضت سونا تخلیق نہیں کر سکتی۔

☆☆☆

اللہ والے اپنی حیات میں تو مردہ لوگوں کیطرح ہوتے ہیں لیکن موت کے بعد لوگوں میں زندہ رہتے ہیں۔

☆☆☆

جس کا اندر ویران ہوگا۔ اس کیلئے شہد بھی زہر ہوگا۔ اور جس کے اندر کا ماحول پر سکون ہوگا۔ اسے کانٹوں میں بھی پھول نظر آئیں گے۔

☆☆☆

ولیوں کی جماعت کی صحت بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔

☆☆☆

احساس ذمہ داری اور بلند جذبوں کو ایک لڑی میں پرو دو۔ سکون کی مالا بن جاؤ گے۔

☆☆☆

عافیت اس میں نہیں کہ ہم دوسروں کے احتساب کا مطالبہ کریں عافیت تو اسمیں ہے کہ ہم خود اپنا محاسبہ کریں۔

☆☆☆

جو مومن اپنے آپ کو تمام مخلوق سے حقیر جانتا ہو وہ اللہ کی نظروں میں بلند تر ہے۔

☆☆☆

نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ امت کی اصلاح نہج نبوت پر ہی ہو گی۔

☆☆☆

خود ستائی کم ظرفی کی دلیل ہے۔

☆☆☆

ایک اللہ والے سے کسی نے پوچھا کہ میرے کتے کی دم اچھی ہے یا تمھاری داڑھی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اگر خاتمہ ایمان پر ہو گیا تو میرا داڑھی اچھی ورنہ تمھارے کتے کی دم اچھی۔

☆☆☆

جس معاشرے میں قیادت کی بہتات ہو وہاں صحیح قیادت کا بحران ہوتا ہے۔

☆☆☆

ذکر الٰہی کی تعریف یہ ہے کہ جس میں مشغولیت کے بعد دنیا کی ہر چیز کو ہیچ سمجھا جائے۔

☆☆☆

جس کے نفس کی لگام اس کے ہاتھ میں ہے وہ مومن ہے۔

☆☆☆

جس کا دشمن دانا ہے وہ خوش بخت ہے۔

☆☆☆

جنت صرف اس کو ملے گی جس نے اپنے تمام امور اللہ کو سونپ دیئے۔

☆☆☆

اہل اللہ کی صحبت دشمن کیلئے بھی نافع ہوتی ہے۔

☆☆☆

جو اللہ کی ملاقات (نماز) کو محبوب رکھتا ہے اس کے دل پر سکینہ نازل ہوتی ہے۔

☆☆☆

جو مواحد رسالت پناہؐ پر یقین نہیں رکھتا اس کے جہنمی ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

☆☆☆

تنگ دستی میں سستی زوال کیطرف لے جاتی ہے۔

☆☆☆

مومن کے گھر سے جب ایمان رخصت ہو جاتا ہے تو کافر کے گھر میں دنیاوی فتوحات کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

☆☆☆

جس کے اندر ظلمت ہو، سورج اور چاند کی روشنی میں بھی وہ بھٹکتا رہتا ہے۔

☆☆☆

وہ شخص کتنا کم قسمت ہے جس کا دل اہل اللہ کی مجالس اور مسجد میں نہ لگے۔

☆☆☆

جو تمھارے غم میں شریک نہیں ہوتا، اور خوشیوں میں شریک ہوتا ہے۔ اس دوستی سے احتراز کرو۔

☆☆☆

توحید کا پہلا زینہ حضورؐ کی صداقت کی تصدیق کرنا اور آپ کے ہر عمل کی اتباع کرنا ہے۔

☆☆☆

ایک کتے کی بھی جان بچانے کیلئے کل کائنات کی دولت تم سے مانگی جائے تو انکار نہ کرنا۔

☆☆☆

دنیا کو عارضی، اخروی زندگی کو لافانی کہنے والے واعظ۔ کتنے یقین سے اپنے بلند و بالا آشیانے بنانے میں لگے ہوئے ہیں۔

☆☆☆

دولت یہ نہیں کہ پاس مال ہے بلکہ دماغ ایک دولت ہے خیال ایک دولت ہے۔ احساس ایک دولت ہے۔ رگ و پے میں دوڑنے والا خون دولت ہے اور سب سے بڑی دولت ایمان کی دولت ہے۔

☆☆☆

جو شخص پوری امت کیلئے ہدایت و سلامتی کی دعا مانگتا ہے اللہ اسے پہلے عطا کرتے ہیں دوسروں کو بعد میں۔ جس کا دستر خوان وسیع ہے وہ کسی کا دستِ نگر نہ رہے گا۔

☆☆☆

جو اللہ کے دربار میں حاجت پیش نہیں کرتا وہ لوگوں کا محتاج رہتا ہے۔

☆☆☆

عاجزی اور انکساری انسان کو بڑا بناتی ہے۔ تکبر و غرور ذلیل و رسوا کرتا ہے۔

☆☆☆

جس جہاد کی پشت پر دعوت کی محنت نہ ہو وہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔

☆☆☆

اپنے عیبوں پر نظر رکھنے والا اور دوسروں کے عیبوں پر چشم پوشی کرنیوالا سچا مومن ہے۔

☆☆☆

اگر اہل علم کے گھر میں کتاب نہیں وہ گھر ویران ہے۔

☆☆☆

جہاں بازار آباد ہوں وہاں مساجد آباد نہیں ہوسکتیں۔

☆☆☆

جب توبہ کا دروازہ بند ہو جائے۔ اس کو تباہی سے وقت کے سارے ابدال بھی اللہ کے قہر سے نہیں بچا سکتے۔

☆☆☆

جس مرشد کی نظر مرید کے دل کی بجائے جیب پر ہو۔ اس کے مکار اور منافق ہونے میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

☆☆☆

جب رسوائی اور عظمت اللہ کی طرف سے آتی ہے۔ سکون و اطمینان اللہ کی طرف سے ملتا ہے۔ غربت اور امارت کے فیصلے آسمانوں پر ہوتے ہیں۔ عزتوں کے نقشوں میں سے ذلت مل جائے۔ اور ذلتوں کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے آسمانوں کی سی رفعت اور بلندی عطاء ہو جائے تو آپ کے اور میرے پاس جبین نیاز جھکانے کے علاوہ اور کونسا راستہ ہے؟

☆☆☆

عجب کائنات اور اس کے اسرار ورموز ہمارے سامنے بکھرے پڑے ہیں۔ لیکن نہ ہمارے پاس دیکھنے والی آنکھ ہے اور نہ سوچنے والا دماغ۔ ایک ادنیٰ مخلوق کیڑا کھاتا سبز ہے تو دیتا ریشم ہے۔ کالے رنگ کی بکری کھاتی سبز گھاس ہے اور دیتی سفید دودھ ہے۔ سبز پتے سے ریشم سبز گھاس سے دودھ دیکھ کر قدرت پر ہماری نظر کیوں نہیں جاتی؟

☆☆☆

قول کو فعل، بے یقینی کو یقین میں بدلنے اور یاس کو آس میں ڈھالنے کیلئے کامل رہبر کی ضرورت ہوتی ہے۔

☆☆☆

انسان کی ساری تاریخ بھی جمع کر لی جائے تو یہ معلوم کرنا ناممکن ہے کہ انسان کے ڈنسے کا کوئی سا موسم ہے۔

☆☆☆

احسان کرنے سے دل میں اطمینان اور عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔

☆☆☆

تم بدی سے رک جاؤ نیکی تمہاری طرف بڑھے گی۔

☆☆☆

خوش کلامی ایک ایسا درخت ہے جو سب کو سایہ دیتا ہے۔

☆☆☆

خوش کلامی گلاب کا پھول ہے۔ ان ہاتھوں کو بھی معطر کرتا ہے، جو اس کو مسل دیتے ہیں۔

☆☆☆

آنکھوں کی حفاظت کرنیوالے حیادار لوگ ہوتے ہیں۔

☆☆☆

لڑنا چاہتے ہو تو میدان جہاد میں لڑو۔

☆☆☆

دیکھنا چاہتے ہو تو آسمان کی رفعتوں میں اللہ کی عظمت کو دیکھو۔

☆☆☆

چلنا چاہتے ہو تو اللہ کے راستے پر چلو۔

☆☆☆

بیٹھنا چاہتے ہو تو صالحین کی محفل میں بیٹھو۔

☆☆☆

پکارنا چاہتے ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو پکارو۔

☆☆☆

رونا چاہتے ہو تو شب تنہائی میں اللہ کے سامنے روؤ۔

☆☆☆

جس شخص کی زندگی مقصدیت سے خالی ہے وہ انسانوں کی صفوں میں شمار نہیں ہوتا۔

☆☆☆

نیکی روح کو قوی کرتی ہے جبکہ بدی دل کے ضعف کا باعث بنتی ہے۔

☆☆☆

جس کے خیالات میں طلاطم اور جذبوں میں استقامت نہیں وہ بھروسے کے قابل نہیں۔

☆☆☆

جو وقت کی قدر کرتے ہیں وقت ان کی توقیر کرتا ہے۔

☆☆☆

نااہل لوگ مصیبتوں کے سہارے لیتے ہیں۔

☆☆☆

موت کی یاد کشادہ ظرفی ہے۔

☆☆☆

روایت پرستی کے مرض میں مبتلا قومیں فنا کی منزل کو پہنچ جاتی ہیں۔

☆☆☆

جس کے دل میں محبت نہیں وہ درندہ ہے۔

☆☆☆

عزت پر محبت کی قربانی دی جاسکتی ہے مگر محبت پر عزت کو قربان نہیں کیا جاسکتا۔

☆☆☆

مسرت پھول کی خوشبو کیطرح ہے جو باہر سے نہیں بلکہ اندر سے پیدا ہوتی ہے۔

☆☆☆

خیالات کا مقابلہ فوج سے نہیں بلکہ خیالات سے کیا جاتا ہے۔

☆☆☆

ناکامی پر سبق حاصل کرنے والے ہمیشہ کامیاب رہتے ہیں۔

☆☆☆

سب سے زیادہ ہیچ وہ ہے جس کا دنیا میں کوئی دوست نہیں۔

☆☆☆

علم اور آخرت کے بھوکے کی کبھی شکم سیری نہیں ہوتی۔

☆☆☆

گناہ ایک پرندہ ہے جو بدنظری کی شاخ پر بیٹھتا ہے۔

☆☆☆

اپنی ضروریات لوگوں کے سامنے بیان کرنا گویا اللہ کی شکایت ہے۔

☆☆☆

دوسروں کے عیبوں کا متلاشی اپنے عیب تلاش کرنے کی دعوتِ عام دیتا ہے۔

☆☆☆

اللہ سے محبت کرنیوالے اور خوبصورت خیالات کے مالک تنہائی کا شکار نہیں ہوتے۔

☆☆☆

گناہوں پر ندامت کے وقت رونا اللہ کے یہاں بہت محبوب ہے۔

☆☆☆

دھیان سے چلو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے قدموں کی دھول کسی کی منزل کھودے۔

☆☆☆

ہر مایوسی کے پیچھے آس ہے۔ جسطرح ہر شب کے بعد روشن سحر ہوتی ہے۔

☆☆☆

اللہ تبارک وتعالیٰ کیلئے نکلنے والے آنسو آب زم زم سے بھی زیادہ مقدس ہیں۔

☆☆☆

علم کے بعد تربیت کا نہ ہونا ایسے ہی ہے۔ جیسے زمین زرخیز بنانے کے بعد بیج نہ بونا۔

☆☆☆

رات کا حسن آسمان پر چمکنے والے ستاروں سے ہے۔ اور مومن کا حسن نماز سے ہے۔

☆☆☆

بھیڑیوں کے ریوڑ اور سانپوں کے جنگل میں امن مل سکتا ہے لیکن ظلم پر قائم حکومت میں امن نہیں مل سکتا۔

☆☆☆

درس گاہوں کی اعانت نہ کرنا اور ان کو بے یار و مددگار چھوڑنا کرپشن ہے۔

☆☆☆

کم کھانا حکمت وبصیرت کی علامت ہے۔

☆☆☆

شادی سے آدھا ایمان اور حضورؐ کی محبت سے پورا ایمان مکمل ہوتا ہے۔

☆☆☆

اولاد کی اچھی تربیت صدقہ جاریہ ہے۔

☆☆☆

اسلام کو غالب کرو۔ پوری دنیا میں امن، سکون، بھائی چارہ اور چین عام ہوگا۔

☆☆☆

اپنے ہر عمل کا محاسبہ اعلیٰ اخلاص ونیت کی دلیل ہے۔

☆☆☆

جو قومیں اپنی غلطیوں کے ادراک سے عاری ہو جائیں۔ وہ اجتماعی خودکشی کی راہ ہموار کرتی ہیں۔

☆☆☆

خرچ ہونے والا علم جلتی موم بتی کی مانند ہے جس سے اجالا نکلتا ہے۔

☆☆☆

''طلبہ سیاست'' اس صدی کی سب سے بڑی علمی توہین ہے۔

☆☆☆

اللہ والوں کی حکومت مضبوط اور پائیدار ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ قلوب پر حکومت کرتے ہیں۔

☆☆☆

لہو کے فوارے پھوٹتے ہیں۔ بجیلی جوانیاں کٹتی ہیں۔ خواہشات کا ماتھا خون آلود ہوتا ہے۔ خواب چکنا چور ہوتے ہیں، تمنائیں بکھرتی ہیں۔ پھر کہیں جا کر انقلاب، روشن صبح کا مطلع بنتا ہے۔

☆☆☆

قیادت اقتدار پرستوں کے ہاتھ آ جائے تو مقاصد کا چہرہ مسخ، منزلیں اور مزاج بدل جاتے ہیں۔ اور جذبات گلیوں میں دم توڑ دیتے ہیں۔

☆☆☆

تاریخ فراموش قوم کو جغرافیہ کی فراموشی کا عذاب جھیلنا پڑتا ہے۔

☆☆☆

برائی پر طاقت کی بجائے نظریئے سے غلبہ حاصل کرنا زیادہ نتیجہ خیز ہوتا ہے۔

☆☆☆

جو دعا دل جمعی سے مانگی جائے۔ وہ رندہ درگاہ نہیں ہوتی۔

☆☆☆

مجذوبوں اور دیوانوں کے کارواں مصلحتوں کی بنائی میں جنون کی سوئیاں چھبو کر چلتے ہیں تو منزلیں امن کے پاؤں کی زنجیریں بن جاتی ہیں۔

☆☆☆

قائدین کی کثرت سے قیادت کا قحط پڑتا ہے۔

☆☆☆

اسلام کے علاوہ دنیا کے تمام نظریئے باطل ہیں۔

☆☆☆

خوبصورت خیالات کو شہرت کے عوض بیچنے والے خیالات کے سوداگر ہیں۔

☆☆☆

سیاست ایک گندہ نالہ ہے مگر زندگی کی تمام کھیتیاں اس سے سیراب ہوتی ہیں۔

☆☆☆

اچھا بننا چاہتے ہو تو اچھائی کی دعوت دو۔

☆☆☆

جس نے آنکھ، زبان، پیٹ اور شرم گاہ کی حفاظت کر لی آخرت میں اسکی حفاظت اللہ کے ذمے ہے۔

☆☆☆

عقل مند وہ ہے جسکو آخرت کی فکر ہو۔

☆☆☆

برے لوگوں کی ہم نشینی اخلاق کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔

☆☆☆

جس نے حاجت کے وقت غیر اللہ کا سوچا بھی وہ مشرک ہے۔

☆☆☆

جہالت جہنم کا راستہ ہے۔ اور علم جنت کا راستہ ہے۔

☆☆☆

اچھی باتوں کا سن کر ان کی اشاعت فرض ہے۔

☆☆☆

علماء کی تکذیب کرنے والے بے عقل ہیں۔

☆☆☆

موت سے وہ ڈرتے ہیں۔ جن کا مقصد حیات طے نہیں ہوتا۔

☆☆☆

زندگی کی جامع تعریف یہ ہے کہ اس کو فنا ہے۔

☆☆☆

دنیا میں اتنا کماؤ جتنا اس میں رہنا ہے، اور آخرت کیلئے اس قدر جتنا اس میں رہنا ہے۔

☆☆☆

کامل ایمان کے بغیر نیکی کرنا دشوار اور بدی کرنا آسان ہوتا ہے۔

☆☆☆

مختصر مگر جامع وعظ یہ ہے کہ انسان قبروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے۔

☆☆☆

بلا سوچے سمجھے ہر کسی کی ہاں میں ہاں ملانا منافق کی نشانی ہے۔

☆☆☆

کمینہ بختی کے وقت عاجزی سے پیش آتا ہے۔ اور نرمی کے وقت متکبر ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

بدگمانی گناہ اور حسنِ ظن نیکی ہے۔

☆☆☆

جس رزق کی بنیاد میں اللہ کے حکم ٹوٹتے ہوں اور نبیؐ کی سنتیں ذبح ہوتی ہوں وہ رزق نجس اور حرام ہے۔

☆☆☆

دنیا خوبصورت سانپ کی مانند ہے۔

☆☆☆

کائنات کے رنگ و بو میں غور و فکر کرنا عبادت ہے۔

☆☆☆

برائیوں سے مصالحت اور سمجھوتہ جائز ہوتا تو کربلا جیسے سانحات کبھی رونما نہ ہوتے۔

☆☆☆

ایمان والوں کی سیاست یہ ہے کہ موجودہ سیاستِ نجاست سے اپنے دامن کو آلودہ نہ ہونے دیں۔

☆☆☆

اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک کامیابی یہ ہے کہ خود پسندی کو خدا پسندی کی آگ میں جلا دیا جائے۔ توبہ کے بعد گناہ کرنے والا خدا کی بارگاہ میں منافق/مکار ہے۔

☆☆☆

نیکی یہ ہے کہ جس کے کرنے کے بعد سکون نصیب ہو جائے۔

☆☆☆

منہ پر مکر جانے والے کی مثال دریا کے دوسرے کنارے پر کھڑے ہو کر گالی دینے والے کی طرح ہے جس کا آپ کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

☆☆☆

صبر اور شکر ایمان کے سنگ میل ہیں۔

☆☆☆

جسم کی ریاضیت کم بولنا اور کم کھانا ہے۔

☆☆☆

جس نے توبہ کی نیت پر گناہ کیا وہ بد بخت مشرک ہے۔

☆☆☆

جو فیصلہ کرنے کے بعد بدلنے کے عادی ہوں وہ ترقی نہیں کر سکتے۔

☆☆☆

بڑے لوگوں میں عموماً تین چیزیں مشترک ہوتی ہیں۔ کم بولنا۔ کم کھانا اور کم سونا۔

☆☆☆

سب سے بہتر بات اس مسلمان کی ہے جو اللہ کیطرف دعوت دے۔

☆☆☆

بہترین سر وہ ہے جو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے جھکے۔

☆☆☆

اس گھڑی سے پناہ مانگو جس گھڑی میں ماں بددعا کیلئے ہاتھ پھیلا دے۔

☆☆☆

جھوٹ گناہوں کا درخت ہے۔

☆☆☆

دوزخ سے نجات کی سیڑھی مخلوق خدا کی خدمت ہے۔

☆☆☆

تقویٰ دانائی کی معراج ہے۔

☆☆☆

اندھا صرف وہ ہے جس کو عیب نظر نہ آئیں۔

☆☆☆

اگر موے اتحاد کرلیں تو باز جنگل چھوڑ دیں۔

☆☆☆

جس نے اپنا ماضی بھلا دیا۔ وہ گمراہ ہو گیا۔

☆☆☆

خوبصورت محل / بنگلہ بنانے سے پہلے قبر کی تنگی و ہولنا کی یاد کرلو۔

☆☆☆

دوسروں کے مصائب اور تکالیف سے لاتعلق رہنے والے انسان نہیں، حیوان ہیں۔

☆☆☆

دوسروں کو اپنے سے کمزور سمجھنا فحش غلطی ہے۔

☆☆☆

اس سے بڑا بدقسمت کوئی ہو سکتا ہے؟ جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے بجائے اسکے کسی بندے سے سوال کرے۔

☆☆☆

مسلمانوں کی عیب جوئی کرنیوالا ہمیشہ ہدایت سے محروم رہتا ہے۔

☆☆☆

ماں ایک تحفہ ہے جو اللہ کیطرف سے ایک مرتبہ عطا ہوتا ہے۔

☆☆☆

جو معاشرہ ماں کا احترام کھودے وہ معاشرہ اخلاقی لحاظ سے بانجھ ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

بے علم کا کوئی شاگرد نہیں ہوتا۔ لیکن بڑے بڑے فقہی، محدث، بے علم ماؤں کے شاگرد رہ چکے ہیں۔

☆☆☆

جس نے لایعنی اور بے معنی مشاغل میں آج ضائع کر دیا۔ کل کا طلوع ہونے والا سورج اس پر ماتم بھی نہ کرے گا۔

☆☆☆

ماں وہ پھول ہے۔ جو کبھی مرجھاتا نہیں۔

☆☆☆

اللہ کے دوست دنیا میں دیکھنا چاہتے ہو تو محنت کرنیوالوں کو دیکھ لو۔

☆☆☆

علم عمل کا امام ہے۔

☆☆☆

علم بارش ہے جس کا اک اک قطرہ رحمت ہے۔

☆☆☆

بے ادب اور علم دو تلواروں کی طرح ایک نیام میں نہیں سما سکتے۔

☆☆☆

علم کم ظرف کو اونچا اور جاہل کو کم ظرف بناتا ہے۔

☆☆☆

علم ایک قلزم ہے جسکی گہرائی کا اندازہ اسمیں کودنے کے بعد ہی ہوتا ہے۔

☆☆☆

جس علم سے اللہ رب العزت کی معرفت حاصل ہو وہ علم نافع ہے۔

☆☆☆

علم کے بغیر عبادت بے مقصد ہے اور بے مقصد عبادت وقت کا بھیانک قتل ہے۔

☆☆☆

قبضہ کرنا چاہتے ہو تو نفس کی زمین پر کرو۔ کیونکہ اس پر جنت کا محل تعمیر ہوتا ہے۔

☆☆☆

ہدایت کی روشنی اخلاص کے چراغوں سے پھیلتی ہے۔

☆☆☆

دینی جماعتوں کا ترتیبِ رسولؐ سے ہٹ کر کام کرنا ایسے ہی ہے جیسے پرندوں کا بغیر پروں کے اُڑنا۔

☆☆☆

اعلیٰ دماغ اور غنی مزاج قائد صدیوں کی مسافت لمحوں میں طے کر لیتے ہیں۔

☆☆☆

فاصلہ خواہ کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو شروع پہلے ہی قدم سے ہوتا ہے۔

☆☆☆

منزل ایک، راستے جدا جدا، کارواں ایک، کارواں سالار کئی ہوں تو قوم اُلٹے پاؤں چلنے لگتی ہے۔

☆☆☆

اللہ رب العزت کیلئے آنسوؤں کے بہانے کی آرزو ختم ہو جائے تو دل میں گناہوں کا میلہ لگ جاتا ہے۔

☆☆☆

بلند کام کیلئے بلند مزاج اور بلند نام کیلئے بلند دماغ درکار ہے۔ کم قسمتی سے یہ بازار قیادت میں جنس نایاب ہے۔

☆☆☆

جہاں زبانوں اور نسلوں کے خانوں کی تقسیم ہو۔ تو معاشرے کی وحدت کو امر بیل پکڑ لیتی ہے۔

☆☆☆

قلم کی محنت سے انقلاب تراشنے کی خواہش، قدم کی محنت کے بغیر تبدیلی کا سورج، اناؤں کا خراج دیئے بغیر مخدوم بننا محال ہے۔

☆☆☆

اللہ کے ذکر کے بغیر مجلس کا خاتمہ خیر نہیں شر کا باعث ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

عالم کی موت پوری کائنات کی موت ہوتی ہے۔

☆☆☆

مال کی محبت سے آخرت کی بے رغبتی اور اعمال کی محبت سے دنیا کی بے رغبتی پیدا ہوتی ہے۔

☆☆☆

جس نے پہلا قدم اپنے نفس پر رکھا تو دوسرا قدم جنت میں ہوگا۔

☆☆☆

دل اس کیفیت کی مانند ہے جس پر ایمان کی محنت نہ کی جائے تو اس پر ایمان سوزی اور بے مقصدیت کے کانٹے اور پریشانیوں کے خودرو کانٹے اُگ آتے ہیں۔

☆☆☆

مسکراہٹ ایک ایسا شجر ہے جس پر کبھی خزاں نہیں آتی۔

☆☆☆

بڑے لوگ وہی ہوتے ہیں۔ جن کے سر عاجزی کے تاج سے سجے ہوتے ہیں۔

☆☆☆

شب تاریکی میں امید کا جگنو ضرور نمودار ہوتا ہے۔

☆☆☆

دنیا کی ہر چیز کا متبادل ہے۔ لیکن ماں باپ کا متبادل نہیں۔

☆☆☆

دوستی میں اعتماد عروج اور دوستی میں شک زوال ہے۔

☆☆☆

سورج، جوانی اور وقت ہمیشہ ڈھلتے ہیں۔

☆☆☆

اہل ثروت کے در پر درویش برا، لیکن درویش کے در پر اہل ثروت بھلے ہیں۔

☆☆☆

جس سے ماں باپ راضی ہیں اس سے خدا بھی راضی ہے۔

☆☆☆

ترقی کا پہلا زینہ اپنی مدد آپ۔

☆☆☆

برے دوستوں سے احتراز کرو۔ کیونکہ وہ تمھاری شناخت بن جائیں گے۔

☆☆☆

نصف عقل دوسروں سے محبت کرنے میں ہے۔

☆☆☆

عظیم ہوتے ہیں وہ لوگ جو اپنے دل کو شیطان کا کھلونا بننے نہیں دیتے۔

☆☆☆

کتاب ظلمت سے روکتی اور جستجو پیدا کرتی ہے۔ حق کی راہ دکھاتی ہے۔ بدی سے منع کرتی ہے۔

☆☆☆

علم سے دنیاوی اور اخروی رفعتیں ملتی ہیں۔

☆☆☆

عالم سے الفت اسلام ہے۔ اسلام کے ہر اچھے عمل پر خیر ملتی ہے۔

☆☆☆

علم انسانیت کی معراج ہے۔

☆☆☆

علم کے بغیر جنت تک پہنچنا ناممکن ہے۔

☆☆☆

علم سے اللہ کا تعارف ہوتا ہے۔

☆☆☆

علم کا پھیلاؤ بہترین صدقہ ہے۔

☆☆☆

اللہ کا ذکر بہترین عمل ہے۔

☆☆☆

بڑے لوگ وہ ہوتے ہیں۔ جن کے عزائم پہاڑوں جیسے اور جن کی خواہشات رائی سے بھی کم۔

☆☆☆

آرزو کرنے سے شہرت، دولت اور رتبہ نہیں ملتا، بلکہ مسلسل محنت کرنے سے۔

☆☆☆

خواہشات کا طویل ہونا۔ مال سے محبت ہونا۔ دل کا پتھر ہونا۔ اور آنکھوں سے پانی کا نہ بہنا بدبختی کی نشانیاں ہیں۔

☆☆☆

جس کا لہجہ ترش ہوگا۔ اس کے دشمن زیادہ ہوں گے۔

☆☆☆

شکر گزار مومن اللہ رب العزت کا سچا دوست ہے۔

☆☆☆

شباب میں گناہ بد، اور پیری میں گناہ بدترین۔

☆☆☆

دنیا اور آخرت دونوں میں حکمرانوں کی سب سے زیادہ پکڑ ہوتی ہے۔

☆☆☆

عدل انبیاء کی میراث ہے اور بدعہدی نفس پرستوں کا شیوہ۔

☆☆☆

پُرمسرت زندگی کی آرزو رکھتے ہو تو قناعت اور شکر کو اوڑھنا بچھونا بنالو۔

☆☆☆

تبلیغ ایک ایسا فریضہ ہے جس کا ثواب کا اندازہ ممکن نہیں۔

☆☆☆

ہمسایوں کی بے اکرامی کرنے والا بدعتی ہے۔

☆☆☆

غیبت کرنیوالا اللہ کا دوست نہیں ہوسکتا، لیکن ظالم کی غیبت جائز ہے۔

☆☆☆

آخرت کی فکر کرنیوالا دنیا کی فکروں سے آزاد رہتا ہے۔

☆☆☆

خدا پرست لوگوں کو بھلائی کیطرف بلاتا ہے۔ جبکہ نفس پرست اور دنیا پرست مال جمع کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

☆☆☆

جو آخرت کو اپنا محبوب بنا لے وہ کائنات کا کامیاب انسان ہے۔

☆☆☆

فقیری یہ ہے کہ دنیا کی طلب نہ ہو اگر مل جائے تو اس کو چلتا کردے۔

☆☆☆

تکالیف کا مقابلہ صبر اور شکر سے کرنا مومن کی صفت ہے۔

☆☆☆

جس کا احساس مردہ ہو جائے اسکو اعمال صالحہ کی فکر نہیں رہتی۔

☆☆☆

جسطرح پانی کے بغیر پیاس نہیں بجھتی اسی طرح اسلام کی محبت کے بغیر قبر کشادہ نہیں ہوتی۔

☆☆☆

کمینے کی پہچان یہ ہے کہ وہ طاقتور کی عزت کرتا ہے۔

☆☆☆

سوچنے کے بعد فیصلہ نہ کرنے والے وقت ضائع کرتے ہیں۔

☆☆☆

اسلام کیا ہے؟ 24 گھنٹے نظم وضبط کی زندگی۔

☆☆☆

ناکامی کی دوسری وجوہات ہو سکتی ہیں مگر محنت نہیں۔

☆☆☆

اچھے خیالات کی اشاعت نہ کی جائے تو وہ فرسودہ ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆

میانہ روی اختیار کرنیوالے کبھی راستے سے نہیں بھٹکتا۔

☆☆☆

سچائی ایک ہیرا ہے جو تراشے گا نکھرے گا۔

☆☆☆

یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ ظالم ہمیشہ رسوا ہوتا ہے۔

☆☆☆

پہاڑوں کو اکھاڑہ جا سکتا ہے مگر مسلمانوں کی داعی جماعت کو نہیں۔

☆☆☆

شریعت کا راستہ سیدھا جنت میں جاتا ہے۔

☆☆☆

سودمند کلام وہ ہے جو سننے والے کو تسکین دے۔

☆☆☆

وقت سے بے مروتی کرنیوالا زندگی سے مکاری کرتا ہے۔

☆☆☆

غداروں کی نسلیں بھی سر اُٹھا کر نہیں چل سکتیں۔

☆☆☆

بیماری سے پہلے صحت اور گناہ سے پہلے نیکی کو غنیمت سمجھو۔

☆☆☆

آگ میں اتنی حدت نہیں کہ جتنی دوست کی بے اعتنائی میں ہے۔

☆☆☆

وقت دنیا کا پل صراط ہے۔ جس کے ایک کونے پر زندگی اور دوسرے پر موت ہے۔

☆☆☆

کامیابی کے جزیرے پر پہنچنے کیلئے محنت کا سمندر عبور کرنا پڑتا ہے۔

☆☆☆

خدا کی مملکت سے باہر جا کر گناہ کرنیوالے کو عذاب نہیں ہوگا۔

☆☆☆

سچے اور جھوٹے میں وہی فرق ہے جو زندہ اور مردہ میں ہے۔

☆☆☆

وقت کی ٹھوکریں حیات کا بہترین نصاب ہیں۔

☆☆☆

خوشامد بدترین غلاظت ہے۔

☆☆☆

تمھاری وجہ سے کسی نے صراط مستقیم اختیار کرلیا تو تمھاری نجات کیلئے کافی ہے۔

☆☆☆

زبان وہ بھیڑیا ہے اگر اس کو آزاد کر دیا جائے تو یہ تمہیں بھی چیر ڈالے۔

☆☆☆

ذلت کی عیش سے عزت کا سوکھا ٹکڑا افضل ہے۔

☆☆☆

جس کی دعا بے جان ہے اس کی عبادت بھی بے جان ہے۔

☆☆☆

دیانت سے رزق کی وسعت اور بددیانتی سے غربت آتی ہے۔

☆☆☆

لسانی تعصب ایک ایسی آندھی ہے جو شعور کے چراغ گل کر دیتی ہے۔

☆☆☆

عقل زائل ہو جائے تو گناہ ہوتا ہے۔ اس لئے عقل والے گناہ سے احتراز کرتے ہیں۔

☆☆☆

ہر انسان کو دیکھ کر یہ خیال نہ کرو کہ وہ اندر سے خالی ہے تمہیں کیا معلوم اس کے اندر اللہ کی محبت ہو۔

☆☆☆

جہاں دلوں پر حکومتیں ہوں وہاں شورشیں جنم نہیں لیتیں۔

☆☆☆

طنز کی زبان تیزاب کیطرح ہوتی ہے۔

☆☆☆

منافق کی ہمدردی دشمن کی تلوار سے زیادہ خطرناک ہے۔

☆☆☆

سردار بننا چاہتے ہو تو گناہگاروں سے حسن سلوک کرو۔

* * *

غافل کی صحبت دنیا و آخرت کا خسارہ ہے۔

* * *

جب تک تیرے اندر طاقت ہے نیکی کر۔ نیکی کی قوت اللہ چھبن بھی سکتا ہے۔

* * *

احمقوں سے دور بھاگنے والا دانا ہے۔

* * *

اللہ سے صلاح رکھنے والے دونوں جہانوں میں چین سے رہتے ہیں۔

* * *

عبادت سے زیادہ عبادت کا انداز قیمتی ہے۔

* * *

سادہ اور موٹا کپڑا ایمان والوں کا پسندیدہ لباس ہے۔

* * *

اپنی کامیابی پر شکر کرو۔ ورنہ نعمت چھن بھی سکتی ہے۔

* * *

حروف غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں محسنوں کو بھول جانے والے۔

* * *

چودھویں کے چاند اور مفلس کی جوانی کے ڈھلنے کا پتہ نہیں لگتا۔

* * *

موسم، انسان۔ اچھے برے وقت ہمیشہ آتے جاتے رہتے ہیں۔

* * *

محبت کی بارش برساؤ گے۔ تو نفرت کی گرد بیٹھ جائیگی۔

☆☆☆

جو دین سے بے پرواہ، اللہ رب العزتؑ اس سے بے پرواہ

☆☆☆

خوش اخلاقی ایک انمول خزانہ ہے۔

☆☆☆

جس کے پاس مسکراہٹ نہیں وہ فکری اور ذہنی بیمار ہے۔

☆☆☆

مضبوط وہ ہوتے ہیں جو اپنی عادتوں پر غالب آجائیں۔

☆☆☆

دانائی اور عقل مندی کے موتی اٹھالو خواہ وہ نالی میں ہی کیوں نہ پڑے ہوں۔

☆☆☆

صحت ایک نایاب تحفہ ہے۔

☆☆☆

عظمت تقویٰ میں ہے۔

☆☆☆

اعتماد زندگی کی شریانوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔

☆☆☆

وقت ایک بے وفا طوطا ہے۔

☆☆☆

فکر کے بغیر مقاصد کی تکمیل سفید جھوٹ ہے۔

☆☆☆

آزادی کو حاصل کرنا ایک فرض، اسکو برقرار رکھنا بھی فرض، آزادی روشنی کا چراغ ہے۔ جو تیل سے نہیں لہو سے جلتا ہے۔

☆☆☆

جس قوم کے معمار اپنی راتوں کا خون کرتے ہیں وہ قوم سکھ کی نیند سوتی ہے۔

☆☆☆

نیک لوگ اللہ کی محبت میں ڈوب کر ہی معرفت کے موتی حاصل کرتے ہیں۔

☆☆☆

بداخلاقی ایک کانٹا ہے جس سے سب لوگ دامن بچاتے ہیں۔

☆☆☆

آسمانوں میں اللہ کے دوست یوں چمکتے ہیں جیسے آسمان پر ستارے۔

☆☆☆

کتابوں کے انتخاب میں احتیاط کریں کیوں کہ بعض کتابیں اللہ سے دور لے جاتی ہیں۔

☆☆☆

وہ نوجوان ضعیف ہے جو جوانی میں علم کے دروازے بند کرے۔

☆☆☆

نڈر وہ ہے جس کو اپنے غصہ پر ضبط ہے۔

☆☆☆

عقل کی سرحدیں ہوتی ہیں جبکہ بے عقل کی کوئی سرحد نہیں ہوتی۔

☆☆☆

وہم کی عمارت مفروضوں پر قائم ہوتی ہے۔

☆☆☆

غم اس وقت تک غم ہوتا ہے جب تک سینے میں رہے باہر نکالتے ہی ہنسی مذاق کے تیر اسے مزید چھلنی کر دیتے ہیں۔

☆☆☆

بے طلب کو نصیحت کرنا اندھیرے میں رسی پر لاٹھیاں مارنے کے مترادف ہے۔

☆☆☆

بغیر سوچے سمجھے منہ سے نکلنے والے الفاظ ندامت لاتے ہیں۔

☆☆☆

تقویٰ ایک ایسا درخت ہے جس کے نیچے مرنے کے بعد ستانے سے دنیا کی ساری تھکن اتر جاتی ہے۔

☆☆☆

کاہلی کے چاروں دروازے مایوسیوں کیطرف کھلتے ہیں۔

☆☆☆

قسمت کا کنواں خود کھودنا پڑتا ہے۔

☆☆☆

انصاف تمام خوبیوں کا سردار ہے۔

☆☆☆

محنت وہ سکہ ہے جو دنیا کے ہر ملک میں چلتا ہے۔

☆☆☆

جس کا اخلاق اچھا نہ ہو وہ مکار ہے۔

☆☆☆

آسمان کا حسن ورعنائی ستارے ہیں اور زمین کا حسن علم والے ہیں۔

☆☆☆

اللہ سے سچی انسیت ایک ایسا پودا ہے جس پر کبھی خزاں نہیں آتی۔

☆☆☆

قبر مومن کیلئے باعث رحمت اور کافر کیلئے باعث عذاب۔

☆☆☆

نیکی کا دوسرا نام روشنی اور بدی کا دوسرا نام اندھیرا ہے۔

☆☆☆

ہدایت پانے والے نصیحت قبول کرتے ہیں جبکہ گمراہ ناگواری کا اظہار کرتے ہیں۔

☆☆☆

جاہل نہ اچھا کام کرتے ہیں نہ کرنے دیتے ہیں۔

☆☆☆

احسان جتلانا کمینوں کا اور بھول جانا عالی مرتبت لوگوں کا وصف ہے۔

☆☆☆

حسد روح کا سرطان (کینسر) ہے۔

☆☆☆

دولت سے سب کچھ مل سکتا ہے مگر سوائے سکون کے۔

☆☆☆

فضول خرچ سخی سے کفایت شعار کنجوس بہتر ہے۔

☆☆☆

صاحب عقل ہنر مند ہاتھوں میں مٹی بھی ہیرا بن جاتی ہے۔

☆☆☆

جو دنیا کو حقیر سمجھے دنیا ان کے پیچھے دوڑتی ہے۔ اور جو دنیا کو معتبر سمجھتے ہیں۔ دنیا ان سے دور بھاگتی ہے۔

☆☆☆

بے لگام زبانیں سر کٹوا دیتی ہیں۔

☆☆☆

ستر تلواروں کا زخم بھر سکتا ہے مگر زبان کا زخم نہیں بھرتا۔

☆☆☆

منزل ملنے تک بے چین رہنے والے لوگ قوم کا سہارا ہوتے ہیں۔

☆☆☆

دوزخ کو حق جاننے کے بعد گناہ کرنا حماقت ہے۔

☆☆☆

سکون مانگا یا چرایا نہیں جا سکتا۔

☆☆☆

نیک عمل وہ ہے جو ستائش اور صلہ کی پرواہ کیے بغیر کیا جائے۔

☆☆☆

وقت کی قدر وقت کا صحیح مصرف ہے۔

☆☆☆

راستہ پوچھنے والے، شرم نہ کرنے والے، طالب علم ہوتے ہیں۔

☆☆☆

صرف وہی بکری درندوں کا شکار ہوتی ہے جو ریوڑ سے باہر رہتی ہے۔

☆☆☆

آخرت کی فکر و طلب با مقصد زندگی ہے۔

☆☆☆

علم و حکمت سے خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ جن پر خطاؤں کے کانٹے نہیں اُگتے۔

☆☆☆

بے ایمان کے قلب سے زیادہ سخت اور ایمان والے کی موت سے زیادہ نرم کوئی چیز نہیں۔

☆☆☆

نفس کی بیماریاں موت کے تذکرے سے ختم ہوتی ہیں۔

☆☆☆

بہادر وہ ہے جو کمزور کے ساتھ عاجزی کرے۔

☆☆☆

تمھارے عیبوں کی نشاندہی کرنیوالا ہی تمھارا سچا دوست ہے۔

☆☆☆

لسانی تعصب اگرز ہر نہیں لیکن زہر سے زیادہ خطرناک ہے۔

☆☆☆

سکوت غصے کا بہترین علاج ہے۔

☆☆☆

کسی کام میں یکسوئی کامیابی کا راز ہے۔

☆☆☆

ایک نظریاتی کارکن قوم کیلئے چرواہے کی مانند ہے جو اکیلا ہزاروں بکریوں کیلئے کافی ہوتا ہے۔

☆☆☆

جدوجہد کے بغیر کامیابی کی امید بے سود ہے۔

☆☆☆

سکون سب سے بڑی نعمت اور بے سکونی سب سے بڑا عذاب ہے۔

☆☆☆

اپنے رازوں کو دشمن اور دوست دونوں سے چھپاؤ۔

☆☆☆

جاہلوں سے خندہ پیشانی سے پیش آنا علم کی زکوٰۃ ہے۔

☆☆☆

فکر سے محروم قومیں غلامی کیلئے جنی جاتی ہیں۔

☆☆☆

اگر علم حاصل کرنا پسند نہیں تو جاہل رہنا بھی پسند نہ کرو۔

☆☆☆

جس قوم میں رشوت، سفارش اور بدعہدی عام ہو جائے اس پر دشمن کو حملے کرنے کی ضرورت نہیں۔

☆☆☆

قوت برداشت عظیم ترین قوت ہے۔

☆☆☆

بے ضمیر زندہ ہو کر بھی مردہ ہوتے ہیں اور باضمیر مر کر بھی زندہ ہوتے ہیں۔

☆☆☆

جس کا کردار اونچا ہے دنیا کی نظروں میں ہمیشہ اونچا رہے گا۔

☆☆☆

کتاب اور دعا کی کوئی قیمت نہیں۔

☆☆☆

بے صبری کا پھل کڑوا ہوتا ہے۔ خواہ کتنا ہی جلدی کیوں نہ ملے۔

☆☆☆

بدی کا پھول نجس اور بدصورت ہے اور اسکو جڑ سے اکھاڑنا فرض ہے۔

☆☆☆

قسمت کے دریا کا منہ موڑنا چاہتے ہو تو محنت کے بند باندھو۔

روضیات اور مذہبیات

(ماخذ: گوروگرنتھ صاحب)

توحید باری تعالیٰ

گوروگرنتھ صاحب میں خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کاملہ کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ گروگرنتھ صاحب کا خاص اور بنیادی مضمون توحید باری تعالیٰ ہے۔ یہ درست ہے کہ بعض بھگتوں اور بھاٹوں وغیرہ کے کلام سے مشرکانہ عقائد اور خیالات کی تائید ہوتی ہے۔ تاہم جہاں تک گورونانک صاحب کے نظریات اور عقائد کا تعلق ہے وہ مشرکانہ خیالات پر مبنی نہیں ہیں۔ بلکہ شرک کی تعلیم سے بہت بلند و بالا ہیں۔ اور قرآن شریف میں بیان کردہ صفات الہیہٗ کا ایک گورمکھی چربہ ہیں۔ یعنی باباجی نے اپنے کلام میں خدا تعالیٰ کی وہی صفات بیان کی ہیں جو قرآن شریف کی مقدس آیات میں جلوہ گر ہیں اور بعض دوسرے گورو صاحبان اور بھگتوں نے بھی اپنے کلام میں اپنے اپنے رنگ میں خدا تعالیٰ کی صفات بیان کی ہیں۔ لیکن گوروارجن جی کے زمانے میں چونکہ سکھوں میں اوتالہ فلاسفی وغیرہ خیالات پھر سے عود آئے تھے اس لیے کہیں شرک کی مابونی بھی موجود ہے۔ چنانچہ ایک سکھ ودوان نے اس بارے میں یہ بیان کیا ہے کہ:

’’یہ درست ہے کہ گوروارجن جی کے زمانہ تک گورونانک جی کو خدا کہنے اور ماننے کا عقیدہ پیدا ہو چکا تھا۔ گورونانک خود ایسے عقائد کو حد درجہ کا شرک گردانتے اور کبھی گوارہ نہ کرتے‘‘ ایک اور مقام پر سردار صاحب موصوف نے بیان کیا ہے کہ ’’گوروارجن جی کے زمانہ تک اوتار فلاسفی کا مسئلہ سکھوں میں پوری طرح رواج پا چکا تھا‘‘۔ لیکن جہاں تک باباجی کے اپنے کلام کا تعلق ہے اس

میں اوتار فلاسفی کے لیے کوئی جگہ نہیں بلکہ جا بجا اس کا رد ہے۔

ذیل میں ہم اس سلسلہ میں گورو گرنتھ صاحب سے بعض ایسے شبد اور شلوک نقل کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور صفاتِ کاملہ کا بیان ہے۔

خدا تعالیٰ ایک ہے

جناب بابا صاحب اور دوسرے سکھ گورو صاحبان نے گورو گرنتھ صاحب کے متعدد مقامات پر خدا تعالیٰ کی توحید کو اپنایا ہے۔ اور اس کی صفات کاملہ کو بیان کیا ہے۔ اور یہ بات خاص طور پر بیان کی گئی کہ وہ (خدا تعالیٰ) اپنی خاص صفات میں یکتا ہے۔ یعنی اس کی وہ صفات جو توحید کا خاصہ ہیں کسی دوسری ہستی کی طرف منتقل نہیں کی جا سکتیں۔ کیونکہ اس طرح شرک لازم آئے گا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں

صاحب میرا ایکو ہے ایکو ہے بھائی ایکو ہے
آپے مارے آپے چھوڑے آپے لیوے دیئے
آپے دیکھے وگسے آپے ندر کریئے
جو کچھ کرنا سو کر رہیا اور نہ کرنا جائی
جیسا در تے تیسو کہیے سب تیری وڈیائی

یعنی میرا خالق اور مالک ایک ہے ہاں ہاں بھائی وہ ایک ہی ہے۔ وہی مارنے والا ہے وہی زندہ کرنے والا ہے۔ وہی دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ وہی جس پر چاہتا ہے اپنے فضلوں کی بارش کرتا ہے۔ یعنی وہ جو چاہتا ہے کرتا (وہ فعال لمبا یرید) ہے اس کے بغیر اور کوئی بھی نہیں جو ان کی صفات کا حامل ہو سکے جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے۔ ہم وہی کچھ بیان کرتے ہیں۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تعریف اور بڑائی بیان کر رہی ہے۔

صاحب میرا ایک ہے اور نہیں بھائی
کرپا تے سکھ پایا ساچے پرتھائی

یعنی ہمارا خالق اور مالک ایک ہی ہے اور کوئی نہیں۔ اس کے فضل سے ہی انسان سکھ اور

آرام پاتا ہے۔

☆☆☆

لم یلد ولم یولد

گوروگرنتھ صاحب کے متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کو لم یلد ولم یولد ظاہر کیا گیا ہے۔ چنانچہ مرقوم ہے:

الکھ اپار اگم اگوچر نہ تس کال نہ کرماں
جات اجات اجونی سنبھو نہ تس بھاؤ نہ بھرماں
ساچے سچیار وٹھہو قربان
نہ تس روپ ورن نھیں ریکھیا ساچے سبد نیباں
نہ تس مات پتا ست بندھپ نہ تس کام نہ ناری
اکل نرنجن اپر پرنیر سگلی جوت تمھاری

یعنی: نہ تو اللہ تعالیٰ کا کوئی شجرہ نسب ہے اور نہ آیندہ کے لیے کوئی نسل ہے۔ وہ ان تمام باتوں سے بلند وبالا ہے۔ اس کی شناخت اس کے بلند اور پاکیزہ کلام کے ذریعہ ہوتی ہے:

بید کیتی بھید نہ جانا
نہ تس مات پتا ست بھراتا
سگلے سیل اپائے سمائے الکھ نہ لکھنا جائی ہے

یعنی: ویدوں اور دوسری کتابوں نے اللہ تعالیٰ کے راز کو نہیں پایا۔ وہ ماں باپ، بھائی بند وغیرہ رشتہ داروں سے پاک ہے۔ وہ خود ہر ایک چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور خود ہی ہر چیز کا فنا کرنیوالا ہے۔ اور وہی وراء الوریٰ ہے۔

کبیر کو سوامی ایسا ٹھاکر
جا کو مائی نہ باپو رے

یعنی: کبیر جی کہتے ہیں کہ ہمارا خالق ایسا ہے نہ جس کی کوئی ماں ہے اور نہ باپ یعنی وہ لم یلد ولم یولد ہے۔

خدا تعالیٰ کا سروپ

گورو گرنتھ صاحب میں بعض ایسے شبد بھی شامل ہیں۔ جن میں انسانوں کو سمجھانے کے لیے خدا تعالیٰ کا سروپ بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مرقوم ہے۔

سہس تو نین نن نین ہے تو ہے کو
سہس مورت ننا ایک تو ہی

یعنی اے اللہ تیری ہزار ہا آنکھیں۔ مگر در حقیقت تیری ایک بھی مادی آنکھ نہیں۔ تیری ہزار ہا شکلیں ہیں۔ مگر اصل میں تیری ایک بھی مادی شکل ہیں۔ تیرے ہزار ہا پاؤں ہیں مگر حقیقت میں تیرا ایک بھی مادی پاؤں نہیں۔ تیرے ہزار ہا نشانات ہمیں سرور دے رہے ہیں۔ ہر چیز میں تیرا جلوہ ہے اور ہر چیز تیرے نور سے ہی منور ہے۔ اور وہ نور مرشد کامل کے اپدیش کے ذریعہ انسان پر ظاہر ہوتا ہے اس کے بغیر نہیں۔

تیرے بنکے لوئن دنتِ ریسالا
سوہنے نک جن لمڑے والا
کنچن کائیناں سوئنے کی ڈھالا
سودن ڈھالا کرشن مالا سہیلیو

☆☆☆

تیری چال سہادی مدھراڑی بانی
کہہ کن کو کلا ترل جوآنی
ترلا جوآنی آپ بھانی اچھ من کی پوریئے
سارنگ جیوں پگ دھرے ٹھم ٹھم آپ سندھوریئے

یعنی اے مولا! تیری آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔ اور دانت بھی موتیوں کی مانند ہیں۔ تیرا ناک بہت خوبصورت ہے اور بال بہت خوبصورت اور لمبے ہیں۔ تیرا جسم سونے کا ہے اور اے سہیلیو! اس کی ہی عبادت کرو۔ اے خدا تیری چال بہت اچھی ہے۔ تیرا کلام بہت میٹھا ہے۔ اور تو دل کی تمام مرادیں پوری کرنے والا ہے۔

☆☆☆

گورو گرنتھ صاحب میں خدا تعالیٰ کی توحید اور صفات کے سلسلہ میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ چونکہ وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے۔ اس لیے وہی عبادت کے لیے ہے۔ اس کے بغیر کسی اور ہستی کی عبادت کرنا سراسر ناجائز ہے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کسی اور کی پرستش کرتے ہیں۔ اس کی عبادت میں کسی اور کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ وہ لوگ سراسر خسارے میں ہیں۔

چنانچہ مرقوم ہے:

صاحب میرا سدا ہے وسے بدکمائے
اوہ اوہانی کدے بانہہ نہ آوے نہ جائے
سدا سدا سو سیویئے جوسبھ ینہ لوہے سمائے
اور دو جا کٹوں سویئے جمے تے مرجائے
نہپھل تن کا جیویا جے خصم نہ جائے اپنا آوری کو چت لائے
نانک ایونہ جاپئی کرتا کیتی ویٹے سجائے

یعنی ہمیشہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کی جائے۔ جو ہر جگہ موجود ہے۔ کسی ایسی ہستی کی عبادت کرنا جو پیدا ہوتی ہے ایک وقت پر مر جاتی ہے۔ کسی بھی حالت میں جائز نہیں۔ اور جو لوگ اپنے حقیقی مالک کی شناخت نہیں کرتے اور اپنے دل میں دوسرے لوگوں کو جگہ دیتے ہیں۔ وہ خسارہ میں رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی شرک کو کبھی معاف نہیں کرتا اور اس کی سزا ضرور دے گا۔

ایکو جب ایکو صالاح ایک سمرا ایکو من آہ
ایکس کے گن گا انت من تن جاپ ایک بھگونت

ایکو ایک ایک ہر آپ   پورن پور رہیو پربھ بیاپ
انک سبتھار ایک تھے بھئے   ایک ارادھ پراچھت گئے
من تن انتر ایک پربھ راتا   گرپرساد نانک اک جاتا

یعنی خدائے واحد کی پرستش حمد اور ذکر کرتے رہنا چاہیے۔ اور اپنا دل بھی خدائے تعالیٰ سے لگانا چاہیے کیونکہ حقیقی تعریف اور عبادت کے لائق خدائے واحد ہی ہے۔ اور ہر انسان کو اپنے من تن سے اس کی عبادت کرنی چاہیے۔ وہ خدائے برتر ہر جگہ پر موجود ہے۔ کوئی جگہ اس سے خالی نہیں ہے۔ اور تمام کائنات ہی ایک کی قدرت کاملہ کا ایک ادنی کرشمہ ہے اور اس خدائے واحد کی عبادت کرنے سے انسان کو کسی اور چیز کی حاجت نہیں رہتی۔ ہمارے تن من میں وہی ایک سمایا ہوا ہے۔ نانک جی کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے مرشد کامل کی نظر سے خدائے واحد کو شناخت کرلیا ہے۔ گوروگرنتھ صاحب کے متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کا جو اس نے اپنے بندوں پر محض اپنے فضل سے کیے ہوتے ہیں ذکر کر کے لوگوں کو اس کی عبادت کی تلقین کی گئی ہے۔

چنانچہ ایک جگہ مرقوم ہے:

جن کیتا مائی تے رتن   گربھ مینہ رکھیا جن کر جتن
جن دینی سوبھا وڈیائی   تس پربھ کو آٹھ پہر دھائی

☆☆☆

جن کیتا موڑھ تے بکتا   جن کیتا بے سرت تے سرتا
جس پرسا دنوے ندھ پائی   سو پربھ من تے بسرت ناہی
جن دیا نتھاوے کو تھان   جن دیا نمانے کو مان
جن کیتی سبھ پورن آسا   سمرودن رین ساس گراسا

یعنی جس خدا نے انسان کو مٹی سے پیدا کر کے ایک ہیرا بنا دیا ہے۔ اور جس نے ان کے بطن سے حفاظت کی ہے۔ اور جس نے عزت اور بڑائی بخشی ہے اور اس خدائے واحد کو ہم آٹھوں پہر یاد کرتے ہیں۔ اور اسی کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ جس خدا تعالیٰ نے انسان کو بے وقوف سے عقلمند بنایا اور بولنے کی تمیز دی ہے اور جس نے بے سمجھ کو سمجھ بخشی ہے اور جس کے فضل سے ہی

انسان کو سب کچھ حاصل ہوتا ہے اور اس خدائے تعالیٰ کی یاد کبھی ہمارے دل سے نہیں بھول سکتی۔ جس خدا تعالیٰ نے بے ٹھکانے کو ٹھکانہ دیا ہے۔ اور بے عزت کو عزت بخشی ہے اور جس نے ہماری تمام مرادیں پوری کر دی ہیں۔ ہم دن رات اور اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس کی یاد میں گزارتے ہیں:

اس پانی تے جن توں گھریا   مائی کالے وہیرا کرما
الحت جوت لے سرت پریکھیا   مات گربھ مینہ جن توراکھیا
راکھن ہار ہمار جناں   سگلے چھوڑ بیچار مناں
جن دیئے تدھ باپ مہتاری   جن دیئے بھرات پت ھاری
جن ڈیئے تدھ بنتا آریتا   تس ٹھاکر کو راکھ لہیو چتیا
جن دیا تدھ پون امولا   جن دیا تدھ نہیر نرمولا
جن دیا تدھ پاوک بلناں   تس ٹھاکر کی رہو من رسنا
جھتیہ انمرت جن بھوجن دیئے   امتر تھان ٹھہراون کو کیئے
بسدھا ویٹو برتن بلناں   تس ٹھاکر کے چت رکھ چرنا
پیکھن کو نتر سنن کو کرناں   پرت کماون باسن رسناں
چرن چلناں کو سرکنیوا میرا   من تس ٹھاکر کے پوجھو پیرا
اپوت پوتر جن تو کریا   سگل جون مینہ توں سرودھیریا
اب تو سیجھ بھاوے نہیں سیجھے   کارج سورے من پربھ دھاییجے
ایاں اویاں ایکے اوہی   جت کت دیکھیے تت تت توہی
تس سیوت من آلس کرے   جس وسریئے اک نمکھ نہ سرے
ہم اپرادھی برگنیارے   نہ کچھ سیوا نہ کرمارے
گر بوہتھ وڈ بھاگی ملیا
نانک داس سنگ پاتھرتریا

یعنی: جس نے تجھے اس پانی (نطفہ) سے بنایا ہے اور مٹی سے تیرا جسوم تیار کیا ہے۔ اور جس نے ماں کے پیٹ میں تیری حفاظت کی ہے اور تو محافظ کو مضبوطی سے پکڑ لے اور باقی تمام کے خیالات چھوڑ دے۔ جس نے تجھے ماں اور باپ دیئے ہیں اور جس نے تجھے بھائی، بہن، بیٹے اور بیٹی بھی بخشے ہیں۔ اور جس نے تجھے دوست عطا کیے ہیں اس خالق اور مالک کو اپنے دل کے اندر جگہ دے۔ جس نے تجھے بیش بہا ہوا دی ہے اور جس نے تجھے بے قیمت پانی دیا ہے اور جس نے تجھے جلانے کے لیے لکڑی دی ہے اس کے (خالق اور مالک) کے قدموں میں گر جا جس نے تجھے کئی قسموں کے کھانے دیئے ہیں۔ اور تیری رہائش کے لیے کئی رہائش گاہیں بنائی ہیں اور تیرے قیام کے لیے تجھے زمین بخشی ہے۔ اس خالق و مالک کے قدموں کو اپنے دل کے اندر جگہ دے۔ جس نے تجھے دیکھنے کے لیے آنکھیں، سننے کے لیے کان، کمائی کرنے کے لیے ہاتھ، چلنے پھرنے کے لیے پاؤں دیئے ہیں۔ اے دل! اس خالق و مالک کے قدموں کی پرستش کر۔ جس نے تجھ ناپاک کو پیدا کیا ہے۔ اور تمام جونوں میں تجھ سرداری دی ہے۔ اس خدا کی عبادت کرنے سے انسان کے تمام کام ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ یہاں اور وہاں ایک ہی ہے جدھر دیکھیں وہی ایک ذات ہے۔ اس کی عبادت کرنے سے دل بھی سستی کرتا ہے۔ حالانکہ بھلانے سے ایک پل بھی نہیں سدھر سکتا۔ ہم گناہ گار ہیں کوئی خوبی نہیں ہے۔ اور نہ ہم نے کوئی خدمت کی ہے اور نہ ہی کوئی عمل کیا ہے خوش قسمتی سے مرشد کامل مل گیا ہے، ہم بھی اس کے ساتھ کنارے لگ گئے ہیں:

☆☆☆

خدا تعالیٰ اپنے بندوں کا ہر حالت میں ساتھ دیتا ہے

گورو گرنتھ صاحب میں خدا تعالیٰ کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ ہر حالت میں اپنے بندوں کا ساتھ دیتا ہے اور ان کی مدد کرتا ہے۔ یعنی جب بندہ نا اُمید ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ ہی ایک ایسی ذات ہے جو اس کی ہر حالت میں مدد کرتی ہے۔ اور جب کبھی انسان مشکلات سے نڈھال ہو جاتا ہے اس کی دوستی کا دم بھرنے والا دوست اس کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ تو اس وقت اگر اس کے دل میں اپنے خالق اور مالک کی عظمت اور عزت قائم رہے تو وہ ان تمام مشکلات پر قابو پالیتا ہے۔

اور اس کا رب العزت خود اس کے لیے نئی راہیں کھول دیتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں گورو گرنتھ صاحب میں مرقوم ہے کہ:

جاں کو مشکل ات ہے ڈھوئی کوئے ناوے
لوگو ہوئے دشماں ساکھ بھی بھج کھلے
بھوبھتے آسرا نکچکے سنبھ اسراؤ
چیت آوے اس پار برہم لگے کریتی داؤ
صاحب نتانیاں کا شان آئے نجانی تھر سداگری شبدی سچ جان
جے کو ہوئے و بلانگ وبکھ کی پیر
وسٹراپلے ۔ نہ پوے نام کو دیوے دھیر
سو آرتھ و آؤ نہ کو کرے نہ کچھ ہوئے کاج
چیت آوے اس پار بہم تانچل ہووے دراج
جاں کو چنتا بہت بہت دہی دیاپے روگ
گرہست کذب پلیا کدے پرکھ کدے سوگ
گون کرے چوکنٹ کاگھٹی نہ بیسنونے
چیت آوے اس اپر برہم تن من سیتل سولے

یعنی! جو شخص بہت سی مشکلات میں گھر جائے اور اسے پناہ دینے والا کوئی نہ ملے اور اس کے دشمن بھی اس کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوں۔ یہاں تک کہ اس کے قریبی رشتہ دار بھی بھاگ جائیں اور اس کے تمام سہارے ایک ایک کر کے ختم ہو جائیں۔ ایسی ناگفتہ بہ حالت اور بے سروسامان انسان کے دل میں اگر محبت اور عظمت خدا کی قائم ہے تو اس کو گرم ہوا بھی نہیں چھو سکے گی۔ یعنی اس کا قادر خدا تعالیٰ سے ہر تکلیف سے نجات دلائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے کمزور بندوں کا حامی ہے۔ اور وہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہے اور ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ گورو کے اس ارشاد کو صحیح اور سچ جانو۔

اگر کوئی شخص انتہائی کمزور بھی ہو اسے بھوک ننگ بھی ستا رہی ہو اور اس کے پلے پھوٹی کوڑی بھی نہ ہو اور اسے کوئی قسم کی تسلی دینے والا بھی نہ ملتا ہو اور نہ ہی کوئی اس کی ضروریات کو پوری کرنے والا ہو۔ ایسے بے سروسامان انسان کے دل میں اگر خدا تعالیٰ کی عزت اور عظمت قائم رہے جاتے ہے تو اس کو دائمی حکومت حاصل ہو جاتی ہے

جسے تفکرات نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہو اور اس کو بیماریاں بھی لگ رہی ہوں اور اس کی گھریلو زندگی بھی بہت تلخ گزر رہی ہو اگر کوئی شخص دن رات سفر ہی میں رہتا ہو اور ایک پل کے لیے بھی کہیں قیام نہ کرتا ہو۔ ایسے دل میں اگر خدا کی عزت اور عظمت ہے تو اس کا تن اور من ٹھنڈا رہے گا۔ اور وہ ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی میں امن اور سکون پائے گا۔

پورہیا سرب ٹھائیں ہمارا خصم سوئے ایک صاحب سرچھت دو جانا نھ کوئے
جیوں بھاوے تیوں راکھ راکھنس ریا تجھ بن اور نہ کروئے ندر نہاریا
پرتپالے پربھ آپ گھٹ گھٹ ساریئے جس من وٹھا آپ تس نہ وساریئے
جو کچھ کرے سو اپ آپن بھانیا بھگتاں کا سہائی جگ جگ جانیا
جپ جپ ہر کا نام کدے نہ جھوریئے
نانک درس پیاس لوچا پوریئے

یعنی: ہر ایک ہی داد و فریاد سننے والا اللہ تعالیٰ خود ہی ہے۔ جس کے دل میں وہ خود بستا ہے۔ اسے وہ نہیں بھولتا۔ جو سب کچھ اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ بھگتوں کا معاون و مددگار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے کبھی بھی خوف زدہ نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی وہ غمگین ہوتے ہیں۔ اور ان کی مراد پوری ہوتی ہے۔

توکل علی اللہ

گرنتھ صاحب میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور پر توکل کرنا سراسر ناجائز ہے اور اس سلسلہ میں یہ واضح تعلیم دی گئی ہے کہ انسان کو ہر حال میں اپنے رب پر ہی توکل کرنا چاہیے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

مانک کی ٹیک برتھی سبھو جان دیوان کوایکے بھگوان

جس کے دیئے رہے اگھاتے   بوہر نہ ترشنا لاگے آئے
مارے راکھے ایکو آپ   مانکھ کے کچھ ناہیں ہاتھ
تس کا حکم بوجھ سکھ ہوئے   تس کا نام رکھ کنٹھ پروئے
سمر سمر سمر پربھ سوئے   نانک بگھن نہ لاگے کوئے

یعنی: کسی انسان پر توکل کرنا بالکل فضول ہے۔ خدا واحد ہی سب کا داتا ہے۔ اس کے دینے سے ہی انسان کی تسلی ہوتی ہے۔ اور جس کے بعد کسی چیز کی خواہش نہیں رہتی۔ وہی مارنے والا ہے اور وہی حفاظت کرنے والا ہے۔ انسان کے ہاتھ میں کچھ بھی تو نہیں۔ اس کا حکم شناخت کرنے سے انسان کو حقیقی خوشی اور راحت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کا نام اور ذکر کبھی بھی نہیں بھولنا چاہیے۔ بلکہ اسے دل میں جگہ دینی چاہیے۔ اسی اللہ تعالیٰ کا زکر کرتے رہو کرتے رہو۔ نانک جی کہتے ہیں کہ پھر تمھیں کوئی تکلیف نہ وہ یگ اور کوء یروک ہی تمھارے راستے میں حائل نہ ہوگی۔

☆☆☆

خدا تعالیٰ سچی توبہ قبول کرتا ہے

گوروگرنتھ صاحب کے متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ ہر اس شخص کا سابقہ گناہ معاف کر دیتا ہے جو صدق دل سے توبہ کرتا ہے اور آئندہ کسی قسم کے گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا۔ جیسا کہ لکھا ہے:

صاحب روئے وسائے نہ پچھوتا وہی   گناہ بخشنہار شبد کماوہی
نانک منگے سچ گرمکھ گھاپئے   میں کچھ بن اور نہ کوئے ندنہا لیئے

یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت اور عظمت کو اپنے دل میں جگہ دینے والا انسان کبھی بھی نہیں پچھتاتا۔ اور ایسے انسان کے اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دیتا ہے اور اس کے بغیر کوئی بھی حقیقی مہربان نہیں ہے۔

ہر جیو نمانیاں کا مان

پنچیاں چیز کرے میرا گووند تیری قدرت کو قربان

جیسا مالک بھائیے سو بھاتی بوہر تپا گل لاوے
پچھلے اوگن بخش لیے پربھ آگے مارگ پاوے

یعنی اے مولا تو کمزوروں کا زور ہے۔ اور جس کے پاس کچھ بھی نہیں اس کے لیے تو سب کچھ ہے۔ اور میں تیری اس قدرت پر قربان ہوں۔ اور جس طرح ایک بچہ پنی نادانی اور کم فہمی سے بے شمار غلطیاں کرتا ہے اور اس کا باپ اسے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے بعض بلکہ وہ تنبیہ کے لیے اسے کچھ سرزنش بھی کرتا ہے ہر وہ جب اپنی اصلاح کر لیتا ہے تو اسے وہ اپنے گلے لگا لیتا ہے اسی طرح اسے مولا تو ہر اس شخص کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ جو صدق دل سے توبہ کر کے آئندہ کے لیے ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

کوئی نندک ہووے ست گرو کا پھر سرن گر آوے
پچھلے گناہ ست بخش لیے ست سنگت نال رلاوے
جیوں مینہ وٹھے گلیاں نالیاں ٹوبیاں کا جل جائے
پوے وچ سرمدی سرسری ملت پوتر پاون ہوئے جائے
ایہہ وڈیائی ست گرنرویر وچ جت ملیے
تساں بھکھ اترے ہر سانت تڑ آوے
نانک اے اچرج دیکھو میرے سچے ہر کا
جے سنکرنوں منے نسو نہاں بھاوے

یعنی اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کے ماموروں کا منکر ہو اور دن رات ان کی تکذیب کے لیے کوشاں رہے اگر اس کے بعد وہ اطاعت گزاری اور فرمانبرداری اختیار کر لے تو ایسے شخص کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اسے اپنے نیک بندوں کی جماعت میں داخل کر لیتا ہے۔ جس طرح بارش جب برستی ہے تو اس کا پانی بازاروں' نالیوں اور گلیوں سے ہوتا ہوا گنگا میں جا گرتا ہے اور وہ گنگا میں گر کر وہ خود بھی پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔ اور دوسروں کی پاکیزگی اور صفائی کا باعث بھی بنتا ہے۔ کیونکہ وہ صاف پانی میں مل جاتا ہے۔

یہی بڑائی مرشد کامل کی ہے کیونکہ وہ نروید ہوتا ہے۔ اور اسے کسی سے بھی کوئی دشمنی یا

عداوت نہیں ہوتی۔ اس کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے نتیجہ میں انسان کے دل میں ہر قسم کی نفسانی خواہش ختم ہو جاتی ہے۔ نانک جی کہتے کہ میرے مولا کی ی عجیب شان ہے کہ جو شخص مرشد کامل کو شناخت کر لیتا ہے اور اس پر ایمان لے آتا ہے وہ ہر ایک کو بھلا معلوم ہوتا ہے

اسنکھ خطے کھن بخشنہارا   نانک صاحب سدا وتھارا
سکھے کھتو نہ چھپئے کھن کھن بھولنہارا
بخشنہارا بخش لے نانک پاراتار

یعنی اللہ تعالیٰ انسان کی لاکھوں غلطیاں اور کوتاہیاں پل بھر میں معاف فرما دیتا ہے۔ نانک جی کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہمیشہ رحیم و کریم ہے۔ اگر وہ ہم سے حساب کتاب کا معاملہ کرے تو ہم کبھی بھی نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہم قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے اور وہ اپنے فضل و کرم سے لوگوں کو کنارے لگا دیتا ہے۔

ہر چیز میں اللہ کا جلوہ موجود ہے

گورو گرنتھ صاحب میں اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کا جلوہ موجود ہے۔ اور جب کسی بھی شخص کو ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کا جلوہ نظر آنا شروع ہو جائے تو وہ حقیقی معنوں میں مواحد کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور یہ مقام انسان کو محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ مرقوم ہے:

سبھناں مینہ ایکو ایک دکھانے   جان ایکو دیکھے تاں ایکو جانے
جاں کو بخشے میلے سوئے   ایتھے اوتھے سدا سکھ ہوئے
کہت نانک کون بدھ کرے کیا کرے   سوئی مکت جاں کو کریا ہوئے
اک دن ہرگن گاوے سوئے   شاستر بید کی پھر کوک نہ ہوئے

یعنی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کا جلوہ موجود ہے۔ اگر یہ مقام انسان کو حاصل ہو جائے کہ ہر چیز میں اسے اللہ تعالیٰ کا جلوہ نظر آنے لگے تو صحیح معنوں میں ایسا ہی انسان توحید کا پرستار کہلانے کا مستحق ہے۔ اور یہ مقام محض اپنی کسی کوشش کے نتیجہ میں حاصل ہونا ناممکن ہے۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی

دین ہے جسے وہ بخشتا ہے وہی حاصل کر سکتا ہے۔

نانک جی کہتے ہیں کہ خواہ ایسی ترکیب ہی کیوں نہ کرے نجات صرف اسے مل سکے گی۔ جو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا وارث ہو۔ اور اس کو ہی دن رات ذکر الٰہی کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ اور ایسا شخص اس کے بعد ویدوں اور شاستروں کی طرف سے عائد شدہ رسومات سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ اپنی مخلوق سے بالکل الگ ہے

گوروگرنتھ صاحب میں جہاں اللہ تعالیٰ کا جلوہ ہر چیز میں موجود ہونا بیان کیا گیا ہے اس کے ساتھ ہی اس امر کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ وہ اپنی مخلوق سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ اور اس تمام عالمِ کائنات کے نظام کو چلا رہا ہے۔ جیسا کہ مرقوم ہے:

جن اپائی رنگ دوائی بیٹھا وکھے وکھ اکیلا

یعنی جس اللہ تعالیٰ نے اس عالم کائنات کی تخلیق کی ہے وہ واحد اور یگانہ ہے۔ نیز ہر چیز پر اس کی نظر ہے۔

کھاد ہونے کھپ گئے کھوہن لکھ اسنکھ   گنت نہ آوے کتوں گنی کھپ کھپ موے لنکھ
خصم پچھانے اپنا کھولے بندھ نہ پائے   شد محلیں کھراتوں کھاں سچ سکھ بھائے
کھرچ کھرا دھن دھیان تو آے وسینہ سریر
من تن مکھ جاپے سداگن انترمن دھیر
ہو غمیں کھپے کھپائی بیجو وتھ وکار
جنت اوپائے وچ پائیں کرتا الگ اپار

یعنی: معافی حاصل کیے بغیر بہت سے لوگ ختم ہو گئے ہیں۔ جو لوگ اپنے مالک کو پہچان لیتے ہیں۔ وہ ہر قسم کی سزاؤں سے بچ جاتے ہیں۔ اور انھیں خدا کے دربار میں رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور جس خالق نے یہ تمام مخلوق پیدا کی ہے وہ خود اس سے الگ تھلگ ہے۔

خدا تعالیٰ کے قرب میں زندگی اور دوری میں موت ہے

گورو گرنتھ صاحب کے متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کی توحید اور صفات کے ذکر میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اس سے تعلق قائم کرنے کے نتیجہ میں اسان ابدی زندگی کا وارث ہو جاتا ہے اور اگر انسان اس سے دور ہو جائے تو پھر دائمی موت مر جاتا ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے:

آکھاں جیواں وسرے مرجاؤ — آکھن اوکھاں ساچا ناؤ
ساچے نام کی لاگے بھوک — آنت بھوکے کھائے چلے دوکھ
سو کیوں وسرے میرے مائے — ساچا صاحب ساچے نالے
ساچے نام کی تل وڈیائی — آکھ تھکے قیمت نہیں پائی
جے سبھ ملکے آکھن پائے — وڈا نہ ہووے گھاٹ نہ جائے
نا او مرے نہ ہووے سوگ — دیندار ہے نہ چوکے بھوگ
گن ایہو ہور ناہی کوئے — ناکو ہو آنہ کو ہوئے
جیوڈ آپ تیوڈ تیری دات — جن ون کر کے کینی دات
خصم وسار سیہ تے کم جات — نانک آوے ماجھ نسات

یعنی ذکر الٰہی سے انسان ابدی زندگی کا وارث ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے دوری کے نتیجہ میں انسان پر ابدی موت وارد ہو جاتی ہے۔ لیکن کسی انسان کا ذکر الٰہی بن جانا ایک بہت کھٹن منزل ہے۔ اگر انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت وعظمت قائم ہو جائے تو اس سے تمام دکھ درد دور ہو جاتے ہس۔ اسے میری ماں بھلا میں ایسے ایسے رب العزت کو کیوں بھلا دوں۔ وہ خود حق ہے اور اس کا نام بھی حق ہے۔ کوئی شخص دن رات بھی ذکر کرنے سے اس کی بڑائی کو بیان نہیں کر سکتا۔ اگر تمام دنیا کے لوگ بھی مل کر اس کی ذکر و بڑائی میں مشغول ہو جائیں تو اس سے اس کی شان میں کوئی فرق نہیں آ سکتا۔ اور نہ وہ اس طرح وہ بڑا ہو سکتا ہے اور نہ چھوٹا۔ اس خدائے واحد پر کبھی بھی موت وارد نہیں ہو سکتی۔ بلکہ موت اور حیات اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اس کے خزانے بھرپور رہتے ہیں۔ اور وہ لوگوں کو خوب دیتا ہے۔ اور بغیر حساب کے دیتا ہے۔ لیکن اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اس کی سب سے بڑی (فضیلت) صفت لیس کمثلہ شئی ہے اور وہ یکتا ہے۔ نہ اس کا کوئی ثانی ماضی میں تھا اور نہ مستقبل میں کوئی ہو سکتا ہے۔ وہ خود جس عظیم الشان

قدرت اور طاقت کا مالک ہے۔

اس کی بخشش بھی انسان کی شان ہے اس نے دن رات کا لامتناہی فاصلہ قائم کیا ہے۔ وہی ہر دن کے بعد رات کو لاتا ہے۔ اور جو لوگ ایسے خالق و مالک کو دل سے بھلا دیتے ہیں وہ کمینے اور کم ذات ہیں۔ نانک جی کہتے ہیں کہ ذکر الٰہی کے بغیر انسان کمینہ اور ذلیل ہو جاتا ہے۔

ات سندر کلین چترمکھ گیانی دھن دنت
مرتک کہیے نانکا جھ پریت نہیں بھگونت

یعنی اگر کوئی بے حد خوبصورت ہو اوز اعلیٰ خاندان میں پیدا ہو۔ وہ وخد بہت دانا اور گیانی ہو۔ مال و دولت کی اس کے پاس کمی نہ ہو۔ ان سب چیزوں کی موجودگی میں اگر اس کا تعلق خدا تعالیٰ سے قائم نہیں تو وہ مردہ ہے۔ اس ے زندہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

پھیلیوں ستگر سیویا دھن جنم پروان جناں ستگر جیونداں مویاں نہ پرکھ بجان
کل ادھارے اپنا سوجن ہووے پروان
گورکھ میوے جیوندے پروان ہینہ نہمکھ جنم مرانھہ نانک دموئے نہ آکھیہ گور کے سبد کانہہ

یعنی وہ لوگ کامیاب ہوتے ہیں اور ان کی زندگیاں ہی مبارک ہوتی ہیں جو زندگی اور موت میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتے ہیں۔ اور وہ اپنے کنبہ کو بھی بچا لیتے ہیں اور خود بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہو جاتے ہیں۔ جن لوگوں کا تعلق خدا سے قائم ہو گیا وہ مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ابدی زندگی کی چادر پہنا دیتا ہے اور جو لوگ خدا سے دور ہو جاتے ہیں وہ دائمی موت مر جاتے ہیں۔ نانک جی کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے اپنی زندگیاں اللہ تعالیٰ کے نام پر لگا دی ہیں ان کو کبھی بھی مردہ نہ کہا جائے۔

اسلامی دور

گوروگرنتھ صاحب میں اسلامی دور کا ذکر خیر مندرجہ ذیل الفاظ سے کیا گیا ہے۔

آدھ پورکھ کو اللہ کہیے . شیخاں آئی واری
دیول دیوتیاں کر لاگا ایسی کیرت چلائی

کوزہ بانگ نماز مصلے — نیل روپ بنواری
گھر گھر میاں سبھناں جیاں — بولی اور تمھاری
جے تو میر مہیت صاحب — قدرت کون ہماری
چارے کونٹ سلام کرینگے — گھر گھر صفت تمھاری
تیرتھ سمرت پن دان — کچھ لاہا ملے وہاڑی
نانک نام ملے وڈیائی — میکا گھڑی سمالی

یعنی: اب آدھ پورکھ کو اللہ کہنا شرور کردیا ہے۔ کیونکہ شیخوں (مسلمانوں) کا دوردورہ ہے۔ اور اب دیوی، دیوتاؤں اور مندروں پر ٹیکس لگادیے گئے ہیں۔ ایسا رواج شروع ہوگیا ہے کوزہ، نماز بانگ مصلے لوگوں نے اختیار کرلیا ہے۔ اور اب تو اللہ تعالیٰ بھی نیلے رنگ کے لباس میں نظر آرہا ہے۔ مغلیہ دور میں نیلے رنگ کا لباس پسند کیا جاتا تھا۔ اور عام طور پر لوگ نیلے رنگ کا لباس ہی پہنتے تھے۔ بلکہ ہندوؤں نے بھی یہ لباس اختیار کر رکھا تھا اور گھر گھر میں میاں جی میاں جی کہنا شروع کردیا ہے۔ اور لوگوں کی عام بول چال کی زبان بھی تبدیل ہوگئی۔ یعنی ہندی اور سنسکرت کی جگہ اب عربی اور فارسی نے لے لی ہے۔ اے خدا! اگر تو نے اپنی مشیت سے ہندوستان میں مسلمانوں کا دوردورہ کردیا ہے تو ہم کون ہیں جو اس میں روک ٹوک پیدا کرسکیں۔

چاروں طرف سے لوگ ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ اور ہر گھر میں آپ کی حمد کے گیت گائے جائیں گے۔ تیرتھ یاترا یا سمرتی پڑھنے سے جو فائدہ حاصل ہوتا تھا وہ اب ایک پل کے ذکر الٰہی میں مل جائے گا۔ نانک جی کہتے ہیں کہ انسان خدا تعالیٰ کی عبادت ہی سے بزرگی کرسکتا ہے۔

ملائکۃ اللہ (فرشتے)

دنیا کے کئی مذاہب اور اسلام میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ ساتھ ملائکۃ اللہ کے وجود کا ماننا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اور ان فرشتوں کو غیر مادوں اور لطیف وجود تسلیم کیا گیا ہے۔ اور ان کا بہت بڑا کام نیک لوگوں کے دلوں میں نیک تحریکات کا پیدا کرنا ہے۔ گویا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہیں۔ گورو گرنتھ میں بھی کئی مقامات پر ملائکۃ الٰہہ کے وجود کو تسلیم کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مرقوم ہے کہ:

صدق صبوری صادقاں صبر توشہ ملائکاں
دیدار پورے پائساں تھاؤں ناہی کھائیکاں

یعنی: ملائکہ اللہ کا وجود ایسا ہے جنھیں کھانے پینے کی احتیاج نہیں۔ اور ان کی خوراک صبر ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ معتبرین ہیں۔

دنیا مقام فانی تحقیق دل دانی
مم سرموئے عزرائیل گرفتہ دل ہیچ نہ دانی

یعنی: یہ بات میں نے صدق دل سے تحقیق کر کے جان لی ہے کہ دنیا مقام فانی ہے اور میرے سر کے بال عزرائیل فرشتے نے پکڑے ہوئے ہیں۔

نانک آکھے رے مناں سینے سکھ صحیح
سیکھا رب منگیا بیٹھا کڈھ دہی
طلباں پوسن عاقباں باقی جہاں دی
عزرائیل فرشتہ ہوسی آئے تہی

یعنی نانک جی کہتے ہیں کہ اے دل یہ صحیح تعلیم سن لے اور اللہ تعالیٰ تیرے اعمال کا محاسبہ لے گا۔ اور ان لوگوں کو سزا ملے گی جن کے ذمے بقایا نکلے گا۔ یعنی جن لوگوں نے گناہ کیے ہوں گے۔ انھیں عزرائیل فرشتہ سزا دے گا۔

ی دین وکھم تھائیں مٹھا مدمانی
کر میں آپو اپنی آپے پچھوتانی
عزرائیل فرشتہ تل پیڑے گھانی

یعنی: جو لوگ دوسروں کے مکانوں پر نقب زنی کریں گے اور شراب خوری سے باز نہیں آئیں گے۔ عزرائیل فرشتہ انہیں بہت سزا دے گا۔

ولی نعمت برادراں دربار ملک خانائے
جب عزرائیل بستنی تب چکارے بدائے

یعنی: تیرے صدقہ وخیرات کرنے والی سرپرست بھائی، دربار، جائداد اور مکانات کس کام آئیں گے۔ جبکہ موت کا فرشتہ عزرائیل تجھے آ کر باندھ لے گا۔

عزرائیل یار بندے جس تیرا آدھار
گناہ اس کے سگل عفو تیر جن دیکھیں دیدار

یعنی: اے خدا جس شخص کو تیرا سہارا ہے موت کا فرشتہ عزرائیل اس کا دوست بن جاتا ہے۔ اور اس کے جملہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس لیے تیرے بھگت تیرے دیدار کے ہی خواہشمند رہتے ہیں۔

پاپ کریندر سر پر مٹھے عزرائیل پھڑے پھڑ کھٹے
دوزخ پائے سر جنہارے لیکھا منگے بانیاں

یعنی: گناہ کرنے والے لوگوں کو عزرائیل فرشتہ بہت سزا دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ انھیں دوزخ میں گرائے گا اور ان سے حساب لے گا۔

حق حلال بخودوکھانا دل دریاؤ دھو ہو میلانا
پیر پچھانے بہشتی سوئی عزرائیل نہ دوج ٹھہرا

یعنی: جو لوگ حق حلال کی کمائی کھائیں گے وہ اپنے دل کی تمام میل کو دھو ڈالیں گے اور وہی امام وقت کی شناخت کر سکیں گے۔ ایسے لوگوں کو بہشت میں جگہ ملے گی۔ عزرائیل انھیں دوزخ میں نہ دھکیل سکے گا۔

فریدا بھنی گھڑی سونویں ٹوٹی ناگر لج
عزرائیل فرشتہ کیں گھرنا ٹھی اج

یعنی: فرید جی کہتے ہیں کہ خوبصورت گھڑی (جسم خاکی) ٹوٹ جائے گی۔ اور سانس کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ عزرائیل فرشتہ آج کس گھر کا مہمان ہے۔

فرید اودیں دیویں بلندیاں ملک بٹھا آئے
گھڑ لیتا گھٹ لایا دیوڑے کیا بجھائے

یعنی: اے فرید دونوں آنکھوں کے سامنے ان دونوں چراغوں سے جلتے ہوئے موت کا فرشتہ جس شخص کے پاس بھی آ بیٹھتا ہے اس کے جسلم کے قلعہ پر قبضہ کر لیتا ہے۔ اور یہ آنکھوں کے چراغ بجھ جاتے ہیں۔ اور چاروں طرف اندھیرا چھا جاتا ہے۔

جت وہاڑے دھن دری ساہے لیے لکھائے
ملک جے کتی سفیدا منہ دکھائے آئے

یعنی: جس دن روح کی موت کے فرشتہ سے شادی ہونے والی ہے۔ وہ پہلے سے مقرر ہے۔ گویا کہ ہر ایک انسان کی موت کا وقت متعین ہے۔ اور اس وقت موت کا فرشتہ ہے جس کا نام پہلے کانوں سے سنا ہوا تھا آ شکل دکھاتا ہے اور انسان کی روح قبض کر لیتا ہے۔

ساڈھے ترے من دیہودی چلے پانی ان
آئسو بندہ دنی وچ دت آسونی بن
ملک الموت جاں آوَسی سب دروازے بھن
تہناں پیاریاں بھائیاں اگے دتا بن
دیکھو بندا چلیا چھو جنیاتدے کن
فریدا عمل جے کیتا دنی وچ درگاہ آئے کم

یعنی: ساڑھے تین من وزنی جسم پانی اور اناج کے سہارے پر چل رہا ہے جب ملک الموت تمام دروازے توڑ کر آ جائے گا۔ تب پیارے بھائی اور دوسرے عزیز رشتہ دار سے کفن میں لپیٹ لیں گے۔ اور پھر اسے چار آدمی اپنے کندھوں پر اٹھا کر لے جائیں گے۔ فرید جی کہتے ہیں کہ دنیا میں کیے گئے نیک اعمال ہی آخرت میں انسان کے کام آئیں گے انسان جو کچھ ادھر اس دنیا میں کرے گا چاہے وہ عمل برا ہو یا اچھا اس کی مناسبت سے اسے اپنے آقا کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا یا پھر ہمیشہ کے لیے کامیاب ہو جائے گا۔ یا پھر ہمیشہ ناکام ہو کر اپنے ٹھکانے پر چلا جائے گا۔

شیطان

بدی کا محرک شیطان ہے۔ گورو گرنتھ صاحب میں ایسے شبد بھی موجود ہیں جن میں شیطان کو

بدی کا محرک قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے کہ:

چوراں، یاراں، رنڈیاں کٹنیاں دیاں
ویدنیاں کی دوستی ویدنیاں کا کھان
صفتی سقونہ جانئی سداوسے شیطان

یعنی: چوروں اور بدکاروں کی آپس میں مجلس ہوتی ہے۔ اور بے دینوں کا آپ میں کھانے پینے کا اشتراک ہوتا ہے۔ ایسے لوگ خدا تعالیٰ کی حمد سے دور ہیں اور ان میں ہمیشہ شیطان بس رہا ہے۔

تیہ کر رکھے پنج کر ساتھی ناؤں شیطان مت کٹ جاتی

یعنی: تیس روزے اور پانچ نمازیں باقاعگی سے ادا کرتے رہو۔ جس کا نام شیطان ہے اس سے ہمیشہ ہوشیار رہو۔ کہیں وہ تمھارے اعمال کو ضائع نہ کر دے۔

مویاں جیوندیاں گت ہووے جے سرائے پانی
نانک سرکھتے شیطانی اینا گل نہ بھارنی

یعنی: مرنے اور جینے میں تب نجات ملتی ہے جب سر پر پانی ڈالا جائے اور نانک جی کہتے کہ جو شیطان کے پیرو ہیں انھیں یہ بات پسند نہیں

عقلیں صاحب سیویئے علقیں پایئے مان
عقلیں پڑھ کے بجھیے عقلیں کیجئے دان
نانک آکھے راہ ایہہ گلاں ہور شیطان

یعنی: عقلمندی سے ہی انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرسکتا ہے۔ اور عقلمندی سے ہی عزت پاسکتا ہے۔ نیز عقلمندی سے ہی پڑھنے کے بعد غور کیا جاسکتا ہے۔ اور عقلمندی سے صدقہ و خیرات کی جاسکتی ہے۔ نانک جی کہتے ہیں کہ صحیح راستہ یہی ہے باقی تمام باتیں شیطان سے تعلق رکھتی ہیں۔

سلاگا جم ڈنڈتاں پچھوتانیاں
بن پورے گور دیو پھرے شیطانیاں

یعنی: جب انسان کے سر پر موت کا ڈنڈہ برستا ہے تو پھر پچھتاتا ہے لکن مرشد کامل کے بغیر شیطان کی مانند زندگی بسر کرنی ہے۔

دل کھلیں جاں کے زرد روبانی
چھوڑ کتب کرے شیطانی

یعنی: جس کے دل میں اطمینان نہیں اس کا منہہ پیلا ہوگا۔ وہ کتب سماویہ کو چھوڑ کر شیطان کی پیروی کر رہا ہے۔

فرید کو کنیدیاں چانگیدیاں تیں دندیاں نت
جو شیطان ونجائیا سوکت پھریں چت

یعنی: جن لوگوں کو شیطان نے گمراہ کر دیا ہے وہ راہ راست پر نہیں آتے اور کسی بات کی طرف توجہ نہیں دیتے۔

قرآن شریف

گوروگرنتھ صاحب میں قران شریف کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ کل یگ کے زمانہ کے لیے قابل عمل کتاب ہے جیسا کہ لکھا ہے کہ:

کل کتیب پروان قرآن پوتھی پنڈت رہے پوران
نانک ناؤں بھیا رحمان کرکرتا تو ایکو جان

یعنی: کل یگ زمانہ کے لیے صرف قرآن شریف ہی منظور شدہ کتاب ہے۔ اس کے علاوہ دوسری پوتھیاں اور جملہ پقران اور پندت منسوخ ہو چکے ہیں۔ اب اللہ کی صفت رحمانیت جلوہ گر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو رحمان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ لیکن کرتا پوررکھ اور رحمٰن ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں۔

کل میں ویداتھربن ہو ناؤں خدائی اللہ بھیا
نیل بستر کپڑے پہرے ترک پٹھانیں عمل کیسا

یعنی: کل یگ زمانہ میں ویداتھربن منظور شدہ کتاب ہے۔ کہ خداتعالیٰ کا نام اللہ بیان کر رہی

ہے اور جس پر نیلے رنگ کے کپڑے پہننے والے ترک اور پٹھان عمل کر رہے ہیں۔

یاد رہے کہ قرآن مجید نے ہی خدا تعالیٰ کا اسم ذات اللہ بیان کیا ہے اور بابا نانک صاحب نے قرآن شریف کو ہی اتھربن وید بتایا ہے جیسا کہ مرقوم ہے کہ:

سوئی قاضی جن آپ تجیا ایک نام کیا ادھارو
ہے بھائی سوئی جائے نہ جاسی سچا سر جھتارو
پنج وقت گزارے نماز پڑھے کیب قرانا
نانک آکھے گورسد یہی رہیو پینا کھانا

یعنی: قاضی وہ ہے جو خودی، خود روای اور خود پسندی کو مٹا دیتا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا سہارا بناتا ہے۔ وہ خدا موجود ہے وہ غیر فانی ہے اور آئندہ بھی وہی موجود رہے گا۔ وہ حق ہے اور چیز کا خالق ہے۔ اور قاضی دن میں وقت پانچ کی نماز ادا کرتا ہے۔ اور قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے گورو نانک جی کہتے کہ اے لوگو! تمھیں قبر بلا رہی ہے یہ کھانا پینا یہیں رہ جائے گا

مہربان مولا تو ہی ایک پیر پیغمبر شیخ
دلاں کا مالک کرے ہاک قرآن کتیب تے پاک

یعنی: اے مولا! حقیقی مہربان تو ہی ایک ہے۔ تمام پیر اور پیغمبر اور شیخ یہ گواہی دے رہے ہیں کہ قرآن مجید تمام کتب سمایہ سے مقدس ہے۔

قرآن کتیب دل ماہیں کماہی دس عورات رکھو بدراہی
پنج مرد صدق لے باندھو خبر صبوری قبول پرا

یعنی: قرآن مجید پر صدق دل سے عمل کرو۔ اور اپنے حواس تمام کو بری طرف سے جانے سے روک دو اور کام کرو۔ بھلائی اور صبر ہی اس کی درگاہ میں قبول ہوگا۔

انبیاء علیہم السلام

گورو گرنتھ صاحب میں انبیاء علیہم السلام کا بھی ذکر خیر کیا گیا ہے جیسا کہ لکھا ہے

ستر سے سالار ہیں جاں کے

سو لاکھ پیغمبر تاں کے

یعنی: ستر سواس کے سالار ہیں اور سوالاکھ پیغمبر ہیں۔

پیر پیغمبر سالک صادق شہدے اور شہید
شیخ مشائخ قاضی ملاں در درویش رشید
برکت تن کو اگلی پڑھدے رہن درود

یعنی: پیر، پیغمبر، سالک، صادق، شہید، شیخ، مشائخ، قاضی، ملاں خدارسیدہ درویش جو درود پڑھتے ہیں ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بہت برکت ملتی ہے۔ اس شبد میں انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرنے کے ساھت ہی درود شریف اور اس کے برکات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

شبدارتھ گورو گرنتھ صاحب میں درود شریف کے بارہ میں مرقوم ہے:

نماز کے بعد جو دعا کی جاتی ہے۔

نماز کے بعد نہیں درود شریف (درودِ ابراہیمی) بلکہ نماز کے اندر ہی پڑھا جاتا ہے۔

رسول کریم ﷺ کا ذکر خیر

پیر پیغمبر سالک صادق چھوٹ دی دُنیا تھائے پئے

یعنی: تمام پیر، پیغمبر سالک اور صادق دنیا کا تیاگ کرنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوتے ہیں۔

اٹھے پہر بھوندا پھرے کھاون سنڈرے سول
دوزخ پوندا کیوں رہے جاں چت ن ہوئے رسول

یعنی: جن لوگوں کے دلوں میں رسول کریم ﷺ کی عزیت اور عظمت نہیں وہ اس دنیا میں بھی آٹھوں پہر بھٹکتے پھریں گے اور مرنے کے بعد بھی ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

مسلمان

گوروگرنتھ صاحب میں مسلمان کا بھ ذکر کیا گیا ہے چنانچہ ذیل میں ہم ایسے شبدوں کو پیش

کرتے ہیں جن میں مسلمانوں کی صحیح تعریف بیان کی گئی ہے۔

مسلمان کہاون مشکل جاں ہوئے تاں مسلمان کہاوے
اول اول دین کر مٹھا مشکل مانا مال مساوے
ہوئے مسلم دین موہانے مرن جیون کا بھرم چکاوے
رب کی رضائے منے سراوپر کرتا منے آپ گوا دے
تو نانک سرب جہاں محرمت ہوئے تاں مسلماں کہاوے

یعنی: مسلمان کہلانا بہت مشکل ہے۔ لیکن جہاں تک ہو سکے مسلمان کہلاؤ کیونکہ مسلمان سب سے پہلے اولیاء اللہ کے دین کو میٹھا جانتا ہے اور محنت کی کمائی کو خدا تعالیٰ کی راہ میں لٹا دیتا ہے اور مسلم بن کر مظلوموں کے لیے ناخدا بن جاتا ہے۔ اور موت و حیات کے بھرم سے بالک بے نیاز ہو جاتا ہے یعنی نہ تو اسے زندگی کی خواہش رہتی ہے اور نہ موت کا خوف ہوتا ہے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ ہی کو اپنا خالق اور مالک یقین کرتا ہے اور باقی تمام مخلوق سے ہمدردانہ سلوک کرتا ہے۔ یہ باتیں جس کے اندر پائی جاتی ہیں وہ حقیقی مسلمان کہلانے کا مستحق ہے۔

مہر مسیت صدق مصلے حق حلال قرآن
شرم سنت سیل روزہ ہو ہو مسلمان
کرنی کعبہ سچ پیر کلمہ کرم نماز
تسبیح سانس بھاوسی نانک رکھے لاج

یعنی: مسجد انسان کو مہر کا سبق دیتی ہے اور مصلے صدق کی تلقین کرتا ہے اور حلال و حرام کا پتہ قرآن مجید سے چلتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرنے سے انسان میں شرم و حیا پیدا ہوتی ہے اور روزہ انسان کو صبر کا سبق دیتا ہے ان باتوں کو ذہن نشین کے بعد مسلمان ہو جاؤ۔

کعبہ انسان کو نیک اعمال کی تحریک کرتا ہے اور مرشد کامل انسان کو راستی پر چلنے کی ہدایت دیتا ہے۔ کلمہ اور نماز سے بھی انسان کو نیک اعمال بجالانے کی طرف راہ نمائی ملتی ہے۔ تسبیح ان

لوگوں کے لیے ہی مفید ہو سکتی ہے جن کی عزت کا خود حق تعالیٰ محافظ ہو۔

مسلماناں صفت شریعت پڑھ پڑھ کرنیہ ویچار
بندے سے جے پودنیہ وچ بندی ویکھن کو دیدار

یعنی: مسلمان خدا کی حمد بیان کرتا رہتا ہے۔ بغیر مرشد کامل کوء یا نسان منزل کو نہیں پا نہیں سکتا اور نہ بغیر نیک اعمال بجالائے بہشت کا ہی وارث ہو سکتا ہے۔

مسلمان کا ایک خدائے

یعنی: مسلمان توحید کا پرستار ہے اور خدا واحد پر ایمان لاتا ہے

مسلمان موم دل ہووے   انتر کی مل دل تے دھووے
دنیا رنگ ن آوے نیڑے   جیوں کسم پاٹ گھیئو پاک ہرا

یعنی: مسلمان نرم دل ہوتا ہے۔ اور اپنے دل سے اس نے ہر قسم کی غلاظت نکال دی ہوتی ہے۔ دنیا کی ملونی اس کے قریب بھی نہیں آتی۔

نماز

گورو گرنتھ صاحب میں نماز کا بھی ذکر خیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مرقوم ہے

مت جانسہے گلیں پایا
مال کے مالے روپ کی سوبھا   ات بدھی جنم گوایا
عیب تن چکڑ دیہہ من منیڈ کو   کم کی سار نہیں مول پائی
بھورا ستاونت بھاکھیا بولے   کیوں بوجھ جاں نہ بجھائی
آکھن ناپون کی بانی   ایہہ رتا مائیاں
خصم کی ندر دے پسندے   جنی کر ایک دھیایا
تہیہ کر رکھے پنج کر ساتھی   مناؤں شیطان مت کٹ جانی

نانک آکھے راہ پہ چلنا   مال دھن کت کو سنجیانی

یعنی: یہ مت خیال کرو کہ صرف باتیں کرنے سے ہی انسان خدا تعالیٰ کو پا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی دولت اور جوبن کے نشہ میں مست ہو کر وقت گزارے تو وہ یاد رکھے کہ اس طرح اس کی زندگی رائیگاں جائے گی۔ عیوب جسم کے لیے کیچڑ کا حکم رکھتے ہیں اور یہ دل کنول ہے جو اور یہ دل مینڈک ہے جو کنول کی حقیقت سے ناواقف ہے۔ روح استاد ہمیشہ اپنی بولی بول رہا ہے وہ کیوں سچائی کو سمجھنے کی کوشش نہی کرتا۔ جبکہ اسے سمجھا جا رہا ہے کہ یہ دل دنیا اور دولت کے نشہ میں مست ہے سمجھتا نہیں۔ خدا تعالیٰ کی نظر میں وہی مقبول ہے جو خدائے واحد کی عبادت کرتا ہے۔ اور پانچ وقت نماز ادا کرتا ہے اور رمضان کے تیس روز رکھتا ہے۔ نانک جی کہتے ہیں کہ یہی دولت جمع کرنے والی ہے اس کو جمع کرلو۔ ایک دن تم دنیا سے کوچ کر جاؤ گے۔

سوئی قاضی جن آپ تجیا   اک نام کیا ادھارو
ہے بھیہو سہی جائے نہ جاسی   سچا سرجن ہارو
پنج وقت نماز گزار ہے   پڑھے کتیب قرانا
نانک آکھے گور بسرہی   ریہو پینا کھانا

یعنی: قاضی وہ ہے جو خودی، خود پسندی اور خود روی کو مٹا دیتا ہے۔ اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا سہارا سمجھتا ہے۔ وہ خدا موجود ہے۔ غیر فانی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ وہ حق ہے اور ہر چیز کا حقیقی مالک و خالق ہے۔ اور قاضی دن میں پانچ نمازیں ادا کرتا ہے۔ اور قرآن مجید کی تلاوت بھی باقاعدگی سے کرتا ہے۔ گورونانک جی کہتے ہیں کہ اے لوگو قبر تمھیں آواز دے رہی ہے۔ اور یہ کھانا پینا یہاں ہی رہ جائے گا اس کھانے پینے کے پیچھے پڑ کر اللہ تعالیٰ کو نہ بھولو۔

فریدا بے نماز اکتیا   ایہہ بھلی ریت
کبھی چل نہ آیا   پنجے وقت میت
اٹھ فرید وضو ساج   سبح ناز گزار
جو سر سائیں نہ نیویں   سو سر کپ اتار
جو سر سائیں نہ نیویں   سو سر کیجئے کائیں

کنے یٹھ جلایئے   بالن سند ٹرے تھائیں

یعنی: فرید جی بیان کرتے ہیں کہ اے بے نماز کتے! کہ تیرا یہ طریق پسندیدہ نہیں ہے کہ تو کبھی بھی نماز پانچ وقت کی چل کر پڑھنے کے لیے مسجد میں نہیں جاتا۔ اے فرید! صبح اٹھ کر وضو کرو اور نماز پڑھو جو سر خدا تعالیٰ کے حضور نہیں جھکتا اسے دھڑ سے علیحدہ کر دو۔ اور جو سر خدا تعالیٰ حضور نہیں جھکتا اسے کیا کرنا ہے وہ تو بے کار ہے۔ ایسے سر کو چولھے میں ہنڈیا کے نیچے ایندھن کے طور پر استعمال کرو۔ ایک سکھ ودوان نے گورو گرنتھ صاحب کے ان مندرجہ بالا شبدوں سے متعلق بیان کیا ہے "مندرجہ بالا شلوکوں میں فرید جی اسلامی نماز پڑھنے کی تلقین کر رہے ہیں اور بے نماز کو کتے کو برابر ظاہر کر رہے ہیں اور پانچ نمازوں کا ادا کرنا ضروری قرار دیئے ہیں۔ اور جو لوگ پانچوں نمازیں ادا نہیں کرتے۔ ان کا سر ہنڈیا کے نیچے ایندھن کے طور پر استعمال کرنے سے سزا تجویز کرتے ہیں" ہے

نماز جنازہ:

مسلمانوں میں ہر مومن مسلمان کے مرنے پر اسے سپرد خاک کرنے سے قبل نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ گورو گرنتھ صاحب میں اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہے:

یک عرض گفتم پیشِ تو   در گوش کن کرتار
حقا کبیر کریم تسو   بے عیب پروردگار
دنیا مقام فانی   تحقیق دل دانی
مم سر موئے عزرائیل   گرفتہ دل ہیچ نہ دانی
زن پسر پدر برادراں   کس نیست دستگیر
آخر بنعیتم کس نہ دارو   چوں شو تکبیر

یعنی: ایک عرض اپنے خلاق و مالک کے حضور میں ہے۔ اے خداوند کریم تو حق کریم اور بے عیب ہے۔ میں نے یہ بات صدق دل سے تحقیق کر کے جان لی ہے کہ یہ دنیا مقام فانی ہے زن پسر پدر اور برادر کوئی بھی دستگیری نہیں کر سکیں گے اور جب ہمارا آخری وقت ہوگا تو اس وقت ہماری

نمازِ جنازہ پڑھی جائیگی۔ یادرہے کہ تکبیر کے معنی شبدارتھ گوروگرنتھ صاحب میں یہ بیان کیے گئے ہیں کہ تکبیر، جنازہ وہ نماز جو مردہ کو دفن کرتے وقت پڑھتے ہیں۔

روحانی نمازیں

گوروگرنتھ صاحب میں بعض شبد ایسے بھی ہیں جن میں روحانی نمازوں کا ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ مرقوم ہے کہ:

پہلا سچ حلال روئے تیجا خیر خدائے
چوتھی نیت راس من پنجویں صفت ثنائے
کرنی کلمہ آکھ کے تاں مسلمان سلائے
نانک جیتے کوڑ یار کوڑے کوڑی پائے

یعنی: پانچ نمازیں ہیں اوران کے لیے پانچ اوقات مقرر ہیں۔ نیز ان کے پانچ ہی نام ہیں۔ اس کے بعد نانک جی نے پانچ روحانی نمازیں ذکر کی ہیں۔ مثال کے طور پر پہلی روحانی نماز سچ بولنا ہے اور دوسری روحانی نماز حلال کھانا ہے اور تیسری روحانی نماز ہر کسی کے لیے نیک خواہش رکھنا ہے اور چوتھی روحانی نماز اپنی نیت کو درست کرنا ہے اور پانچویں روحانی نماز اللہ تعالیٰ کی صفت ثنائے یعنی حمد بیان کرنا ہے اور کلمہ اپنے عمل سے پڑھو اور پھر مسلمان کہلاؤ نانک جی کہتے ہیں کہ جس قدر لوگ کوڑیار یعنی سراپا جھوٹ ہیں ان کا لگاؤ جھوٹ سے ہے۔ اور جھوٹ ہی ان کی تمام طاقت ہے اور جھوٹ حالانکہ ہر جگہ ذلیل کرتا ہے پھر بھی وہ جھوٹ ہی چاہتے ہیں۔

اول صفت دوجی صابوری تیجے حلیمی چوتھے خیری
پنجویں پنجے اکت مقامے ایہہ پنج وقت تسرے اپر پرا

یعنی: پہلی روحانی نماز حمد ہے۔ دوسری صبر ہے۔ تیسر عجز انکساری ہے۔ چھوتی خیرات کرنا ہے۔ پانچویں حواسِ خمسہ کو قابو میں رکھنا۔ یہ سب سے اچھے پانچ اوقات ہی۔ یعنی پانچ روحانی نمازیں ہیں۔

ریاکاری کی نماز:

ریاکاری کی نماز بے فائدہ ہے۔ کونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہی ہویت۔ قرآن مجید میں ریاکارنمازوں پر افسوس کا اظہار کیا گیا ہے۔ گوروگرنتھ صاحب میں بھی ریاکاری کو ناپسند کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہے:

ہم مسکین خدائی بندے ثمرا جس من بھاوے
اللہ اول دین کو صاحب زور نہی قرمادے
قاضی بولیا بن نہیں آوے
ستر کعبہ گھٹ ہی بھیتر جبکہ جانے کوئی
نماز سوئی جونیاؤں بیچارے کلمہ اکاہہ جانے
پانچوں مس مصلیٰ بچھاوے تب کو دین پچھانے

یعنی: محض ریاکاری کا روزہ کرنا اور لوگوں کو دکھانے کے لیے ریاکاری کی نمازیں پڑھنا اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے کلمہ پڑھنا بے دائدہ ہے۔ ان باتوں سے انسان بہشت کا وارث نہیں ہوسکتا۔ ستر کعبے انسان کے اپنے دل کے اندر ہی ہیں۔ اگر کسی کو اس بات کی سمجھ آ جائے۔

اصل نماز اسی کی ہے جو انصاف کو مدنظر رکھے۔ اور کلمہ اصل اسی کا ہے جو ریاکاری سے الگ ہوکر اللہ تعالیٰ کی شناخت کرے اور پانچویں چوروں حواسِ خمسہ کو قابو میں رکھ کر مصلیٰ بچھائے۔ تب وہ دین کی حقیقی شناخت کر سکے گا۔

کیا وضو کیا پاک منہ دھویا کیا مسیت سر لائیا
جو دل میں کپٹ نماز گزارے کیا حج کعبے جائیا
تو ناپاک پاک نہیں سوجھیا تس کا مرم نہ جانیا
کہہ کبیر بہشت تے چوکا دوجک سیوں من مانیا

یعنی: ریاکاری کا وضو انسان کو پاک نہیں کرسکتا۔ اور ریاکاری سے مسجد کے اندر نماز کے لیے سر جھکانا بھی سودمند ثابت نہیں ہوسکتا۔ اگر دل میں منافقت ہو اور ایسے انسان کا نماز پڑھنا اور حج

کرنے کے لیے کعبے جانا بھی بے فائدہ ہے۔ اور وہ ناپاک ہے جس نے پاک خدا تعالیٰ کی شناخت نہیں کی۔ اور کبیر جی کہتے ہیں کہ تو بہشت سے رہ گیا ہے دوزخ لینے کے لیے راضی ہوگیا ہے۔

اذان (بانگ)

نماز پڑھنے کے لیے اذان (بانگ) دی جاتی ہے۔ گوروگرنتھ صاحب میں اس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ:

بد عمل چھوڑ کر ہو ہتھ کوزہ
خدائے ایک بوجھ دیو بانگاں
برگو بخوردار کھرا

یعنی: تمام برے اعمال ترک کر کے وضو کرنے کے لیے ہاتھ میں لوٹا لو۔ اور خدائے واحد کو شناخت کرنے کے لیے بانگیں دو۔ پھر تم برگزیدہ اور برخوردار قرار پاؤ گے۔

کہہ رے ملاں بانگ نماز
ایک میت سے درواز

یعنی: اے ملاں اس دس دروازہ والے جسم کے اندر سے ہی اذان دو۔ اور نماز کرو۔

عید اور بقرعید

مسلمانوں کے مذہبی تہوار عیدیں ہیں۔ ان میں سے ایک عید تو رمضان شریف کے روزوں کے بعد آتی ہے۔ جسے عید الفطر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور دوسری عید الاضحیٰ ہے۔ اس عید میں بھیڑ بکری، گائے، دنبہ وغیرہ کی قربانی دی جاتی ہے۔ گوروگرنتھ صاحب ان مذہبی تہواروں کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔

جاں کے عید بقرعید کل دے گو بدھ کر ہے مانئے شیخ شہید پیرا
جاں کے باپ ویسی کری پوت ایسی سری تہورے لوک پرسدھ کبیرا

یعنی: جس گھرانہ میں عید اور بقرعید کے موقع پر گائے کی قربانی دی جاتی تھی اور شیخوں

شہیدوں اور پیروں کا احترام کیا جاتا تھا۔ جس کے باپ دادے ایسا کرتے تھے۔ اور بیٹے نے بھی ویسا ہی کیا۔ وہ کبیر کبیر کے تین لوک میں مشہور ہو گیا ہے۔

قبر

دنیا کی تمام اقوام میں اپنے مردوں کی تجہیز و تکفین کا رواج ہے۔ بعض قومیں تو مردہ جسم کو پانی میں بہا دیتی ہیں۔ بعض نذرِ آتش کر دیتی ہیں۔ اور بعض جانوروں کے سپرد کر دیتی ہیں۔ اسی طرح بعض قوموں میں مردوں کو دفن کرنے کا رواج ہے۔ اس سلسلہ میں گورو گرنتھ صاحب میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ:

اک وجھے اک دبیے اکناں کتے کھائے
اک پانی وچ اس لیے اک بھی پھر ہسن پائے
نانک اپونہ جاپئی کتھے جائے سمائے

بعض لوگ اپنے مردوں کو نذر آتش کر دیتے ہیں۔ بعض زمین میں دفن کر دیتے ہیں۔ بعض مردوں کی لاشوں کو کتے کھا جاتے ہیں۔ اور بعض کو دریا میں بہا دیا جاتا ہے۔ اور بعض کو سوکھے کنویں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ کسی کو بھی معلوم نہیں کہ ارواح کہاں جاتی ہیں۔

رے نرکا ہے پپور ہو دیہی اوڈ جائیگو دھرم باور داک پھجو رام سہینی
تین سنکیاں کر دیہی کیتی جل گر رکھ بھیمی
ہوئے آمروگرہ میں بیٹھا کرن کارن بسر وہی

یعنی: اے انسان تو جسم کو کیوں پیار اور محبت سے پرورش کرتا ہے۔ یہ تو دھویں کے بادل کی طرح اڑ جائے گا۔ تو بجائے اس کے دل لگانے کے خدا تعالیٰ کا ذکر کر جو حقیقی پیار کے لائق ہے۔ اس جسم کو بنانے والے نے اس کی تجہیز و تکفین تین طرح بیان کی ہے۔ پانی میں بہا دینا۔ جانوروں کے آگے ڈل دینا اور نذر آتش کر دینا۔ لیکن انسان اس خاکی جسم کو غیر فانی خیال کر کے اپنے دل میں گھمنڈ کرتا ہے۔ اور خدا کو بالکل بھول جاتا ہے۔

گورو گرنتھ صاحب میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قبر انسان کو یاد کرتی ہے۔ لکھا ہے کہ:

نانک آکھے گورسدیہی رہیو پینا کھانا

نانک جی کہتے ہیں کہ قبر لوگوں کو یاد کر رہی ہے۔ اور یہ کھانا پینا یہاں ہی رہ جائے گا۔

فریدا گورنمانی سڈ کرے نگھر یا گھر آؤ
سر پر میتھے آونا مرنوں نہ ڈریا ہو

یعنی: فرید جی کہتے ہیں کہ قبر تمھیں یاد کر رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ اے بے گھرے انسان تیرا اصل ٹھکانہ یہاں قبر میں ہی ہے۔ تو نے یقیناً میرے پاس ہی آنا ہے۔ اس لیے مرنے سے مت ڈر۔

فریدا محل نسکھن رہ گئے واسا آیا تل
گوراں سے نمانیاں بہن روحاں مل
آکھی شیخاں بندگی چلن آج کہ کل

یعنی: فرید جی کہتے ہیں کہ محل خالی رہ جائیں گے۔ اور زمین کے نیچے قیام ہوگا۔ اور روحیں قبروں میں جا بسیں گی۔ اے شیخو! اللہ کی عبادت کرو۔ آج یا کل یہاں سے کوچ کرنا ہوگا۔

فریدا میں بھولا وا پگ دامت میلی ہوئی جائے
گہلا روح نہ جانئی سر بھی مٹی کھائے

یعنی: فرید جی کہتے ہیں کہ مجھے تو پگڑی میلی ہو جانے کا فکر تھا۔ لیکن بے پردہ روح اس سے غافل تھی کہ سر بھی یہ مٹی کھا جائے گی۔

فریدا خاک نہ نندیئے خاکو جیڈ نہ کوئے
جیوندیاں پیراں تلے مویاں او پر ہوئے

یعنی: فرید جی کہتے ہیں کہ مٹی کی مذمت نہ کرو۔ اس کے برابر کوئی اور چیز نہیں انسان کے جیتو جی تو اس کے پیروں کے نیچے ہوتی ہے لیکن مرنے کے بعد اوپر آ جاتی ہے۔

کبیر سوتا کیا کر ہے جاگ روئے بھے دوکھ
جاں کا باسا گور میں سو کیوں سووے سکھ

کبیر سوتا کیا کر ہے اوٹھ کہ نہ جھپے مراد
اک دن سو دن ہوئے گو لانبے گوڈ پسار

یعنی: کبیر جی کہتے ہیں کہ اے مست نیند میں سونے والے تو یہ کیا کر رہا ہے۔ اٹھ بیدار ہوا و رموت کے فرشتہ سے ڈرو۔ جس کا قیام قبر میں ہونے والا ہے۔ وہ کیوں آرام سے نیند میں زندگی بسر کرے۔ کبیر جی بیان کرتے ہیں کہ اے مست نیند میں سونے والے اے تو کیا کر رہا ہے۔ تو بیدار ہو کر ذکر الٰہی میں کیوں نہیں مبتلا ہوتا۔ یاد رکھ کہ ای کدن تجھے ٹانگیں پھیلا کر ہمیشہ کی نیند میں سونا ہوگا۔

قیامت

گورو گرنتھ صاحب میں اس امر کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ یہ تمام عالم کائنات فانی ہے۔ اور ایک دن ایسا مقدر ہے جبکہ سورج یہ چاند' یہ ستارے وغیرہ تمام چیزیں ٹوٹ جائیں گے۔ اور اس وقت صرف وحدت کا دور دورہ ہوگا اور خدائے واحد ہی باقی رہے گا۔

مقام کر بینانت چلنے کی دھوکھ
مقام پر تاقس جابئے جاذں رہے نہچل لوک
دنیا کیس مقامے
کر صدق کرنی خرچ باندھو لاگ رہونامے
جوگی تاں آسن کر بہی ملاں بہے مقام
پنڈت دکھانے پوتھیاں سر بہے دیوستھاں
سر سدھ گن گندھرب مئی جن شیخ پیر سالار
در کوچ کوچا کر گئے اور بھی چلنہار
سلطان خان ملوک امرنے گئے کر کر کوچ
گھڑی مہت کہ چلنا دل سمجھ تو بھی پہوچ
شبدا ہیں دکھانیے ورلا تا بوجھے کوئے

نانک دکھانے بنی جل تھل مہیل سوئے
اللہ الکھ اگم قادر کرن ہار کریم
سب دبی آون جانی مقام ایک رحیم
مقام تسنوں آکھیے جس سس نہ ہوئے لیکھ
اسمان دھرتی جیسی مقام اوہیہ ایک
دن رو چلے نس سس نچلے تار کا لکھ پلوئے
مقام اوہی ایک ہے نانکا لچ بگوئے

یعنی: یہ تمام دنیا فانی ہے۔ یہاں دائمی طور پر کسی کو بھی قیام نہیں مل سکتا۔ اس لیے صدق کا زادِ راہ پلے باندھ لو۔ اور دن رات ذکرِ الٰہی میں مشغول رہو۔ جوگی لوگ آسن لگائے بیٹھے ہیں۔ اور ملاں لوگ مساجد اور تکیوں وغیرہ مقاما میں ڈیرے ڈالے بیٹھے ہیں۔ اور پندت پوتھیاں پڑھنے میں مشغول ہیں اور سدھ لوگ دیوستھان میں قیام پذیر ہیں۔ جتنے بھی بھلے لوگ سدھ۔ راگی منی، شیخ پیر اور سپہ سالار وغیرہ ہیں۔ وہ سب کے سب موت کا شکار ہیں۔ کئی ان میں سے مر گئے ہیں ٹ۔ اور کئی ان میں سے مرنے والے ہیں۔ بڑے بڑے جابر بادشاہ خان، ملوک، اور امراء سب کے سب اس دنیا سے کوچ کر گئے ہیں۔ اور تم بھی اچھی طرح سمجھ لو کہ آج یا کل تمھیں بھی کوچ کا نقارہ بجانا ہوگا۔ خدا تعالیٰ وراء الوراء ہے۔ اس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی یہ موت اس تک نہیں پہنچ سکتی۔ وہ قادر مطلق ہے۔ خالق ہے۔ رحیم ہے، باقی تمام دنیا فانی ہے اور باقی رہنے والے ذات صرف خدائے واحد ہی کی ہے۔

یہ زمین اور آسمان ایک دن میں فنا ہو جائیں گے۔ اور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی باقی رہے گا۔ یہ دن اور سورج یہ رات اور اس میں چمکنے والا چاند اور لاکھوں ٹمٹاتے ستارے سب کے سب فنا ہو جائیں گے۔ نانک جی سچ بیان کرتے ہیں کہ باقی صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہی ہوگی۔ وہی ایک غیر فانی اور لازوال ہے۔ باقی سب موت کا شکار ہیں۔

ہم زیر زمین دنیا پیر مشخنا رائیا
میر دو بادشاہاں افتروں خدایا

ایک تو ہی ایک تو ہی نہ دیو وانو انرا
نہ سدھ سادھک کا دھرا
است ایک وگر کوئی ایک تو ہی ایک تو ہی
نہ دادے دہند آدمی نہ سپست زیر زمیں
است ایک وگر کوئی ایک تو ہی ایک تو ہی
نہ سورس منڈلو نہ سپت دیپ نہ جلو
ان پون تھرنہ کوی ایک توئی ایک دتو ہی
زرزق دست آک کے ہمارا ایک آس وے
است ایک دگر کونی ایک توئی توئی

یعنی: ہم زمیں پر بسنے والے تمام لوگ فانی ہیں۔ اور باقی رہنے والے ذات خدا تعالیٰ ہی کی ہے۔ نہ کوئی دیوی یا دیوتا باقی رہے گا اور نہ کوئی سدھ۔ سب چیزیں فانی ہیں۔ باقی صرف اے مولا تو ہی رہے گا نہ آدمی نہ سات براعظم نہ سورج نہ چاند ہ اناج اور نہ ہوا۔ کوئی چیز بھی غیر فانی نہیں ہے۔ سب موت کا شکار ہیں اس کو فنا نہیں

سب کا رزق کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں۔ بلکہ تمام مخلوق کا سہارا وہی ہے۔ اس کے بغیر تمام چیزیں فانی ہیں۔ اور غیر فانی وہی ہے۔

اندر سپری مینہ سر پر مرنا   برہم پری نہچل نہیں رہنا
شو پری کا ہوئیگا کالا   ترے گن مائیا بنس بتالا
گرتر دھرن گگن ارتارے   روسں پون پاوک نیرارے
ونس رین برت ار بھیدا   سباست سمرت بنیسنہ گے بیدا
دھوتی ڈنڈوت پر ساون ہوگا   گون کرے گوسگلو لسوگا
تیرتھ دیو وہیرا پوتھی   مالا تلک سوچ پاک ہوتی

سگل پسار ویسے پاسارا   بنس جائے گوگل آکارہ
سہج صفت بھگت تت گیانا —   سدا انند نہچل سچ تھانا

یعنی: دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔ اور ای کوقت ایسا آئے گا جب عالم کائنات کی ہر چیز تباہ ہو جائے گی اور صرف خدائے واحد کی ذات بابرکت ہی جلوہ گر ہوگی۔

جنت اور دوزخ

گوروگرنتھ صاحب میں نیک اعمال کے نتیجہ میں جنت اور بے اعمال کے نتیجہ میں جہنم کا ملنا بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے:

گور پیر مامہ تاں بھرے   جاں مردار نہ کھائے
گلیس بہشت نہ جایئے   چھوٹے سچ کمائے

یعنی: گورو اور پیر تب حامی بھریں گے اگر انسان مردار خواری نہ کرے۔ محض باتوں سے کوئی بھی انسان بہشت کا وارث نہیں ہوسکتا۔ جبکہ وہ سچائی پر عمل پیرا نہ ہو۔

راہ وسائے اوتھے کو جائے
کرنی باجھوں بہشت نہ پائے

یعنی: بغیر نیک اعمال بجالائے کوئی انسان بہشت کا وارث نہیں ہوسکتا۔

آپ جانائے تو کوجانے
تب ہوئے بہشت نزیکی

یعنی: پہلے خود اللہ کی معرفت حاصل کرو۔ پھر دوسروں کو سمجھانے کی کوشش کرو۔ اس طرح انسان کو بہشت کا قرب حاصل ہوسکتا ہے۔

کپڑا روپ سوہاونا   چھڈ دنیا اندر جاونا
مند چنگا آپنا   آپ ہی کیتا پاونا
حکم کیئے من بھانودے   راہ بھیڑے آگے جاونا

ننگا دوزخ چلیا تاں دسے کھرا ڈراونا
کر اوگن پچھوتا ونا

یعنی: یہ خاکی خوبصورت جسم دنیا کے اندر چھوڑ کر چلے جانا ہے۔ اور نیکی بدی جو کچھ انسان نے کمائی ہوگی اس کی سزا جزا کو وہ بھگتے گا۔ دنیا میں تو انسان اپنی مرضی کے حکم چلاتا ہے۔ لیکن آخرت میں اسے بہت تنگ اور تاریک راستہ سے گزرنا ہوگا۔ ایسا انسان دوزخ میں بالکل ننگا جائے گا اور اس وقت اس کی بہت بھیانک شکل ہوگی۔ اور اپنے بداعمال پر پچھتائے گا۔

بہشت پیر لفظ کمائے اندازہ
حوار نور مشک خدایا بندگی اللہ اعلیٰ حجرا

حق حلا بخور وکھانا دل دریاو دھووہو میلانا
پیر بچھائے بہشتی سوئی عزرائیل نہ روز ٹھہرا

یعنی: وہ لوگ اپنے زمانہ کے امام کے احکامات بجالائیں گے۔ وہ اس بہشت کے وارث ہوں گے جس میں حوریں نور اور مشک ہوگا اور وہاں وہ اللہ کی بندگیں کریں گے اور ان بلند مقام پر جگہ دی جائے گی حق حلال کا رزق کھانے والے اور دل کی میل کو دھونے والے اور امام وقت کی شناخت کرنے والے بہشت میں جائیں گے۔ انھیں عزرائیل دوزخ میں نہیں ڈالے گا۔

ہر سو ہیرا چھاوا کرن ہے آن کی آس
تے نر دوزخ جاہیں گے ست بھاکھے رو داس

یعنی: جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ روداس جی کہتے ہیں کہ ایسے مشرکوں کا ٹھکانہ دوزخ میں ہوگا۔

جیکر گہے پیارڑے تجھ نہ چھوڑاں مول
ہر چھوڑن اسے ورجنا پڑیں دوزخ کے سول

یعنی: اے پیارے اللہ! اگر میں تجھے ہاتھ سے پکڑلوں۔ تو کبھی بھی نہ تجھے چھوڑوں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کو چھوڑنے سے انسان جہنم میں چلا جاتا ہے۔

خود خصم خلق جہان اللہ مہربان خدائے
ونس رین جے ندھ آرادھے سو کیوں دوزخ جائے

یعنی: اللہ تعالیٰ خود مالک ہے اور تمام جہان کا مالک و خالق ہے۔ اور وہ مہربان بھی ہے۔ جو لوگ دن رات اس کی عبادت کرتے ہیں وہ دوزخ میں کیوں جائیں گے۔

اٹھے پہر بھوندا پھرے کھاون سنڈرے سول
دوزخ پوندا کیوں رہے جاں چت نہ ہوئے رسول

یعنی: جن لوگوں کے دل میں رسول کریم ﷺ کی عزت اور عظمت نہیں ہے وہ اس دنیا میں بھی آٹھوں پہر بھٹکتے پھریں گے۔ اور مرنے کے بعد ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔

اوتھے سچ ہی سچ نبڑے چن دکھ کڈھے جمالیا
تھاؤں نے پائن کوڑیا منہ کالے دوزخ چالیا

یعنی: اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں حق کے ساتھ فیصلے کیے جائیں گے۔ اور بعد ازاں لوگوں کو چن چن کر الگ کر دیا جائے گا۔ جھوٹ سے پیار کرنے والوں کو خدا کے دربار میں کوئی جگہ نہیں ملے گی۔ ان کے منہ سیاہ کر کے دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا۔

پاپ کرینڈ رسر پر مٹھے عزرائیل پھڑے پھڑ کھئے
دوزخ پائے سر جتھارے لیکھا منگے بابینا

یعنی: گناہ کرنے والوں کو عزرائیل پکڑ کر سزا دے گا۔ خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو دوزخ میں ڈالے گا اور ان سے ان کے اعمال کا پورا پورا حساب لیا جائے گا۔

آپس کو ویرگھ کر جانے اورن کو لگ مات
منابا چاکر متا میں دیکھے دوزخ جات

یعنی: جو لوگ خود کو بڑا اور دوسروں کو حقیر تصور کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو میں نے دوزخ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

مال لیوں تو دوزخ پڑوں
دین چھوڑ دنیا کو بھروں

یعنی: اگر میں مال رشوت کے طور پر وصول کروں گا تو دوزخ میں گرایا جاؤں گا اور دین کو چھوڑ کر دنیا کے پیچھے پیچھے چلنے والا قرار پاؤں گا۔

کاہے میرے بامن ہر نہ کہے
رام نہ بولیں پانڈے دوزخ بھرے

یعنی: اے میرے براہمن تو کیوں خدا تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا۔ خدا کا ذکر نہ کرنے کی وجہ سے اے پانڈے تو دوزخ بھرنے کا موجب ہوگاٹ

خیان حیوان حرام کتنی مردار خوردنی غافل ہوائے
دل قبض قبضہ قادر ودوزخ سزا ہے

یعنی: جو لوگ غافل ہیں اور حرام خوری میں مبتلا ہیں ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ دل قادر خدا کے قبضہ میں ہیں اور وہ دوزخ میں سزا دے گا۔

فریدا من میدان کر ٹوئے ٹبے لاہ
اگے مول نہ آوسی دوزخ سندھی بھاہ

یعنی: اے فرید دل کو میدان کی طرح ہموار بنا لو۔ اور تمام اونچ نیچ ختم کر دو۔ اس طرح آخرت میں دوزخ کی ہوا بھی نہ لگ سکے گی۔

فریدا موتے دا بنا ایویں وسے جیوں دریا وے ڈھاہ
اگے دوزخ تپیا سنیے ہول پوے کہاہا

یعنی: اے فرید موت ایک یقینی چیز ہے۔ اور آخرت میں دوزخ بہت گرم ہے۔ وہاں کوئی چیخ و پکار نہیں سنی جائے گی۔

داس کبیر تیری پناہ سمانا
بہشت نزدیک راکھ رحمانا

یعنی: کبیر جی اپنے اللہ کے حضور یہ دعا کرتے ہیں کہ اے رحمٰن خدا! تع اپنی صفتِ رحمانیت کے ماتحت ہمیں بہشت کے قریب ٹھکانا دیجیو۔

پل صراط

پل صراط وہ مقام ہے جو تلوار کی دھار سے تیز اور بال سے باریک ہے۔ گورو گرنتھ صاحب میں پل صراط کا ذکر بھی موجود ہے۔ جیسا کہ مذکور ہے کہ:

والوں نکی پل صراط کنی نہ سنیاہ
فریدا کوڑ پوندی ای کھڑا ہ آپ جہائے

یعنی: بالوں سے باریک پل صراط ہے کیا اس پر چلنے کی مصیبت کے بارہ میں تو نے کچھ سنا نہیں۔ فرید جی کہتے کہیں کہ آوازوں کے آتے موئے تو خود کو اپنے ہاتھوں سے نہ لٹا

پل صراط کا پنتھ دو پہلا   سنگ نہ ساتھی گون اکیلا

یعنی: پل صراط کا راستہ بہت کٹھن ہے۔ وہاں کوئی کسی کا ساتھ نہ دے سکے گا۔ بلکہ ہر ایک کو اکیلا گزرنا ہوگا۔

گورو گرنتھ صاحب میں سچائی کے راستہ پر چلنا بھی پل صراط کے نام سے یاد کیا گیا ہے جیسا کہ لکھا ہے:

واٹ ہماری کھری اڈینی کھینوں تکھی بہت پئی
اس اوپر ہے مارگ میرا شیخ فرید پنتھ سمار سویرا

یعنی: ہمارا راستہ جس پر ہم گامزن ہیں بہت ہی کٹھن ہے۔ یہ تلوار کی دھار سے تیز اور بہت ہی باریک ہے اور اس پر ہم چل رہے ہیں۔

بھگت کی چال نرالی   وکھم مارگ چلنا
لب لوبھ اہنکار تج ترشنا بہت ناہی بولنا
کھینوں تکھی والوں نکی ایت مارگ جانا
نانک آکھے چال بھگتاں جگہو جگ نرالی

یعنی اللہ تعالیٰ کے بھگوں کی چال نرالی ہے۔ وہ کٹھن رستہ پر چلتے ہیں۔ اور لالچ، موہ تکبر اور حرص کو ترک کر کے وہ زیادہ نہیں بولتے اور تلوار کی دھار سے تیز اور بال سے باریک راستہ پر چلتے ہیں۔ نانک جی کہتے ہیں کہ ہمیشہ سے ہی اللہ تعالیٰ کی چال نرالی ہے۔

☆☆☆

مضامین و مقالات

اکرم کمبوہ